بنیادی مسائل کے جوابات

از

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ



ادارہ الفضل آن لائن لندن

اللهم ايد امامنا بروح القدس



بنیادی مسائل کے جوابات

از

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

مرتبہ: ظہیر احمد خان

(انچارج شعبہ ریکارڈ دفتر پی ایس لندن)

ادارہ الفضل آن لائن لندن

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا

ادارہ الفضل آن لائن کی 42ویں کاوش

رابطہ کرنے کے لیے

ویب سائٹ: www.alfazlonline.org

ای میل ایڈریس: info@alfazlonline.org

editor@alfazlonline.org

فون نمبر: +44 7951 614020

+44 7376 159966

آن لائن ایڈیشن

ابتدائیہ

ادارہ الفضل کو جہاں وقت کی آواز حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبات جمعہ، خطابات جلسہ سالانہ، ورچول ملاقاتیں، This week with Huzoor، حضور انور کی مصروفیات، دورہ جات کی کوریج بصورت عابد خان صاحب کی ڈائری کی اشاعت کی توفیق ملی وہاں پیارے حضور کی تحریکات، اپنے جائزے لیں کے عنوان پر ارشادات کے علاوہ فقہی امور پر حضور انور کے جوابات بعنوان "بنیادی مسائل کے جوابات" پچاس قسطوں میں اشاعت کی سعادت پائی جسے مکرم ظہیر احمد خان صاحب انچارج شعبہ ریکارڈ دفتر پی ایس لندن نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رہنمائی اور ہدایت میں تیار کیا اور حضور انور سے آخری اجازت کے ساتھ طبع کے لئے الفضل کو بھجواتے رہے۔ ان 50 قسطوں میں فقہی امور میں ان سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں جو وقتاً فوقتاً مختلف دوستوں اور خواتین کی طرف سے حضور انور سے بذریعہ پوچھے گئے۔

دربار خلافت سے پیار اور خلفاء سے مریدوں کی غیر معمولی محبت اور عقیدت کی وجہ سے پیارے حضور کے تمام طبع ہونے والے فیچرز نے بہت پذیرائی حاصل کی۔ لیکن "اپنے جائزے لیں" اور "بنیادی مسائل کے جوابات" نے غیر معمولی مقبولیت کی سند پائی۔ خاکسار کے ہوش سنبھالنے سے خاکسار کے جائزے کے مطابق الفضل میں کسی نہ کسی عنوان سے شائع ہونے والے فقہی مسائل قارئین کی دلچسپی کا باعث بنتے رہے ہیں۔ اس ناطے سے الفضل آن لائن کا بنیادی مسائل کے جوابات کا خصوصی فیچر اور فقہی کارنر بہت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا اور بارہا قارئین کی طرف سے اس کو یکجائی طور پر کتابی صورت میں شائع کرنے کا مطالبہ سامنے آتا رہا۔ حتیٰ کہ جرمنی سے ایک ریٹائرڈ مربی صاحب نے اس کی 48ویں قسط کی اشاعت پر یہ لکھ کر اپنی رائے دی کہ

"میں نے دیکھا ہے کہ آپ بالعموم 50 اقساط کے بعد کسی مضمون کو کتابی شکل دے دیتے ہیں۔ اب امید ہے کہ بنیادی مسائل کے جوابات کو بھی 50 قسطوں کے بعد کتابی صورت میں اسے ہمارے لئے مہیا کر کے ہماری پیاس کو بجھائیں گے"

لہٰذا اس اہم دستاویزات کو قارئین الفضل آن لائن کی ای لائبریری کی زینت بڑھانے کے لئے کتابی شکل میں مہیا کیا جارہاہے۔ یہ ادارہ الفضل کی 42ویں کاوش ہے۔ ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم

اظہار تشکر:

خاکسار نے اللہ تعالیٰ کے مزید افضال سمیٹنے کے لئے اپنی سابقہ 30 سے زائد کتب کے پیش لفظ میں اظہار تشکر ضرور شامل کیا ہے سو اس مستقبل فیچر کے تحت سب سے اوّل پروردگار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے جس نے ادارہ کو آٹھ ماہ کے قلیل عرصہ میں 35 سے زائد کتب مرتب کر کے شائع کرنے کی توفیق دی جس میں بنیادی مسائل کے جوابات جیسی اہم معلومات سے بھرپور کتاب موجود ہے۔

- دوسرے نمبر اپنے پیارے آقا و مولیٰ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ نہایت ادب سے ادا کرنا ہے جنہوں نے اپنے بے بہا قیمتی وقت سے کچھ حصہ نکال کر فقہی مسائل کے جوابات دے کر تشنہ روحوں کو سیر اب فرمایا۔ اللھم ایدامامنا بروح القدس وکن معه حیث کان
- تیسرے نمبر پر مکرم ظہیر احمد خان صاحب (انچارج شعبہ ریکارڈ دفتر پی ایس لندن) کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے ان سوالات کے جوابات کو بہت محنت سے مرتب کر کے بطور علمی و روحانی مائدہ الفضل آن لائن کے قارئین کے لئے مہیا فرمایا۔ فجزاہ اللّٰہ تعالیٰ و کان اللّٰہ معه
- الفضل کا حصہ بنانے کے لئے پروف کرنے اور اخبار کی مالا میں سجانے کے لئے خاکسار کی ٹیم میں سے جن کارکنان اور رضاکاروں نے خدمت انجام دی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کے ساتھ ہو اور مزید مقبول و منظور خدمات کی توفیق سے نوازتا رہے۔
- اخبار کی زینت بننے کے بعد اسے کتابی شکل دینے میں مکرمہ فائقہ بشریٰ آف بحرین نے خاکسار کا ہاتھ بٹایا بعد ازاں مکرم زاہد محمود نے ہیرے کی طرح اس کی کانٹ چھانٹ کر کے کتابی انگشتری میں سجا کر اس عارفانہ علمی حصہ کو احباب جماعت کے سامنے پیش کیا۔ فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ
- یہاں حق تلفی ہو گی اگر میں ان دوستوں اور خواتین کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس علمی روحانی مائدہ کو اپنے حلقہ احباب میں ایسے رنگ میں شیئر کیا کہ دنیا میں 5 لاکھ سے زائد احمدی نفوس نے

اس سے استفادہ کیا اور اب اس یادگار کتاب کو بھی شیئر کرکے ثواب دارین حاصل کریں گے ان میں نمائندگان الفضل آن لائن سرفہرست ہیں۔نفع اللّٰہ بوجودھم

اس علمی مائدہ میں سے رمضان المبارک کے حوالہ سے بنیادی مسائل کو الگ سے الفضل کی زینت بنایا جارہاہے۔جو اس کتاب کے آخر میں بھی شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مائدہ کو بہت سوں کے لئے فائدہ کا موجب بنائے اور ہمارے پیارے امام کو صحت وسلامتی کے ساتھ دراز عمر عطا فرمائے اور آپ کے فیض سے جماعت مستفیض ہوتی رہے۔آمین

حنیف محمود

ایڈیٹر

روزنامہ الفضل آن لائن، لندن

17مارچ2023ء

انڈیکس



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 1

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مختلف وقتوں میں اپنے مکتوبات اور ایم ٹی اے کے مختلف پروگراموں میں بنیادی مسائل کے بارہ میں جو ارشادات مبارکہ فرماتے ہیں، ان میں سے کچھ افادۂ عام روزنامہ الفضل لندن آن لائن میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

سوال:۔ عورتوں کے مخصوص ایام میں قرآن کریم کے تحریری نسخہ کو پکڑنے اور پڑھنے نیز کمپیوٹر یا آئی پیڈ وغیرہ سے تلاوت قرآن کرنے کے بارہ میں ایک شخص نے مختلف علماء وفقہاء کے حوالہ جات پر مبنی ایک تحقیق حضور انور کی خدمت اقدس میں پیش کر کے اس مسئلہ کے بارہ میں حضور انور سے راہنمائی چاہی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 05 اکتوبر 2018ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اس مسئلہ پر علماء وفقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے اور بزرگان دین نے بھی اپنی قرآن فہمی کے مطابق اس بارہ میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔

قرآن کریم، احادیث نبویہ ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں میرا اس بارہ میں موقف ہے کہ ایام حیض میں عورت کو قرآن کریم کا جو حصہ زبانی یاد ہو، وہ اسے ایام حیض میں ذکر و اذکار کے طور پر دل میں دہرا سکتی ہے۔ نیز بوقت ضرورت کسی صاف کپڑے میں قرآن کریم کو پکڑ بھی سکتی ہے اور کسی کو حوالہ وغیرہ بتانے کیلئے یا بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کیلئے قرآن کریم کا کوئی حصہ پڑھ بھی سکتی ہے لیکن باقاعدہ تلاوت نہیں کر سکتی۔

اسی طرح ان ایام میں عورت کو کمپیوٹر وغیرہ پر جس میں اسے بظاہر قرآن کریم پکڑنا نہیں پڑتا باقاعدہ تلاوت کی تو اجازت نہیں لیکن کسی ضرورت مثلاً حوالہ تلاش کرنے کیلئے یا کسی کو کوئی حوالہ دکھانے کیلئے کمپیوٹر وغیرہ پر قرآن کریم سے استفادہ کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال:۔ ایک خاتون نے عورتوں کے مخصوص ایام میں ان کے مسجد میں آنے کے بارہ میں مختلف احادیث نیز موجودہ دور میں خواتین کو ان ایام میں اپنی صفائی وغیرہ کیلئے میسر جدید ساز وسامان کے ذکر پر مبنی ایک نوٹ حضور انور کی خدمت اقدس میں پیش کر کے مساجد میں ہونے والی جماعتی میٹنگز اور اجلاسات وغیرہ میں ایسی عورتوں کی شمولیت اور ایسی غیر مسلم خواتین کو مسجد کا وزٹ وغیرہ کروانے کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے رہنمائی طلب کی۔ جس پر حضور انور نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 مئی 2020ء میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ ایام حیض والی خواتین کے مسجد میں سے کوئی چیز لانے یا مسجد میں چھوڑ کر آنے نیز مسجد میں جا کر بیٹھنے کے بارہ میں الگ الگ احکامات بڑی وضاحت سے حضور ﷺ نے ہمیں سمجھا دیئے ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں بھی ذکر فرمایا ہے کہ حضور ﷺ اپنی ازواج کو اس حالت میں چٹائی وغیرہ بچھانے کیلئے مسجد میں جانے کی اجازت فرمایا کرتے تھے۔ لیکن جہاں تک اس حالت میں مسجد میں جا کر بیٹھنے کا تعلق ہے تو اس بارہ میں بھی حضور ﷺ کی ممانعت بڑی صراحت کے ساتھ احادیث میں مذکور ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے عیدین کے موقعہ پر کنواری لڑکیوں، جوان و پردہ دار اور حائضہ تمام قسم کی عورتوں کو عید کیلئے جانے کی تاکیداً ہدایت فرمائی یہاں تک کہ ایسی خاتون جس کے پاس اوڑھنی نہ ہو اسے بھی فرمایا کہ وہ اپنی کسی بہن سے عاریۃً اوڑھنی لے کر جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ایام حیض والی خواتین کیلئے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ وہ نماز کی جگہ سے الگ رہ کر دعا میں شامل ہوں۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب حج سے پہلے دیگر مسلمان عمرہ کر رہے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے مخصوص ایام میں تھیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں عمرہ کی اجازت نہ دی

کیونکہ طواف کرنے کیلئے مسجد میں زیادہ دیر تک رہنا پڑتا ہے۔ پھر جب وہ ان ایام سے فارغ ہو گئیں تو حج کے بعد انہیں الگ عمرہ کیلئے بھجوایا۔

پس احادیث میں اس قدر صراحت کے بیان کے بعد کوئی وجہ نہیں رہ جاتی کہ ہم اپنی خواہشات پوری کرنے کیلئے نئی نئی راہیں تلاش کریں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پہلے زمانہ میں عورتوں کو اپنی صفائی کیلئے ایسے ذرائع میسر نہیں تھے جیسے اب ہیں۔ ٹھیک ہے ایسے جدید ذرائع میسر نہیں تھے لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وہ اپنی صفائی کا خیال ہی نہیں رکھ سکتی تھیں اور ان کے حیض کے خون ادھر ادھر گرتے پڑتے تھے۔ انسان نے ہر زمانہ میں اپنی ضروریات کیلئے بہتر سے بہتر انتظام حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ پس پہلے زمانہ میں بھی عورتیں اپنی صفائی ستھرائی کیلئے بہترین انتظام کیا کرتی تھیں۔

پھر اس جدید دور کے ذرائع صفائی ستھرائی میں بھی بہر حال سقم موجود ہیں۔ ایسی خواتین جن کو بہت زیادہ خون آتا ہے بعض اوقات ان کا پیڈ Leak کر جانے کی وجہ سے کپڑے خراب ہو جاتے ہیں۔

پس اسلام کی جو تعلیمات دائمی اور ہر زمانہ کیلئے یکساں ہیں، ان پر ہر زمانہ میں اسی طرح عمل ہو گا جس طرح آنحضور ﷺ کے زمانہ میں ہوتا تھا۔

اگر کسی جگہ مجبوری ہے اور نماز کے کمرہ کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں تو اسی کمرہ کے آخر پر دروازہ کے قریب ایک ایسی جگہ مخصوص کی جا سکتی ہے جہاں نماز نہ پڑھی جائے اور ایسی عورتیں وہاں بیٹھ جایا کریں، یا مسجد کے آخر حصہ میں ایسی عورتوں کیلئے کرسیاں رکھ کر ان کے بیٹھنے کا انتظام کر دیا جائے، تاکہ نماز پڑھنے کی جگہ کے گندہ ہونے کا ہلکا سا بھی شبہ باقی نہ رہے۔

جہاں تک غیر مسلم عورتوں کے مساجد کا وزٹ کرنے کی بات ہے تو اوّل تو وزٹ کے دوران انہیں مساجد میں بٹھایا نہیں جاتا بلکہ صرف مساجد کا وزٹ کروایا جاتا ہے۔ جس کا دورانیہ تقریباً اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ مسجد سے چٹائی لانے یا بچھا کر آنے کا دورانیہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر کہیں انہیں مسجد میں بٹھانے کی ضرورت پڑے تو نیچے صفوں پر نماز پڑھنے کی جگہ بٹھانے کی بجائے مسجد کے آخر پر کرسیوں پر انہیں بٹھائیں۔

(اس سوال کے جواب میں ایام حیض والی خواتین کے عید کے موقعہ پر دعا میں شامل ہونے کیلئے حضور ﷺ کی تاکید اًہدایت کا جو اوپر ذکر ہوا ہے۔ اس حوالہ سے خطبہ عید کے سننے کے بارہ میں ایک سوال کے جواب میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حدیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں جو جواب عطاء فرمایا اسے بھی احباب کے استفادہ کیلئے یہاں درج کیا جارہا ہے۔ مرتب)

سوال:۔ ایک دوست نے دریافت کیا کہ دار قطنی میں ایک حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے نماز عید کے بعد فرمایا کہ ہم خطبہ دیں گے، جو چاہے سننے کیلئے بیٹھا رہے اور جو جانا چاہے چلا جائے، کیا یہ حدیث درست ہے؟ اس پر حضور انور نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 اکتوبر 2020ء میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ خطبہ عید کے سننے سے رخصت پر مبنی حدیث جسے آپ نے دار قطنی کے حوالہ سے اپنے خط میں درج کیا ہے، سنن ابی داؤد میں بھی روایت ہوئی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ حضور ﷺ نے خطبہ عید کے سننے کی اس طرح تاکید نہیں فرمائی جس طرح خطبہ جمعہ میں حاضر ہونے اور اسے مکمل خاموشی کے ساتھ سننے کی تاکید فرمائی ہے۔ اسی بناء پر علماء و فقہاء نے خطبہ عید کو سنت اور مستحب قرار دیا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئیے کہ حضور ﷺ نے عید کیلئے جانے اور دعاء المسلمین میں شامل ہونے کو نیکی اور باعث برکت قرار دیا ہے اور اس کی یہاں تک تاکید فرمائی کہ ایسی خاتون جس کے پاس اپنی اوڑھنی نہ ہو وہ بھی کسی بہن سے عاریۃً اوڑھنی لے کر عید کیلئے جائے۔ اور ایام حیض والی خواتین کو بھی عید پر جانے کی اس ہدایت کے ساتھ تاکید فرمائی کہ وہ نماز کی جگہ سے الگ رہ کر دعا میں شامل ہوں۔

سوال:۔ ایک خاتون نے رمضان المبارک کے اعتکاف کے بارہ میں دریافت کیا کہ کیا یہ اعتکاف گھر پر کیا جا سکتا ہے اور کیا یہ اعتکاف تین دن کیلئے ہو سکتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ

العزیز نے اپنے مکتوب 09 اگست 2015ء میں اس مسئلہ کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ جہاں تک رمضان کے مسنون اعتکاف کا تعلق ہے وہ تو جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے گھر پر اور تین دن کیلئے نہیں ہو سکتا۔

آنحضور ﷺ کی سنت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ رمضان المبارک میں کم از کم دس دن اور مسجد میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے:۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ

(صحیح بخاری کتاب الاعتکاف باب الاعتکاف فی العشر الاواخر والاعتکاف فی المساجد کلھا)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک رمضان کے آخری دس دن اعتکاف فرماتے رہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں رمضان کے مسائل بیان فرمائے ہیں وہاں اعتکاف کے بارہ میں احکامات بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ

(سورۃ البقرہ:188)

کہ رمضان کے اعتکاف میں ایک تو میاں بیوی کے تعلقات کی اجازت نہیں اور دوسرا یہ کہ اعتکاف بیٹھنے کی جگہ مسجدیں ہیں۔

احادیث میں بھی اس امر کی وضاحت آئی ہے کہ رمضان کا اعتکاف مسجد میں ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:۔

السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَا يَعُودَ مَرِيضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ امْرَأَةً وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ جَامِعٍ

(سنن ابی داؤد کتاب الصوم باب المعتکف یعود المریض)

ترجمہ:۔ معتکف کیلئے مسنون ہے کہ وہ مریض کی عیادت نہ کرے اور نہ جنازہ میں شامل ہو اور نہ اپنی بیوی کو چھوئے اور نہ اس سے جسمانی تعلق قائم کرے۔ اور سوائے اشد ضروری حاجت کے جس کے سوا چارہ نہ ہو مسجد سے باہر نہ جائے۔ اور روزوں کے بغیر اعتکاف درست نہیں اور نہ ہی جامع مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں پر اعتکاف درست ہے۔

پس قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ کے مطابق رمضان المبارک کا مسنون اعتکاف کم از کم دس دن ہوتا ہے اور اس کیلئے مسجد میں ہی بیٹھا جاتا ہے۔

ہاں رمضان کے علاوہ عام دنوں میں اگر نیکی کے طور پر اور ثواب کی خاطر کوئی اپنے گھر میں چند دن کیلئے اعتکاف کرنا چاہتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہے اور اس کی کہیں ممانعت نہیں ملتی۔ علاوہ ازیں بعض فقہاء نے عورت کے گھر میں اعتکاف کرنے کو بہتر قرار دیا ہے۔ چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھا ہے:۔

اما المرأة تعتكف فی مسجد بیتها

(هدایه باب الاعتکاف)

یعنی عورت اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے۔

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بارہ میں فرماتے ہیں:۔

’’مسجد کے باہر اعتکاف ہو سکتا ہے مگر مسجد والا ثواب نہیں مل سکتا۔‘‘

(روزنامہ الفضل 6مارچ 1996ء)

سوال:۔ گلشن وقف نو آسٹریلیا مؤرخہ 12 اکتوبر 2013ء میں ایک بچی نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خدمت اقدس میں استفسار کیا کہ بچیوں کو سکارف کس عمر میں لینا چاہئے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کا جواب ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:۔

جواب:۔ جب تم پانچ سال کی ہو جاؤ تو اس وقت تمہیں بغیر Leggings کے فراک نہیں پہننی چاہئے، تمہاری ٹانگیں ڈھکی ہونی چاہئیں تاکہ تمہیں احساس ہو کہ آہستہ آہستہ ہمارا ڈریس جو ہے وہ Cover ہونا چاہئے۔ Sleeveless فراک نہیں پہننی چاہئے۔ پھر چھ سات سال کی ہو جاؤ تو تمہاری

Leggings میں مزید احتیاط ہو۔ اور جب تم دس سال کی ہو جاتی ہو تو تھوڑا سا سکارف لینے کی عادت ڈالو۔ اور جب گیارہ سال کی ہو جاؤ تو پھر سکارف پوری طرح لو۔ سکارف لینے میں تو کوئی حرج نہیں؟ سکارف تو یہاں بھی لوگ سردیوں میں لے لیتے ہیں۔ سردی ہوتی ہے تو اپنے کان نہیں لپیٹ لیتے؟ وہ سکارف ہی ہوتا ہے۔ اس طرح کا سکارف لو۔

بعض لڑکیاں ہوتی ہیں، جو دس سال کی عمر میں بھی چھوٹی سی نظر آتی ہیں۔ اور بعض ایسی ہوتی ہیں جو دس سال کی عمر میں بارہ سال کی لڑکی کی طرح نظر آتی ہیں، ان کے قد لمبے ہو جاتے ہیں۔ تو ہر لڑکی دیکھے کہ وہ اگر بڑی بڑی نظر آتی ہے، تو اس کو سکارف لے لینا چاہئے۔ چھوٹی عمر میں سکارف لینے کی عادت ڈالو گی تو پھر شرم نہیں آئے گی، نہیں تو ساری عمر شرماتی رہو گی۔ اگر تم کہو گی کہ بارہ سال کی عمر میں، تیرہ سال کی عمر میں، چودہ سال کی عمر میں جا کر سکارف لوں گی، تو پھر سوچتی رہو گی اور پھر تمہیں شرم آ جائے گی۔ پھر تم کہو گی او ہو کہیں لڑکیاں میرا مذاق نہ اڑائیں۔ میں نے سکارف لیا تو وہ مجھ پہ ہنسیں گی۔ اس لئے کبھی کبھی سکارف لینے کی عادت ڈالو۔ سات، آٹھ، نو سال کی عمر میں سکارف لینا شروع کر دو، اور لڑکیوں کے سامنے بھی لے لو تا کہ تمہاری شرم ختم ہو جائے۔ اور جب تم بڑی نظر آؤ تو تم پوری طرح سکارف لو۔ ٹھیک ہے، سمجھ آئی؟ تمہارے لئے اتنا کافی ہے اور بڑی لڑکیوں کے لئے اتنا کافی ہے کہ اصل چیز پردہ کا مقصد یہ ہے کہ حیا ہونی چاہئیے۔ اور یہ جو یورپین ہیں یا ویسٹرن Influence کے اندر آتے ہیں، پرانے زمانہ میں ان کے لباس بھی یہاں تک ہوتے تھے (اس موقعہ پر حضور انور نے اپنے ہاتھوں کی کلائیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ مرتب)، لمبی میکسی فراکس ہوتی تھیں۔ اب تو یہ ننگے پھرتے ہیں ناں؟

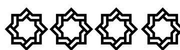
سوال یہ ہے کہ مرد جو ہے وہ اچھا اور Well Dressed اس وقت کہلاتا ہے جب اس نے ٹراؤزرز پورے پہنے ہوں، کوٹ پہنا ہو، ٹائی لگائی ہو۔ اور عورت کو کہتے ہیں کہ تم Well Dressed اس وقت ہو گی، جب تم نے منی سکرٹ پہنی ہو۔ یہ مجھے فلسفہ سمجھ نہیں آیا۔

اس لئے مردوں کو نہ دیکھو۔ اور عورتیں بھی جو خود اپنے آپ کو ننگا کرتی ہیں اپنی بے عزتی کرواتی ہیں۔ اس لئے احمدی لڑکی، احمدی عورت کا وقار اسی میں ہے کہ اپنی حیا کو قائم کرے۔ کیونکہ اصل چیز حیا ہے۔ اور یہ حیا ہے جو دوسروں کو تمہارے پہ غلط نظر ڈالنے سے روکتی ہے۔

سوال:۔ آسٹریلیا کے واقفات نو کے اسی پروگرام گلشن وقف نو مؤرخہ 12 اکتوبر 2013ء میں ایک بچی نے حضور انور کی خدمت اقدس میں سوال کیا کہ ہم رمضان کے روزے کس عمر میں رکھنا شروع کریں؟اس استفسار کا جواب عطاء فرماتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:۔

جواب:۔ روزے تم پر اس وقت فرض ہوتے ہیں جب تم لوگ پوری طرح Mature ہو جاؤ۔ اگر تم سٹوڈنٹ ہو اور تمہارے امتحان ہو رہے ہیں تو ان دنوں میں اگر تمہاری عمر تیرہ، چودہ، پندرہ سال ہے تو تم روزے نہ رکھو۔ اگر تم برداشت کر سکتی ہو تو پندرہ سولہ سال کی عمر میں روزے ٹھیک ہیں۔ لیکن عموماً فرض روزے جو ہیں وہ سترہ، اٹھارہ سال کی عمر سے فرض ہوتے ہیں، اس کے بعد بہر حال رکھنے چاہئیں۔ باقی شوقیہ ایک، دو، تین، چار روزے اگر تم نے رکھنے ہیں تو اٹھ دس سال کی عمر میں رکھ لو، فرض کوئی نہیں ہیں۔ تمہارے پہ فرض ہوں گے جب تم بڑی ہو جاؤ گی، جب روزوں کو برداشت کر سکتی ہو۔ یہاں (آسٹریلیا میں۔ مرتب) مختلف موسموں میں کتنا فرق ہوتا ہے؟ Day Light کتنے گھنٹے کی ہوتی ہے؟ سحری اور افطاری میں کتنا فرق ہوتا ہے؟ بارہ گھنٹے؟ اور Summer میں کتنا ہوتا ہے؟ انیس گھنٹے کا ہوتا ہے؟ ہاں تو بس انیس گھنٹے تم بھوکی نہیں رہ سکتی۔ یوکے میں بھی آجکل، جو پیچھے گرمیاں گزری ہیں، ان میں تمہارے روزے چھوٹے تھے اور وہاں لمبے روزے تھے۔ ساڑھے اٹھارہ گھنٹے کے روزے تھے۔ تو سویڈن وغیرہ میں بائیس گھنٹے کے روزے ہوتے ہیں۔ تو وہاں تو بہر حال وقت کو ایڈجسٹ کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اتنا لمبا روزہ بھی نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن برداشت اس وقت ہوتی ہے جب تم جوان ہو جاتی ہو، کم از کم سترہ اٹھارہ سال کی ہو جاؤ تو پھر ٹھیک ہے۔ پھر روزے رکھو۔ سمجھ آئی؟ تمہارے اماں ابا کیا کہتے ہیں؟ دس سال کی عمر میں تم پر روزہ فرض ہو گیا ہے؟ لیکن عادت ڈالا کرو۔ چھوٹے بچوں کو بھی دو تین روزے ہر رمضان میں رکھ لینے چاہئیں تا کہ پتہ لگے کہ رمضان آرہا ہے۔ لیکن روزے نہ بھی رکھنے ہوں تو صبح اٹھو اور اماں ابا کے ساتھ سحری کھاؤ، نفل پڑھو، نمازیں باقاعدہ پڑھو۔ تم لوگوں کا، سٹوڈنٹس کا اور بچیوں کا رمضان یہی ہے کہ رمضان میں اٹھیں ضرور اور سحری کھائیں، اہتمام کریں اور اس سے پہلے دو یا چار نفل پڑھ لیں۔ پھر نمازیں باقاعدہ پڑھیں۔ قرآن شریف باقاعدہ پڑھیں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 17 دسمبر 2020ء)



بنیادی مسائل کے جوابات
قسط نمبر2

سوال:۔ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں استفسار کیا کہ اسلام میں مختلف جانوروں کا گوشت کس بناء پر حلال اور حرام قرار دیا جاتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 اپریل 2016ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کے بارہ میں دین اسلام کا اصول یہ ہے کہ ہر وہ امر جس سے شریعت منع نہ کرے، جائز ہے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اصل اشیاء میں حلت ہے حرمت جب تک نص قطعی سے ثابت نہ ہو تب تک نہیں ہوتی۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 474)

قرآن کریم نے مردار، بہتا ہوا خون، سؤر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور حرام قرار دیا ہے۔

(سورۃ الانعام:146)

قرآن کریم کی بیان کردہ ان چار اشیاء کو حرام کہا جاتا ہے۔ جبکہ بعض اشیاء کے کھانے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے ان کو ممنوع کہا جاتا ہے۔ جیسے جو جانور شکاری ہے وہ ممنوع ہے۔ اس میں درندے، شکاری پرندے وغیرہ سب داخل ہیں۔ ان اشیاء کی ممانعت احادیث پر مبنی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:۔

نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَعَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ

(صحیح مسلم کتاب الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ وَمَا يُؤْكَلُ مِنَ الْحَيَوَانِ باب تَحْرِيمِ أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے اور پنجوں والے پرندے کا کھانا ممنوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے:۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غَزْوَۃِ خَیْبَرَ)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

حرام اور ممنوع کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

”یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ شریعت اسلامیہ میں جن اشیاء کے کھانے سے منع کیا گیا ہے وہ دو قسم کی ہیں۔ اول حرام، دوم ممنوع۔ لغتاً تو حرام کا لفظ دونوں قسموں پر حاوی ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اس آیت (یعنی بقرہ:174) میں صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ یعنی مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ تمام چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام سے نامزد کر دیا گیا ہو۔ ان کے سوا بھی شریعت میں بعض اور چیزوں کے استعمال سے روکا گیا ہے۔ لیکن وہ چیزیں اشیاء ممنوعہ کی فہرست میں تو آئیں گی، قرآنی اصطلاح کے مطابق حرام نہیں ہونگی۔

یہ احکام اس آیت یا دوسری آیات کے مضمون کے مخالف نہیں ہیں۔ کیونکہ جس طرح اوامر کئی قسم کے ہیں بعض فرض ہیں، بعض واجب ہیں اور بعض سنت ہیں۔ اسی طرح نہی بھی کئی اقسام کی ہے۔ ایک نہی محرمہ ہے اور ایک نہی مانعہ ہے اور ایک نہی تنزیہی ہے۔ پس حرام چار اشیاء ہیں باقی ممنوع ہیں اور ان سے بھی زیادہ وہ ہیں جن کے متعلق نہی تنزیہی ہے یعنی بہتر ہے کہ انسان ان سے بچے۔ حرام اور ممنوع میں وہی نسبت ہے جو فرض اور واجب میں ہے۔ پس جن اشیاء کو قرآن کریم نے حرام کہا ہے ان کی حرمت زیادہ سخت ہے اور جن سے آنحضرت ﷺ نے منع کیا ہے وہ حرمت میں ان سے نسبتاً کم ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے احکام میں ان کی مثال فرض اور واجب اور سنت کی سی ہے حرام تو بمنزلہ فرض کے ہے اور منع بمنزلہ واجب کے۔ جس طرح فرض اور واجب میں فرق ان کی سزاؤں کے لحاظ سے کیا جاتا ہے اسی طرح جن اشیاء کی حرمت قرآن کریم میں آئی ہے اگر انسان اُن کو استعمال کرے گا تو اس کی سزا

زیادہ سخت ہو گی۔ اور جن سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے ان کے استعمال سے اس سے کم درجہ کی سزا ملے گی لیکن بہر حال دونوں جرم قابل گرفت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوں گے۔ حرام فعل کا ارتکاب کرنے سے انسان کے ایمان پر اثر پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ لازماً بدی ہوتی ہے۔ لیکن دوسری چیزوں کے استعمال کا نتیجہ لازماً بدی اور بے ایمانی کے رنگ میں نہیں نکلتا۔ چنانچہ دیکھ لو۔ مسلمانوں میں سے بعض ایسے فرقے جو ان اشیاء کو مختلف تاویلات کے ذریعے جائز سمجھتے اور انہیں کھالیتے ہیں جیسے مالکی، ان کا اثر ان کے ایمان پر نہیں پڑتا۔ اور ان میں بے ایمانی اور بدی پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ گذشتہ دور میں تو ان میں اولیاء اللہ بھی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ لیکن خنزیر کا گوشت یا مردار کھانے والا کوئی شخص ولی اللہ نظر نہیں آئیگا۔ پس حرمت کے بھی مدارج ہیں اور ان چاروں حرام چیزوں کے سوا باقی تمام ممنوعات ہیں جن کو عام اصطلاح میں حرام کہا جاتا ہے ورنہ قرآنی اصطلاح میں وہ حرام نہیں ہیں۔“

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ:340)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ حلال و حرام کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

”قرآن میں آیا ہے۔ لَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ یہ خدا پر افتراء باندھنا ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ خدا نے فرمایا ہے حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ۔ حدیث شریف میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ جو جانور شکاری ہے وہ حرام ہے۔ اس میں درندے، شکاری پرند وغیرہ سب داخل ہیں۔ اب اس سے زیادہ کوئی مجاز نہیں کہ کسی کو حلال اور حرام کہے۔ مگر دنیا میں چونکہ ہزار ہا جانور ہیں پھر یہ دقت ہوئی کہ اب کسے کھاویں اور کسے نہ کھاویں۔ اس مشکل کو اللہ تعالیٰ نے نہایت آسانی سے حل کر دیا ہے۔ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ یعنی حلال طیب کھاؤ۔ اب گویا یہ بتادیا کہ جو چیز طیب ہو وہ کھاؤ چنانچہ ہر جگہ ہر قوم میں جو چیزیں عمدہ اور پاک ہوں اور شرفاء اور مہذب لوگ کھاتے ہوں وہ کھالو۔ اس میں وہ استثناء جو پہلے بیان ہو چکے ان کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ طوطا کھالینے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا ہے۔ مگر میں نہیں کھایا کرتا کیونکہ ہمارے ملک کے شرفاء نہیں کھاتے ایک دفعہ ایک صاحب میرے سامنے گو (ضب) پکا کر

لائے کہ کھائیے میں نے کہا آپ بڑی خوشی سے میرے دستر خوان پر کھائیے مگر میں نہ کھاؤں گا کیونکہ شرفاء اسے نہیں کھاتے۔"

(اخبار بدر نمبر 19 جلد 10 مؤرخہ 09 مارچ 1911ء صفحہ 1)

سوال:۔ ایک خاتون نے اسلام میں مرد اور عورت میں برابری کے ضمن میں اپنی بعض الجھنوں کا ذکر کر کے اسلام کے مختلف حکموں کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں راہنمائی کی درخواست کی۔ جس کے جواب میں حضور انور نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 اپریل 2016ء میں ان امور کے بارہ میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ آپ کے خط میں مذکور آپ کی الجھنیں اسلامی تعلیمات اور فطرت انسانی کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ اسلام نے یہ کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ مرد اور عورت ہر معاملہ میں برابر ہیں۔ اسلام کیا خود فطرت انسانی بھی اس بات کا انکار کرتی ہے کہ مرد اور عورت کو ہر لحاظ سے برابر قرار دیا جائے۔

ہاں اسلام نے یہ تعلیم ضرور دی ہے کہ نیکیوں کے بجالانے کے نتیجہ میں جس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو انعامات اور اپنے فضلوں سے نوازتا ہے اسی طرح وہ عورتوں کو بھی اپنے انعامات اور فضلوں کا وارث بناتا ہے۔

چنانچہ فرمایا:۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ

(سورۃ آل عمران:196)

ترجمہ:۔ پس اُن کے ربّ نے اُن کی دعا قبول کرلی (اور کہا) کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ہرگز ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ مَرد ہو یا عورت۔ تم میں سے بعض، بعض سے نسبت رکھتے

ہیں۔ پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں دُکھ دیئے گئے اور انہوں نے قتال کیا اور وہ قتل کئے گئے، میں ضرور ان سے ان کی بدیاں دور کردوں گا اور ضرور انہیں داخل کروں گا ایسی جنتوں میں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ (یہ) اللہ کی جناب سے ثواب کے طور پر (ہے) اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔

جہاں تک مرد اور عورت کی گواہی کا تعلق ہے تو ایسے معاملات جن کا مردوں سے تعلق ہے اور عورتوں سے براہ راست تعلق نہیں ان میں اگر گواہی کیلئے مقررہ مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو اس لئے رکھا گیا ہے کہ چونکہ ان معاملات کا عورتوں سے براہ راست تعلق نہیں لہٰذا اگر گواہی دینے والی عورت اپنی گواہی بھول جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلادے۔ گویا اس میں بھی گواہی ایک عورت کی ہی ہے، صرف اس کے ایسے معاملات سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بھول جانے کے اندیشہ کے پیشِ نظر احتیاطاً دوسری عورت اس کی مدد کیلئے اور اسے بات یاد کرانے کیلئے رکھ دی گئی ہے۔ قرآن کریم کا منطوق بھی اسی مفہوم کی تائید فرما رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى

(سورۃ البقرہ:283)

ترجمہ:- اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم ایک معیّن مدت تک کے لئے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے لکھے۔ اور کوئی کاتب اِس سے انکار نہ کرے کہ وہ لکھے۔ پس وہ لکھے جیسا اللہ نے اُسے سکھایا ہے۔ اور وہ لکھوائے جس کے ذمّہ (دوسرے کا) حق ہے، اور اللہ، اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرے، اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے۔ پس اگر وہ جس کے ذمہ (دوسرے کا) حق ہے بے وقوف ہو یا کمزور ہو یا استطاعت نہ رکھتا ہو کہ وہ لکھوائے تو اُس کا ولی (اس کی

نمائندگی میں) انصاف سے لکھوائے۔ اور اپنے مَردوں میں سے دو کو گواہ ٹھہرالیا کرو۔ اور اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (ایسے) گواہوں میں سے جن پر تم راضی ہو۔ (یہ) اس لئے (ہے) کہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد کروا دے۔ اور جہاں تک عورتوں سے براہ راست متعلقہ معاملات کا تعلق ہے تو حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے صرف ایک عورت کی گواہی پر کہ اس نے اس شادی شدہ جوڑے میں سے لڑکے اور لڑکی دونوں کو دودھ پلایا تھا، علیحدگی کروا دی۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن حارث ؓ سے روایت ہے کہ:۔

انہوں نے ابو اہاب بن عزیز کی لڑکی سے نکاح کیا اس کے بعد ایک عورت نے آکر بیان کیا کہ میں نے عقبہ کو اور اس عورت کو جس سے عقبہ نے نکاح کیا ہے دودھ پلایا ہے (پس یہ دونوں رضائی بہن بھائی ہیں، ان میں نکاح درست نہیں) عقبہ نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تو نے (اس سے) پہلے کبھی اس بات کی اطلاع دی ہے۔ پھر عقبہ سواری پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ گئے اور آپ سے (یہ مسئلہ) پوچھا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اب جبکہ یہ بات کہہ دی گئی ہے تم کس طرح اسے اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو۔ پس عقبہ نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ اور اس نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔

(صحیح بخاری کتاب العلم بَاب الرِّحْلَةِ فِي الْمَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ وَتَعْلِيمِ أَهْلِهِ)

جہاں تک طلاق اور خلع کا تعلق ہے تو اس میں بھی کوئی فرق نہیں۔ بلکہ یہ اسلام کا احسان ہے کہ اس نے مرد کو طلاق کا حق دینے کے ساتھ ساتھ عورت کو خلع لینے کا حق دیا۔ اور اس میں بھی مرد اور عورت کو برابر کے حقوق دیئے گئے ہیں۔ جب مرد طلاق دیتا ہے تو اسے عورت کو ہر قسم کے مالی حقوق دینے پڑتے ہیں اور مزید یہ کہ جو کچھ وہ بیوی کو پہلے مالی مفادات پہنچا چکا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا۔ اسی طرح جب عورت اپنی مرضی سے خاوند کے کسی قصور کے بغیر خلع لیتی ہے تو اسے بھی مرد کے بعض مالی حقوق از قسم حق مہر وغیرہ واپس کرنا پڑتا ہے، لیکن اگر عورت کے خلع لینے میں مرد کی زیادتی ثابت ہو تو اس صورت میں عورت کو یہ زائد فائدہ دیا گیا ہے کہ اسے مہر کا بھی حقدار قرار دیا جاتا ہے۔ جس کا فیصلہ بہرحال قضاء تمام حالات دیکھ کر کرتی ہے۔

اہل کتاب سے شادی کرنے، ولی کی ضرورت اور مرد کے ایک سے زائد شادیاں کرسکنے کے معاملات میں دراصل عورت کی حفاظت، وقار اور عزت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ عورت کو اللہ تعالیٰ نے مرد کی نسبت عموماً نازک بنایا اور اس کی فطرت میں اثر قبول کرنے کا مادہ رکھا ہے۔ پس ایک مسلمان عورت کو اہل کتاب مرد سے شادی کرنے سے روک کر اس کے دین کی حفاظت کی گئی ہے۔

شادی کے معاملہ میں لڑکی کی رضامندی کے ساتھ اس کے ولی کی رضامندی رکھ کر دیگر بہت سے فوائد میں سے ایک فائدہ عورت کو ایک مددگار اور محافظ مہیا کرنا بھی ہے کہ عورت کے بیاہے جانے کے بعد اس کے سسرال والے اس بات سے باخبر رہیں کہ عورت اکیلی نہیں بلکہ اس کی خبر رکھنے والے موجود ہیں۔

عورت کو ایک وقت میں ایک ہی شادی کی اجازت دیکر اسلام نے اس کی عصمت کی حفاظت کی ہے اور انسانی غیرت اور انسانی جبلت کے عین مطابق یہ حکم دیا ہے۔

جس حدیث میں عورتوں کے جہنم میں زیادہ ہونے کا ذکر ہے، وہاں لوگوں نے اس حدیث کا ترجمہ سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ جہنم میں عورتوں کی کثرت ہو گی۔ بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا وَأُرِيتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ یعنی مجھے جہنم دکھائی جہاں میں نے دیکھا کہ اس میں ایسی عورتوں کی کثرت ہے جو اپنے خاوندوں کی ناشکر گزار ہیں۔ یعنی جو عورتیں اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں موجود تھیں ان میں سے زیادہ وہ عورتیں تھیں جو اپنے خاوندوں کی ناشکر گزار تھیں۔

پس ایک تو اس حدیث کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ جہنم میں عورتیں مردوں سے زیادہ ہوں گی۔ دوسرا یہاں ان عورتیں کے جہنم میں جانے کی وجہ بھی بتا دی کہ وہ ایسی عورتیں ہے جو بات بات پر خدا تعالیٰ کے ان احسانات کی ناشکری کرنے والی ہیں، جو ان کے خاوندوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کئے ہیں۔

پھر اس کے بالمقابل احادیث میں نیک اور پاک باز خواتین کے پاؤں کے نیچے جنت ہونے کی بھی تو نوید سنائی گئی ہے۔ جو کسی مرد کے بارہ میں بیان نہیں ہوئی۔

علاوہ ازیں اسلام نے مردوں اور عورتوں کے بعض حقوق و فرائض ان کے طبائع کے مطابق الگ الگ بیان فرمائے ہیں۔ مرد کو پابند کیا کہ وہ محنت مزدوری کرے اور گھر کی تمام ضروریات پوری کرے اور عورت کو کہا کہ وہ گھر اور بچوں کی حفاظت اور تربیت کرے۔ گویا باہر کی دوڑ دھوپ کیلئے مرد کو اس کی صلاحیتوں کے پیش نظر منتخب کیا اور عورت کی فطرت کے مطابق اور اس کے وقار کے پیش نظر گھر کی سربراہی اس کے سپرد کر دی۔

آنحضور ﷺ کا ارشاد کہ عورت میں دین اور عقل کے لحاظ سے ایک طرح کی کمی ہے۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ بھی عورت کی فطرت کے عین مطابق کہی گئی بات ہے۔ دین کی کمی تو آنحضور ﷺ نے خود بیان فرمادی کہ اس کی عمر کے ایک بڑے عرصہ میں اس پر ہر ماہ کچھ ایسے ایام آتے ہیں جن میں اسے ہر قسم کی عبادات سے رخصت ہوتی ہے۔ اور دیکھا جائے تو یہ بھی ایک طرح سے اس پر خدا تعالیٰ کا احسان ہے۔ جبکہ عقل کی کمی کی بات میں بھی عورت کی تحقیر نہیں کی گئی بلکہ اس سے مراد عورت کی سادگی ہے، جس کا ثبوت آج کی دنیا میں عورت نے خود مہیا کر دیا ہے کہ وہ بہت سادہ ہے۔ کیونکہ مغربی دنیا کے مرد نے اسے آزادی کا جھانسہ دیکر جس طرح اپنے فائدہ کیلئے استعمال کیا ہے وہ اصدق الصادقین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اس قول کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مرد نے اپنی حوس کی خاطر اسے گھر کی چار دیواری سے نکال کر باہر بازار میں لا کھڑا کیا ہے۔ اور اسلام نے روزی روٹی کی جو ذمہ داری مرد پر ڈالی تھی اس میں بھی مرد نے عورت کی سادگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی یہ ذمہ داری اسے بانٹ کر اسے اپنے فائدہ کیلئے استعمال کیا ہے۔ جہاں اسے مردوں کی طرح محنت کے ساتھ ساتھ مختلف الانواع مردوں سے واسطہ پڑتا جو بسا اوقات اپنی نظروں کی حوس پوری کرنے کیلئے مختلف زاویوں سے اس پر نظریں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پھر اگر غور کیا جائے تو مغربی دنیا کا عورت اور مرد کی برابری کا اعلان صرف ایک کھوکھلا دعویٰ ہی ہے۔ اسی مغربی دنیا میں کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں جس کی حکومتی مشنری چلانے والے پارلیمانی نظام میں مردوں کے برابر عورتیں موجود ہوں۔ انہیں مغربی ممالک میں بیسیوں جگہوں پر کسی ملازمت کیلئے جو

پیکیج ایک مرد کو دیا جاتا ہے وہ عموماً اسی ملازمت کیلئے عورت کو نہیں دیا جاتا۔ اور یہ ساری باتیں عورت کی سادگی کی شاہد ناطق ہیں۔

جہاں تک قرآن کریم کے مرد کو قوام قرار دینے کی بات ہے تو خود قرآن کریم نے اس کی وجوہات بھی بیان فرمائی ہیں۔ ایک وجہ یہ بیان فرمائی کہ گھریلو نظام چلانے کیلئے ایک فریق کو دوسرے پر کسی قدر فضیلت دی گئی ہے اور دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے اموال عورت پر خرچ کرتا ہے۔

ایک فریق کو دوسرے پر فضیلت کی وجہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے کیونکہ اگر ہم دنیا کے نظام پر نظر ڈالیں تو ہر جگہ ایک فریق اوپر اور ایک نسبتاً نیچے ہوتا ہے۔ اگر دنیا میں سب لوگ برابر ہوتے یا یوں کہیں کہ اگر سب لوگ بادشاہ بن جاتے تو دنیا ایک دن بھی نہ چل سکتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو بڑا اور کچھ کو چھوٹا، کچھ کو امیر اور کچھ کو غریب بنایا۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہر ملک میں نظام حکومت کو چلانے کیلئے ایک کابینہ ہوتی ہے اگر اس ملک کے سارے لوگ ہی کابینہ کا حصہ بن جائیں تو وہ ملک چل ہی نہیں سکتا۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے گھریلو نظام کو چلانے کیلئے مرد کو نسبتاً زیادہ اختیارات دیئے لیکن جس طرح ایک سربراہ حکومت اور ملک کی کابینہ کے زائد اختیارات کے ساتھ ساتھ اسی نسبت سے زائد فرائض بھی ہوتے ہیں اسی طرح اسلام نے مرد پر عورت کی نسبت زائد ذمہ داریاں بھی ڈالی ہیں۔

پس مرد و عورت کے حقوق و فرائض کے اعتبار سے اسلامی نظام فطرت کے عین مطابق ہے اور اس میں کسی قسم کا رخنہ نہیں۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس عرفان میں ایک ارشاد کے حوالہ سے چچا اور ماموں سے پردہ کرنے کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے راہنمائی کی درخواست کی۔ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ یکم جون 2020ء میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ آپ نے اپنے خط میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے جس ارشاد کا ذکر کیا ہے وہ سورۃ النور کی آیت نمبر 32 کے حوالہ سے مجلس عرفان میں ایک سوال کے جواب میں بیان فرمودہ ہے۔

یہ بات درست ہے کہ اس آیت میں بیان رشتے جن سے عورت کو پردہ نہ کرنے کی رخصت دی گئی ہے، ان میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں ہے لیکن ان دونوں کا شمار محرم رشتوں میں ہی ہوتا ہے، جیسا کہ حضور نے بھی اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے۔ اور سورۃ النساء میں بیان قرآنی حکم سے بھی ثابت ہوتا کیونکہ ان دونوں سے نکاح کی حرمت بیان ہوئی ہے۔

علاوہ ازیں احادیث میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ان کے استفسار پر حضور ﷺ نے انہیں چچا سے پردہ نہ کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ پردہ کے بارہ میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق محرم رشتوں میں بھی ہر درجہ کے رشتہ سے پردہ میں رخصت کی الگ کیفیت ہے۔ چنانچہ سورۃ النور میں جن محرم رشتہ داروں سے پردہ نہ کرنے کی رخصت آئی ہے، ان میں سے بھی ہر رشتہ کی دوسرے رشتہ سے پردہ کی رخصت کی ایک الگ صورت ہو گی۔ چنانچہ خاوند سے پردہ کی جو رخصت ہے وہ اسی آیت میں بیان والد، بیٹے اور بھائی وغیرہ سے پردہ کی رخصت سے الگ ہے۔

پس جس طرح اس آیت میں بیان رشتہ داروں سے پردہ کی مختلف کیفیات ہیں اسی طرح دیگر محرم رشتہ داروں سے بھی پردہ کی رخصت کی کیفیت میں فرق ہے۔ اور یہی مضمون حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اپنے مذکورہ ارشاد میں سمجھا رہے ہیں کہ چچا اور ماموں جو ایک ہی گھر میں ساتھ رہنے والے رشتہ دار نہیں بلکہ باہر کے لوگ ہیں، اور اگرچہ ان کا شمار محرم رشتہ داروں میں ہی ہوتا ہے، لیکن جب وہ گھر میں آئیں تو عورتیں جس طرح اسی گھر میں ساتھ رہنے والے مردوں جن میں خاوند، باپ، بیٹے وغیرہ شامل ہیں، سے پردہ میں نسبتاً Relax ہوتی ہیں، باہر سے آنے والے محرم مردوں کی صورت میں انہیں نسبتاً کچھ زیادہ محتاط ہونا چاہیے اور اگرچہ ان کے سامنے چہرہ تو نہیں ڈھکا جاتا لیکن سر اور سینہ کو ڈھانپ کر

اور اپنے آپ کو سنبھال کر ان کے سامنے بیٹھنے کا حکم ہے۔ پس یہ مضمون ہے جو حضور رحمہ اللہ تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں، نہ کہ چچا اور ماموں سے پردہ کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 18 دسمبر 2020ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 3

سوال:۔ ایک خطبہ جمعہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے بیان فرمودہ ایک واقعہ کہ ”آنحضور ﷺ نے حضرت قتادہ بن نعمان کو ایک چھڑی عطاء فرما کر ارشاد فرمایا تھا کہ اس سے اپنے گھر میں موجود جن کو مار کر بھگا دینا“ کے بارہ میں ایک خاتون نے حضور انور کی خدمت اقدس میں اس واقعہ کی مزید وضاحت کی درخواست کی۔ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 29 اگست 2019ء میں اس واقعہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ حضور ﷺ کی یہ حدیث اور ایسی دوسری احادیث جن میں حضور ﷺ یا آپ کے صحابہ کیلئے روشنی کے نمودار ہونے کے واقعات کا ذکر ہے، دراصل حضور ﷺ کے معجزات پر مشتمل ہیں۔ اور اس قسم کے معجزات اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے انبیاء کی صداقت کیلئے دکھاتا رہا ہے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ سے پہلے کے انبیاء کی زندگیوں میں بھی ایسے واقعات ملتے ہیں اور حضور ﷺ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے ایسے کئی واقعات کو ظاہر فرمایا۔

جہاں تک اس حدیث میں جن یا شیطان کو چھڑی سے مارنے کا تعلق ہے تو اس سے یہ استدلال کرنا کہ جن انسانوں کے جسم میں گھس جاتے ہیں اور انہیں اس طرح مارنے سے انسانوں کے جسموں سے نکالا جا سکتا ہے، بالکل لغو بات ہے۔

اس حدیث میں جن سے مراد کوئی چور یا نقصان پہنچانے والا کوئی جانور مراد ہے جو رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر حضرت قتادہ بن نعمان کے گھر گھس گیا تھا۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے انبیاء کو غیر معمولی طور پر علم غیب سے نوازتا ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو پہلے سے خبر دیدی تھی کہ حضرت قتادہ بن نعمان کے گھر کوئی چور یا نقصان دینے والا جانور چھپا ہوا ہے، اس لئے

حضور ﷺ نے حضرت قتادہ بن نعمان کو اس خطرہ سے آگاہ فرماتے ہوئے انہیں نصیحت کی کہ جب وہ گھر پہنچیں تو اس چھڑی کے ساتھ اس چور یا اس جانور کو مار کر بھگا دیں۔ چنانچہ بعض دوسری کتب میں اس واقعہ کی تشریح میں یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ جب حضرت قتادہ بن نعمان گھر پہنچے تو ان کے گھر والے سب سوئے ہوئے تھے اور گھر کے ایک کونہ میں ایک سیہہ چھپا ہوا تھا جسے انہوں نے اس چھڑی سے مار کر بھگا دیا۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار کیا کہ کاروباروں میں مختلف قسم کے مفادات کے حصول نیز حادثاتی نقصانات سے بچنے کیلئے انشورنس کروانے کے بارہ میں اسلامی حکم کیا ہے؟ اس پر حضور انور نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 اپریل 2016ء میں جو جواب عطاء فرمایا، اسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

جواب:۔ انشورنس صرف وہ جائز ہے جس پر ملنے والی رقم نفع و نقصان میں شرکت کی شرط کے ساتھ ہو اور اس میں جوئے کی صورت نہ پائی جاتی ہو۔ اگر صرف نفع کی شراکت کی شرط کے ساتھ ملے تو سود ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

اسی طرح اگر پالیسی ہولڈر کمپنی کے ساتھ ایسا معاہدہ کر لے کہ وہ صرف اپنی جمع شدہ رقم وصول کرے گا اور اس پر سود نہ لے گا تو ایسی انشورنس کروانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انشورنس اور بیمہ کے سوال پر فرمایا:۔

"سود اور قمار بازی کو الگ کر کے دوسرے اقراروں اور ذمہ داریوں کو شریعت نے صحیح قرار دیا ہے۔ قمار بازی میں ذمہ داری نہیں ہوتی۔ دنیا کے کاروبار میں ذمہ داری کی ضرورت ہے۔"

(اخبار بدر نمبر 10 جلد 2 مؤرخہ 27 مارچ 1903ء صفحہ 76)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:۔

"اگر کوئی کمپنی یہ شرط کرے کہ بیمہ کرانے والا کمپنی کے فائدے اور نقصان میں شامل ہو گا تو پھر بیمہ کرانا جائز ہو سکتا ہے۔"

(الفضل 7 جنوری 1930ء)

ایک خط کے جواب میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے لکھوایا کہ یہ بات درست نہیں کہ ہم انشورنس کو سود کی ملونی کی وجہ سے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ کم از کم میں تو اسے اس وجہ سے ناجائز قرار نہیں دیتا۔ اس کے ناجائز ہونے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ انشورنس کے کاروبار کی بنیاد سود پر ہے اور کسی چیز کی بنیاد سود پر ہونا اور کسی چیز میں ملونی سود کی ہونا ان میں بہت بڑا فرق ہے۔ گورنمنٹ کے قانون کے مطابق کوئی انشورنس کمپنی ملک میں جاری نہیں ہو سکتی جب تک ایک لاکھ کی سیکوریٹیز گورنمنٹ نہ خریدے۔ پس اس جگہ آمیزش کا سوال نہیں بلکہ لزوم کا سوال ہے۔

2۔ دوسرے انشورنس کا اصول سود ہے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ کے مطابق اسلامی اصول یہ ہے کہ جو کوئی رقم کسی کو دیتا ہے یا وہ ہدیہ ہے یا امانت ہے یا شراکت ہے یا قرض ہے۔ ہدیہ یہ ہے نہیں۔ امانت بھی نہیں، کیونکہ امانت میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ یہ شراکت بھی نہیں، کیونکہ کمپنی کے نفع ونقصان کی ذمہ داری اور اس کے چلانے کے اختیار میں پالیسی ہولڈر شریک نہیں۔ ہم اسے قرض ہی قرار دے سکتے ہیں اور حقیقتاً یہ ہوتا بھی قرض ہی ہے۔ کیونکہ اس روپیہ کو انشورنس والے اپنے ارادہ اور تصرف سے کام پر لگاتے ہیں اور انشورنس کے کام میں گھاٹا ہونے کی صورت میں روپیہ دینے والے پر کوئی ذمہ واری نہیں ڈالتے۔ پس یہ قرض ہے اور جس قرض کے بدلہ میں کسی قبل از وقت سمجھوتہ کے ماتحت کوئی نفع حاصل ہو اسے شریعت اسلامیہ کی رو سے سود کہا جاتا ہے۔ پس انشورنس کا اصول ہی سود پر مبنی ہے۔

3۔ تیسرے انشورنس کا اصول ان تمام اصولوں کو جن پر اسلام سوسائٹی کی بنیاد رکھنا چاہتا ہے باطل کرتا ہے۔ انشورنس کو کلی طور پر رائج کر دینے کے بعد تعاون باہمی، ہمدردی اور اخوت کا مادہ دنیا سے مفقود ہو جاتا ہے۔

(اخبار الفضل قادیان مؤرخہ 18 ستمبر 1934 صفحہ 5)

بعض ملکوں میں حکومتی قانون کے تحت انشورنس کروانا لازمی امر ہوتا ہے۔ ایسی انشورنس کروانا جائز ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے ایک دوست نے 25 جون 1942ء کو سوال کیا کہ یو-پی گورنمنٹ نے حکم دیا ہے کہ ہر شخص جس کے پاس کوئی موٹر ہے وہ اس کا بیمہ کرائے کیا یہ جائز ہے؟

حضور نے فرمایا:۔

''اس کے متعلق بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ حکم صرف یوپی گورنمنٹ کا ہی نہیں بلکہ پنجاب میں بھی گورنمنٹ کا یہی حکم ہے۔ یہ بیمہ چونکہ قانون کے ماتحت کیا جاتا ہے اور حکومت کی طرف سے اسے جبری قرار دیا گیا ہے اس لئے اپنے کسی ذاتی فائدہ کے لئے نہیں بلکہ حکومت کی اطاعت کی وجہ سے یہ بیمہ جائز ہے۔''

(الفضل4نومبر 1961ء فرمودہ25جون1942ء)

انشورنس کے متعلق مجلس افتاء نے درج ذیل سفارش حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی خدمت اقدس میں پیش کی جسے حضور انور نے 23جون1980ء کو منظور فرمایا:۔

''حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے فتاوی کے مطابق جب تک معاہدات سود اور قمار بازی سے پاک نہ ہوں بیمہ کمپنیوں سے کسی قسم کا بیمہ کروانا جائز نہیں ہے۔ یہ فتاوی مستقل نوعیت کے اور غیر مبدل ہیں البتہ وقتاً فوقتاً اس امر کی چھان بین ہو سکتی ہے کہ بیمہ کمپنیاں اپنے بدلتے ہوئے قوانین اور طریق کار کے نتیجہ میں قمار بازی اور سود کے عناصر سے کس حد تک مبرّا ہو چکی ہیں۔

مجلس افتاء نے اس پہلو سے بیمہ کمپنیوں کے موجودہ طریق کار پر نظر کی ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اگرچہ رائج الوقت عالمی مالیاتی نظام کی وجہ سے کسی کمپنی کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے کاروبار میں کلیۃً سود سے دامن بچا سکے لیکن اب کمپنی اور پالیسی ہولڈر کے درمیان ایسا معاہدہ ہونا ممکن ہے جو سود اور قمار بازی کے عناصر سے پاک ہو۔ اس لئے اس شرط کے ساتھ بیمہ کروانے میں حرج نہیں کہ بیمہ کروانے والا کمپنی سے اپنی جمع شدہ رقم پر کوئی سود وصول نہ کرے''۔

(رجسٹر فیصلہ جات مجلس افتاء صفحہ:60 غیر مطبوعہ)

سوال:۔ نظارت اصلاح و ارشاد مرکزیہ ربوہ نے کتب احادیث میں مروی والد کی اپنی اولاد کے حق میں دعا اور اولاد کے خلاف بد دعا دونوں کے قبول ہونے کے متعلق روایات اور ان کے عربی الفاظ کی مختلف لغات سے تشریح حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں پیش کر کے راہنمائی

چاہی کہ ان میں سے کونسی روایت اور کس ترجمہ کو اختیار کیا جائے؟ حضور انور نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 فروری 2015ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ اگر والد کی اپنی اولاد کیلئے دعا ‘‘ترجمہ کر دیا جائے تو حدیث کا ترجمہ واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن کتب احادیث میں مروی دونوں قسم کی احادیث اپنی اپنی جگہ پر درست اور ہماری راہنمائی کر رہی ہیں۔ دونوں احادیث کو سامنے رکھیں تو مضمون یہ بنے گا کہ جس شخص کی دعا قبولیت کا درجہ رکھتی ہے اس کی بد دعا بھی قبول ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ دعا تو قبول کروں گا اور بد دعا قبول نہیں کروں گا۔

والد کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطاء فرمایا ہے اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں بھی قبول کرتا ہے اور بد دعا بھی سنتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں والدین کے متعلق خاص طور پر فرمایا ہے کہ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا

(بنی اسرائیل 24-25)

یعنی تیرے رب نے (اس بات کا) تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور (نیز یہ کہ اپنے) ماں باپ سے اچھا سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کسی ایک پر یا ان دونوں پر تیری زندگی میں بڑھاپا آجائے، تو انہیں (ان کی کسی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے) اُف تک نہ کہہ اور نہ انہیں جھڑک اور ان سے (ہمیشہ) نرمی سے بات کر۔ اور رحم کے جذبہ کے ماتحت ان کے سامنے عاجزانہ رویہ اختیار کر اور (ان کے لئے دعا کرتے وقت) کہا کر (کہ اے) میرے رب! ان پر مہربانی فرما کیونکہ انہوں نے بچپن کی حالت میں میری پرورش کی تھی۔

پس ان احادیث میں حضور ﷺ نے ہمیں نصیحت فرمائی کہ والد کی دعاؤں سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کی بد دعا سے بچو۔

سوال:۔ گلشن وقف نو لجنہ و ناصرات میلبرن آسٹریلیا مؤرخہ 12 اکتوبر 2013ء میں ایک بچی نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کیوں نظر نہیں آتا؟ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہستی ہے جو نظر نہیں آ سکتی۔ (حضور انور نے سوال کرنے والی بچی کو مخاطب کرتے ہوئے چھت پر لگے بلب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) تمہیں یہ بلب نظر آ رہا ہے ناں؟ اور بلب کی روشنی (حضور انور نے اپنے سامنے پڑے میز کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) یہاں پڑ رہی نظر آ رہی ہے۔ یہ کس طرح چل کے آ رہی ہے؟ یہ روشنی تمہیں وہاں سے یہاں تک آتے ہوئے چلتی ہوئی نظر آ رہی ہے؟ (حضور انور نے دوبارہ بچی سے پوچھا) وہ بلب کی روشنی ہے، وہ تو چمک رہا ہے اور یہاں (میز پر) روشنی پڑ گئی۔ لیکن جو بیچ کا فاصلہ ہے اس میں بھی تو کوئی چیز نظر آنی چاہئے۔ جو وہاں سے چلی، یہاں پہنچی۔ درمیان میں نظر آ رہی ہے؟ (بچی نے عرض کیا کہ نظر نہیں آ رہی۔ تو حضور نے فرمایا) نہیں نظر آ رہی ناں؟ تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ روشن ہے اور اس کی روشنی ایسی روشنی ہے جو نظر نہیں آتی۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی قدرتیں نظر آتی ہیں۔ تم دعا کرو تو تمہاری دعا کبھی قبول ہوئی ہے؟ تم نے اللہ تعالیٰ سے کبھی دعا کی ہے؟ وہ پوری ہوئی؟ (بچی نے عرض کی کہ جی پوری ہوئی۔ حضور نے فرمایا) بس یہی اللہ تعالیٰ کا نظر آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جو زمین ہے، Planet ہے، Universe ہے، پھر یہاں جو ساری Creation ہے، پودے ہیں، Vegetation ہے۔ آسٹریلیا تو Flora & Fauna کی بڑی مشہور جگہ کہلاتی ہے۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ ہر چیز میں دیکھو۔ ایک Plant یہاں نکلتا ہے۔ ویسے کہتے ہیں کہ Plant کے اگر پتے نہ ہوں تو جو Chlorophyll ہے، اس کے ساتھ Plant کی زندگی بنتی ہے۔ اور پتے جو ہیں اس میں اپنا Role Play کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں میں نے ایسے Plants بھی دیکھے ہیں جو صرف ایک Stick ہے اور وہ Stem جو ہے وہی پتوں کا بھی Role ادا کر رہا ہے اور اس کے Top کے اوپر ایک خوبصورت سا بڑا Colourful قسم کا پھول لگا ہوا ہے۔ تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ ہر چیز جو اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، اسے دیکھو اور اس پر غور کرو تو وہیں اللہ تعالیٰ نظر آتا ہے۔

سوال:۔ گلشن وقف نو لجنہ و ناصرات میلبرن آسٹریلیا مؤرخہ 12 اکتوبر 2013ء میں ایک ممبر لجنہ اماء اللہ نے حضور انور سے دریافت کیا کہ واقفات نو لجنہ کی جب شادی ہوتی ہے اور ہمارے اوپر گھر کی، فیملی کی اور بچوں کی ذمہ داری آتی ہے تو اس وقت ہم اپنے وقف نو ہونے کا Role صحیح طریقہ سے کیسے ادا کر سکتی ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کا جواب درج ذیل الفاظ میں عطاء فرمایا۔

جواب:۔ حضور انور نے فرمایا:

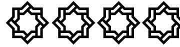
وقف نو ہونے کا Role صحیح طریقہ سے ادا کرنے کیلئے پہلے تو جو پانچ نمازیں فرض ہیں ان کو اچھی طرح پڑھو۔ اگر تہجد پڑھ سکتی ہو تو وہ پڑھو۔ قرآن شریف پڑھو اور اس کا ترجمہ پڑھو۔ اگر لجنہ کا کوئی کام تمہارے سپرد ہوتا ہے تو وہ جس حد تک ہوتا ہے وہ کرو۔ پھر سب سے بڑی ذمہ واری یہ ہے کہ جو بچے ہیں ان کی ایسی تربیت کرو کہ ان کا اللہ سے تعلق پیدا ہو جائے۔ خاوند کو یہ Realise کرواؤ کہ میں وقف نو ہوں اور میرا کام یہ ہے کہ اپنی بھی تربیت کرنا اور اپنے گھر کی بھی تربیت کرنا، اپنے بچوں کی تربیت کرنا۔ اس لئے تم بھی اس میں میرا ساتھ دو۔ کیونکہ اگر باپ اپنا Role Play نہ کر رہا ہو تو پھر بچوں کی تربیت صحیح نہیں ہوتی۔ تو سب سے بڑی ذمہ داری گھر کی ہے۔ اور تم لوگوں کیلئے یہی بڑا ثواب ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ ہمارے جو خاوند ہیں جہاد پر بھی جاتے ہیں اور کماتے ہیں اور چندے بھی دیتے ہیں اور مرد باہر بہت سارے ایسے کام کرتے ہیں جو ہم عورتیں گھروں میں نہیں کر سکتیں۔ تو ہمیں جو جہاد کا اور چندے دینے کا یہ ثواب ہے، یہ سارا ہمیں بھی ملے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں کیونکہ تم ان کے گھر کی اچھی طرح نگرانی کرتی ہو، ان کے بچوں کی تربیت کرتی ہو، ان کے پیچھے ان کے گھروں کو Look after کرتی ہو۔ اور پھر جو اس وجہ سے نیک نسل پیدا ہو رہی ہے، تمہیں بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ اور پھر یہ بھی برداشت کرتی ہو کہ اپنے خاوندوں کو بھیجتی ہو کہ جاؤ! دینی خدمت کرو۔ اگر تمہارا خاوند دنیا کی خدمت بھی کر رہا ہے، دین کی نہیں بھی کر رہا تو یہ بھی حدیث میں ہے کہ عورت جو ہے وہ اپنے گھر کی نگران ہے۔ تو وقف نو کی جو ذمہ داری ہے وہ یہ ہے کہ اپنی نئی نسل کو احمدیت پہ قائم کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق جوڑو۔

سوال:۔ گلشن وقف نو لجنہ و ناصرات سڈنی آسٹریلیا مؤرخہ 07 اکتوبر 2013ء میں ایک بچی نے حضور انور سے دریافت کیا کہ لوگ اسلام اور Terrorism کو کیوں ملاتے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اس لئے کہ آجکل جتنے Terrorist گروپ ہیں القاعدہ، طالبان، بوکو حرام اور دوسرے یہاں جو نئے نئے روزانہ نکل رہے ہیں ان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ تو لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید اسلام اور Terrorism ایک ہی چیز ہے۔ اسی غلط فہمی کو ہم نے Remove کرنا ہے۔ اسی لئے یہاں بک سٹال پر ایک کتاب Pathway to Peace پڑی ہوئی ہے۔ میرے مختلف لیکچرز ہیں، جو میں مختلف لوگوں کو جا کر دیتا رہتا ہوں کہ اسلام اور Terrorism کو نہ ملاؤ۔ یہ مختلف چیزیں ہیں۔ وہ ان کے Vested Interest ہیں جن کو وہ کر رہے ہیں۔ وہ کتاب خریدو (حضور نے اس کتاب کی قیمت کے بارہ میں ضمناً فرمایا کہ ویسے یہاں مہنگی بیچ رہے ہیں، ان کو دو ڈالر میں بیچنی چاہئیے، پانچ ڈالر میں سنا ہے بیچ رہے ہیں، واقف نو کو تو بہر حال دو ڈالر میں دینی چاہیئے) تو وہ خریدو اور پڑھو۔ اس میں تمہیں میرے سارے لکھے ہوئے مختلف جواب مل جائیں گے کہ یہ تصور غلط ہے۔ اسلام تو بڑی خوبصورت تعلیم ہے۔ اسلام نے تو جنگوں میں کبھی پہل کی نہیں۔ نہ کبھی Terrorism کیا ہے۔ جب مکہ بھی فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے سب کو معاف کر دیا۔ اپنے دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔ قرآن کریم نے ظلم کرنے سے منع کیا ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ کسی کو بلاوجہ قتل نہ کرو۔ اگر ایک کو قتل کرو گے تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا۔ اور یہ مسلمان جو ہیں وہ کس کو مار رہے ہیں؟ عیسائیوں کو تو نہیں مارتے زیادہ۔ زیادہ تر تو مسلمان مسلمانوں کو مار رہے ہیں، پاکستان میں روز جو حملے ہوتے ہیں یا عراق میں شیعوں کو مارتے ہیں یا شیعہ سنیوں کو مار دیتے ہیں۔ یا جو ہر جگہ Suicide Bombing ہو رہی ہے، وہ مسلمان ہی مر رہے ہیں۔ چرچ پر تو اب حملہ ہوا ہے جس میں سو دو سو عیسائی چرچ میں مر گئے۔ لیکن باقی تو مسلمانوں کو ہی مار رہے ہیں۔ ہم احمدیوں کو مارتے ہیں۔ یا باقی جگہ جو بم پھٹتے رہتے ہیں۔ تو یہ سب Terrorist ہیں، خود ہی ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔ جس کی کہیں بھی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے پر بہت زیادہ رحم کرو۔ اور یہ مسلمانوں کو ہی مار رہے ہیں۔ اور ایک

مسلمان کو بلا وجہ مارنا جو ہے، اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جہنم میں ڈالوں گا۔ تو یہ سارے جہنمی بننے جا رہے ہیں۔ پس اسلام کا اور Terrorism کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ کسی لفظ سے دیکھ لو، اسلام کا مطلب Peace ہے۔ تم لوگ اگر ایم ٹی اے سنتے ہو اور کم از کم واقفین نو کو تو ضرور سننا چاہیئے۔ یو کے کے جلسہ کی جو میری آخری تقریر تھی وہ یہی تھی کہ اسلام کیا چیز ہے اور مسلمان کیا چیز ہے۔ اور پھر یہ کتاب لیکر پڑھو، یہ تو انگلش میں ہے، تم پڑھ لو گی۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 19 دسمبر 2020ء)



بنیادی مسائل کے جوابات
قسط نمبر 4

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں بعض احادیث جن میں مردوں کیلئے لوہے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت آئی تھی، پیش کر کے اس مسئلہ کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے راہنمائی چاہی، اور اس ضمن میں نوجوان لڑکوں کے فیشن کے طور پر ہاتھوں میں کڑے وغیرہ پہننے کا بھی ذکر کیا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 دسمبر 2016ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب:۔ میں نے اس بارہ میں تحقیق کروائی ہے۔ آپ کی ارسال کردہ احادیث سنن ابی داؤد میں بیان ہوئی ہیں جبکہ صحیح بخاری میں بعض ایسی احادیث ملتی ہیں جن میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا تھا کہ وہ لوہے کہ انگوٹھی حق مہر کے طور پر دے کر عورت سے نکاح کر لے۔ اسی طرح سنن ابی داؤد میں یہ احادیث بھی موجود ہیں کہ حضور ﷺ کی اپنی انگوٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی لپٹی ہوئی تھی۔

مذکورہ بالا احادیث کی تشریح میں علمائے احادیث نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی کی کراہت والی حدیث ضعیف ہے، نیز یہ کہ اگر لوہے کی انگوٹھی پہننا حرام ہوتا تو جس طرح حضور ﷺ نے مرد کیلئے سونا پہننا منع فرمایا ہے اسی طرح لوہے کے پہننے کی بھی واضح طور پر ممانعت بیان فرماتے۔

البتہ نوجوان لڑکوں کا ہاتھوں میں کڑے وغیرہ پہننا تو ویسے ہی ناپسندیدہ فعل ہے اس لئے آپ نے جو اس بارہ میں لڑکوں کو توجہ دلائی ہے، بہت اچھا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہترین جزاء عطاء فرمائے۔ آمین

سوال:۔ ایک مربی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ عیدین کے مواقع پر بعض لوگ مساجد میں آکر عید سے پہلے یا بعد میں نوافل ادا کرتے ہیں۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے۔ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 اکتوبر 2017ء میں ان مربی صاحب کو جو جواب اور اس مسئلہ کے بارہ میں انتظامیہ کو جو ہدایت عطاء فرمائی، وہ حسب ذیل ہے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب:۔ نماز عید سے پہلے نوافل کی ادائیگی منع ہے جیسا کہ احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے لیکن بعد میں اگر وقت ممنوعہ شروع نہ ہوا ہو تو گھر جاکر نوافل پڑھے جاسکتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ میں نے جنرل سیکرٹری صاحب کو بھی ہدایت کر دی ہے کہ جو لوگ عید والے دن نماز عید سے قبل مساجد میں آکر نوافل ادا کرنا شروع کر دیتے ہیں انہیں اس کی ممانعت کی بابت توجہ دلانے کیلئے نماز عید سے قبل مساجد میں باقاعدہ اعلان کروایا کریں۔

سوال:۔ ایک دوست نے عیدین کی نماز کے واجب ہونے نیز عید کی نماز میں امام کے کسی رکعت میں تکبیرات بھول جانے اور اس کے تدارک میں سجدہ سہو کرنے کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں راہنمائی فرمانے کی درخواست کی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مورخہ 21 نومبر 2017ء میں اس سوال کا جو جواب عطاء فرمایا وہ حسب ذیل ہے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب:۔ عیدین کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔ حضور ﷺ نے ایسی خواتین جن پر ان کے خاص ایام ہونے کی وجہ سے نماز فرض نہیں، انہیں بھی عید گاہ میں آکر مسلمانوں کی دعا میں شامل ہونے کا پابند فرمایا ہے۔

اور جہاں تک امام کے تکبیرات بھول جانے کا سوال ہے تو ایسی صورت میں مقتدی اسے یاد کروا دیں لیکن مقتدیوں کے یاد کروانے کے باوجود اگر امام کچھ تکبیرات نہ کہہ سکے تو مقتدی امام کی ہی

اتباع کرتے ہوئے عید کی نماز ادا کریں۔ تکبیرات بھولنے کے نتیجہ میں امام کو سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال:۔ حکومتی بینکوں میں رقم جمع کروانے اور اس رقم پر ملنے والے منافع کو ذاتی استعمال میں لانے کے بارہ میں محترم ناظم صاحب دارالافتاء ربوہ کے ایک استفسار پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 12 نومبر 2017ء میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب:۔ اس مسئلہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے عہد خلافت میں جو فیصلہ ہوا تھا، میرا موقف بھی اسی کے مطابق ہے۔

(نوٹ از ناقل:۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے عہد خلافت میں اس مسئلہ پر ہونے والا فیصلہ درج ذیل ہے:

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے عہد خلافت میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے اس مسئلہ پر درج ذیل سفارشات حضورؒ کی خدمت اقدس میں پیش کی گئیں:

صدر انجمن احمدیہ بینکوں میں جمع شدہ رقوم پر کسی قسم کا سود نہیں لے رہی۔ اور نہ ہی P.F کی رقم ایسے بینکوں میں جمع کرائی جا رہی ہے، جن کا کاروبار یا ذریعہ آمدنی سود پر مبنی ہو۔ بلکہ حکومت کی قومی بچت کی سکیموں کے تحت قومی ادارہ میں لگائی گئی ہیں۔ یہ ادارہ اپنے سرمایہ کو قومی رفاہی کاموں میں لگاتا ہے (نہ کہ سودی کاروبار پر) اس کے نتیجہ میں معیشت میں ترقی ہوتی ہے اور روزگار کے زیادہ مواقع پیدا ہوتے ہیں جو حکومت کے Revenue میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ اس طرح حکومت اپنے Depositor کو بھی اپنے منافع میں شریک کر لیتی ہے جسے حکومت منافع کا نام دیتی ہے۔ جب Depositor کو اپنی رقوم کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ رقم واپس بھی لے لیتا ہے۔

بینک اور قومی بچت سکیموں کے اس فرق کی بناء پر ہی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس قومی ادارہ میں P.F کی رقم لگائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے بلال فنڈ اور تزکیہ اموال فنڈ کی رقوم بچت سکیموں میں لگائی گئی ہیں۔

مفتی سلسلہ احمدیہ (حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحبؒ) کے نزدیک بھی حکومت نے جو بچت کی سکیمیں جاری کی ہوئی ہیں ان میں حصہ لیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے تحریر کیا ہے:

''اگر کوئی چاہے تو حکومت نے بچت کی جو اسکیمیں جاری کی ہوئی ہیں ان میں حصہ لے سکتا ہے اور ان میں جو منافع ملتا ہے اسے اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔''

علاوہ ازیں پاکستان میں اس وقت کوئی متبادل نظام یا محفوظ ادارے موجود نہیں جن میں اطمینان کے ساتھ سرمایہ لگایا جاسکے۔ جہاں سرمایہ محفوظ ہو، نفع بخش ہو یا نفع بخش نہیں تو کم از کم وقت گزرنے کے ساتھ روپیہ کی قیمت میں آنے والی کمی سے سرمایہ متاثر نہ ہو۔ (اس لئے بینکوں میں روپیہ جمع کرانے کی بجائے جہاں روپیہ ہی کے لین دین کا واضح سودی کاروبار ہوتا ہے، ان سکیموں میں روپیہ لگایا گیا ہے، جن میں سرمایہ کو رفاہی تعمیری کاموں پہ خرچ کرنے کی وجہ سے حکومت سود سے پاک قرار دیتی ہے۔ یا کم از کم وہ بینکوں کی نسبت یقینی سودی کاروبار نہیں کرتیں)

ایک ممکنہ شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جماعت اپنے سرمایہ سے خود ایسے کاروباری منصوبے جاری کرے جو یقینی طور پر سود کی آلائش سے پاک ہوں۔ مگر ملک کی موجودہ فضا جس میں سے جماعت گزر رہی ہے، ایسی سرمایہ کاری کیلئے سر دست موافق نہیں۔

اس طرح گویا قومی بچت سکیموں میں سرمایہ کاری ایک اضطرار کا رنگ رکھتی ہے جس کے برعکس کوئی متبادل نظام سرمایہ کاری کا ملک میں موجود نہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی ان سفارشات کو مؤرخہ 13 اگست 1987ء کو منظور کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''ٹھیک ہے۔''

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لونڈیوں کے بارہ میں تفسیر کبیر میں بیان حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا موقف تحریر کرکے اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالنے کی درخواست کی نیز لجنہ اماء اللہ پاکستان کی علمی ریلی کے موقعہ پر دکھائی جانے والی ایک

دستاویزی فلم میں ایک ڈیڑھ منٹ تک میوزک بجنے کی شکایت بھی کی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ان امور کا اپنے مکتوب مؤرخہ 21 فروری 2018ء میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جواب:۔ لونڈیوں سے نکاح کی بابت آپ کا موقف تفسیر کبیر میں بیان حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی بیان فرمودہ تفسیر کے مطابق بالکل درست ہے۔ اور یہی موقف حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کا بھی تھا کہ لونڈیوں سے نکاح ضروری ہے۔

قرآن کریم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں میرا بھی یہی موقف ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جبکہ دشمن اسلام مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلموں کا نشانہ بناتے تھے اور اگر کسی غریب مظلوم مسلمان کی عورت ان کے ہاتھ آجاتی تو وہ اسے لونڈی کے طور پر اپنی عورتوں میں داخل کر لیتے تھے۔ چنانچہ جَزَآءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا کی قرآنی تعلیم کے مطابق ایسی عورتیں جو اسلام پر حملہ کرنے والے لشکر کے ساتھ ان کی مدد کیلئے آتی تھیں اور اُس زمانہ کے رواج کے مطابق جنگ میں بطور لونڈی کے قید کر لی جاتی تھیں۔ اور پھر دشمن کی یہ عورتیں جب تاوان کی ادائیگی یا مکاتبت کے طریق کو اختیار کر کے آزادی بھی حاصل نہیں کرتی تھیں تو ایسی عورتوں سے نکاح کے بعد ہی ازدواجی تعلقات قائم ہو سکتے تھے۔ لیکن اس نکاح کیلئے اس لونڈی کی رضامندی ضروری نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح ایسی لونڈی سے نکاح کے نتیجہ میں مرد کیلئے چار شادیوں تک کی اجازت پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا یعنی ایک مرد چار شادیوں کے بعد بھی مذکورہ قسم کی لونڈی سے نکاح کر سکتا تھا۔ لیکن اگر اس لونڈی کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا تھا تو وہ ام الولد کے طور پر آزاد ہو جاتی تھی۔

دوسرا نکتۂ نظر جس کے مطابق مسلمانوں پر حملہ کرنے والے دشمن کے لشکر میں شامل ایسی عورتیں جب اُس زمانہ کے رواج کے مطابق مسلمانوں کے قبضہ میں بطور لونڈی کے آتی تھیں تو ان سے ازدواجی تعلقات کیلئے رسماً کسی نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، بھی غلط نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بعض اور مواقع پر ایسی لونڈیوں کے بارہ میں جواب دیتے ہوئے اس موقف کو بھی بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی بعض مجالس عرفان میں اور

درس القرآن میں لونڈیوں کے مسئلہ کی تفسیر کرتے ہوئے اسی موقف کو بیان فرمایا ہے کہ ان لونڈیوں سے ازدواجی تعلق استوار کرنے کیلئے رسماً کسی نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

یہاں پر میں اس امر کو بھی بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کے ایسے امور کی تفسیر جن کا ازمنۂ ماضی سے تعلق ہو، ان میں خلفاء کی آراء کا مختلف ہونا کوئی قابل اعتراض بات نہیں بلکہ یہ ہر خلیفہ کا اپنا اپنا فہم قرآن ہے اور خلفاء کا آپس میں ایسا اختلاف جائز ہے۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ میرا موقف اس معاملہ پر یہی ہے کہ دشمن کی ایسی عورتوں سے ازدواجی تعلق کیلئے نکاح کی ضرورت ہوتی تھی اور میرے اس دور میں یہی جماعتی موقف متصور ہو گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ آنے والا خلیفہ میرے اس موقف سے اختلاف کرے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو اُس وقت وہی جماعتی موقف متصور ہو گا جو اُس وقت کے خلیفہ کا ہو گا۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس زمانہ میں کہیں کوئی ایسی جنگ نہیں ہو رہی جو اسلام کو مٹانے کیلئے لڑی جا رہی ہو اور اس میں مسلمان عورتوں سے ایسا سلوک کیا جا رہا ہو کہ انہیں لونڈیاں بنایا جا رہا ہو اس لئے اب اس زمانہ میں مسلمانوں کیلئے بھی ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

آپ نے اپنے خط میں دوسری شکایت یہ لکھی ہے کہ لجنہ اماء اللہ کی علمی ریلی کے موقع پر ایک دستاویزی فلم کے شروع میں ایک ڈیڑھ منٹ کا میوزک چلایا گیا۔

جیسا کہ آپ نے تحریر کیا ہے کہ یہ ایک دستاویزی فلم تھی۔ چونکہ یہ دستاویزی فلم تھی جو ہم نے تیار نہیں کی بلکہ اس فلم کو بنانے والے نے اس میں میوزک شامل کیا تھا۔ ہم اسے کیسے اس فلم میں سے کاٹ سکتے ہیں؟ لہٰذا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ دراصل یہ حدیث میں بیان حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق دجال کا وہ دھواں ہے جس سے بچنا ناممکن ہے۔

جہاں تک ہمارے اپنے تیار کردہ پروگراموں یا ہمارے ایم ٹی اے کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایم ٹی اے بھی اور ہمارے تیار کردہ تمام پروگرام بھی میوزک سے بکلی پاک ہوتے ہیں اور ان میں ایسی کوئی غیر شرعی بات نہیں ہوتی۔ اور یہ وہ نمونہ ہے جسے دین حق کے طور پر پیش کیا جانا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہی اسلامی نمونہ ایم ٹی اے کے تمام پروگراموں میں ہر جگہ پیش کیا جاتا ہے۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ طلباء جامعہ احمدیہ انڈونیشیا کی مؤرخہ 6 نومبر 2020ء کو ہونے والی Virtual ملاقات میں ایک طالبعلم نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ اس زمانہ میں بہت سے لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں استہزاء کرتے ہیں، ہماری طرف سے ان کا جواب کس طرح ہونا چاہیے۔ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جواب:۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خود فرمادیا کہ انی مھین من اراد اھانتك جو لوگ تیری اہانت کرتے ہیں، میں ان کی اہانت کروں گا۔ چاہے وہ ان کو اس دنیا میں ذلیل کرے یا مرنے کے بعد وہ ذلیل ہوں۔ یا ان کی اولادیں ذلیل ہوں۔ جو تو جان بوجھ کے مذاق کرتے ہیں، ان کو تو اللہ تعالیٰ آپ ہی نپٹے گا۔ لیکن ہماری Response اس میں یہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہے کہ تم نے صبر سے کام لینا ہے۔ اور کسی سخت آدمی کا جواب سختی سے نہیں دینا۔ تم نے لڑائی نہیں کرنی۔ بے شک میری محبت تم پہ بڑی غالب ہے لیکن تم نے لڑائی نہیں کرنی۔ دیکھو! آجکل ہمیں سب سے زیادہ پیارے تو آنحضرت ﷺ ہیں ناں؟ مسیح موعود علیہ السلام سے بھی زیادہ ہمیں پیارے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور آجکل دیکھو فرانس میں اور بعض یورپین ملکوں میں ان کے خاکے بنا کے مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اس پہ ہماری Response کیا ہے؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ پہ زیادہ سے زیادہ درود بھیجیں۔ اور جب ہم رسول کریم ﷺ پہ درود بھیجتے ہیں تو آل محمد پہ درود بھیجتے ہیں۔ آل محمد بھی اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ اور رسول کریم ﷺ کی سب سے بڑی آل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ آپ وہ ہیں جو ان کے سب سے زیادہ آل میں شمار ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہمارا کام یہ ہے کہ جب لوگ مذاق اڑاتے ہیں تو ہم درود پڑھیں۔ پہلی بات تو یہ ہے۔ چاہے وہ رسول کریم ﷺ کا مذاق ہو یا آپؐ کے غلام مسیح موعودؑ کا ہو۔ ہمیں چاہیے کہ درود پڑھا کریں۔ نمبر دو یہ کہ اپنے نمونے ایسے بنائیں کہ مذاق اڑانے والے خود بخود خاموش ہو جائیں۔ وہ دیکھیں کہ ہم مذاق اڑاتے ہیں لیکن یہ لوگ تو حقیقی اسلام کی تعلیم ہمیں بتاتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جو پیار اور محبت کو پھیلاتے ہیں۔ ہم ان سے نفرت کی بات کرتے، یہ ہم سے پیار کی بات کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں بھی یہی لکھا ہے کہ

كَأَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيۡمٌ تم اگر صحیح طرح اخلاق سے پیش آؤ گے تو وہ جو تمہارے دشمن ہیں وہ تمہارے جانثار دوست بن جائیں گے۔ اس لئے ہماری Response یہی ہے کہ ہم خاموشی سے اپنے عمل ٹھیک کریں، اپنی حالتوں کو بہتر کریں، اللہ تعالیٰ کے آگے جھکیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی حالتوں کو بہتر کرے اور اگر اللہ کے نزدیک ان لوگوں کی حالت بہتر نہیں ہونی تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے نجات دے اور ان کے منہ بند کر دے تا کہ یہ ہمارے پیاروں کا مذاق نہ اڑائیں۔ نہ حضرت مسیح موعودؑ کا اور اس سے بڑھ کر نہ رسول پاک ﷺ کا مذاق اڑائیں۔ اور ہم خوشیاں دیکھنے والے ہوں۔ اس دنیا میں جب رسول پاک ﷺ کی عزت قائم ہوتی ہے تو ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ جب مسیح موعود علیہ السلام جو رسول پاک ﷺ کے غلام ہیں، ان کی عزت قائم ہوتی ہے تو ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ تو ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ ہم ان لوگوں کی عزت کو قائم ہوتا دیکھیں تا کہ ہمیں خوشی پہنچے۔ اللہ سے مانگنا ہے۔ ہم نے خود نہ ڈنڈا پکڑنا ہے، نہ رائفل پکڑنی ہے، نہ توپ پکڑنی ہے اور نہ چھرا پکڑنا ہے۔ کچھ نہیں کرنا۔ ہم نے اللہ کے آگے جھکنا ہے۔ اپنی حالتوں کو بہتر کرنا ہے اور درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھنا ہے۔

سوال:۔ اسی ملاقات مؤرخہ 6 نومبر 2020ء میں ایک طالبعلم نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہم ان شاء اللہ میدان عمل میں جا رہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر ایک مربی کا سب سے پہلا کام کیا ہونا چاہیے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کا جواب عطاء فرماتے ہوئے فرمایا:

جواب:۔ وہاں پہنچ کے پہلے تو دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس جگہ جہاں میری پوسٹنگ ہوئی ہے، مجھے صحیح طور پر ایمانداری سے، اخلاص سے، وفا سے کام کرنے کی توفیق دے۔ ٹھیک ہے! دعا کریں۔ اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق بڑھائیں۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ ہمارے کام دعاؤں سے ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر مربی اور مبلغ جب میدان عمل میں جاتا ہے تو اس کو چاہیے کہ یہ عہد کرے کہ آج کے بعد سے میں نے تہجد کی نماز کبھی نہیں چھوڑنی، باقاعدہ پڑھوں گا۔ آپ کے بہت سارے مبلغین فوت ہوتے ہیں، ان کی تاریخ میں بیان کرتا ہوں، تو میں کہتا ہوں کہ وہ تہجد باقاعدہ پڑھنے والے تھے۔ ہر مربی کو کم از کم

ایک گھنٹہ روزانہ تہجد پڑھنی چاہیے۔ اس میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کام میں برکت ڈالے۔ پھر پانچ نمازیں جو ہیں، جو آپ کا سینٹر ہے یا مسجد ہے اس میں اگر آپ وہاں موجود ہیں تو مسجد میں جائیں اور پانچ نمازیں باقاعدگی سے باجماعت ادا کروائیں۔ پھر ہر احمدی جو ہے اس سے اپنا ذاتی تعلق پیدا کریں۔ اگر احمدیوں میں آپس میں رنجشیں ہیں، ناراضگی ہے، کسی کی ناراضگی جو دوسرے کے ساتھ ہے، اس کو آپ نے دور کرنا ہے۔ لوگوں کو سمجھائیں کہ ہم مومن ہیں اور مومن بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ وہاں صلح اور صفائی سے ہر ایک احمدی کو رہنے کی طرف توجہ دلائیں۔ اور کسی قسم کی ناراضگی اگر ہے تو اس کو دور کر دیں۔ ہر ایک سے ذاتی تعلق ہو اور لوگ جو ہیں وہ آپ سے ذاتی تعلق رکھنے والے ہوں، آپ سے پیار کرنے والے ہوں اور آپ لوگوں سے پیار کرنے والے ہوں۔ اس طرح جب آپ کوئی بات ان کو کہیں تو وہ آپ کی بات مانیں۔ اسی طرح خلیفۂ وقت سے باقاعدہ تعلق رکھیں۔ اپنی ماہانہ رپورٹ جو بھیجتے ہیں، اس کے علاوہ ایک مہینہ میں ایک ذاتی خط مجھے لکھا کریں تا کہ پتہ لگے کہ مربی صاحب کیسا کام کر رہے ہیں۔ اور لوگوں میں بھی یہ چیز پیدا کریں کہ انہوں نے خلیفۂ وقت سے تعلق رکھنا ہے۔ جب سے انڈونیشن ڈیسک یہاں قائم ہوا ہے، کافی تعداد میں لوگ مجھے خط لکھتے ہیں، جو ترجمہ ہو کر آجاتے ہیں۔ تو لوگوں کو توجہ دلایا کریں کہ وہ بھی خلافت سے تعلق رکھیں اور باقاعدگی سے ہر ہفتہ جو جمعہ کا خطبہ ہے وہ سنا کریں اور اس میں جو نصیحت کی بات ہوتی ہے، عمل کرنے والی باتیں ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ سب سے پہلے مربی صاحب خود اور پھر لوگ۔ ٹھیک ہے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 19 جنوری 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 5

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ مجھے یہ معلوم کر کے شدید دھچکا لگا کہ اسلام بر سر پیکار دشمن کی عورتوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنے اور ان کو بیچنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ بات میرے لئے بہت حوصلہ شکن تھی۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کے بعد مجھے امید تھی کہ آپ اس بات کی تردید فرمائیں گے اور اسلام کو اس نظریہ سے پاک قرار دیں گے لیکن میں نے ایسا نہیں پایا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 03 مارچ 2018ء میں اس سوال کا نہایت بصیرت افروز جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جواب:۔ اصل بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی اچھی طرح وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے کئی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ان غلط فہمیوں کی تردید حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں فرمائی ہے اور آپ کے خلفاء بھی حسب موقعہ وقتاً فوقتاً اس کی تردید کرتے رہے اور اصل تعلیم بیان فرماتے رہے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اسلام بر سر پیکار دشمن کی عورتوں کے ساتھ صرف اس وجہ سے کہ وہ بر سر پیکار ہیں، قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ جو بھی دشمن ہے ان کی عورتوں کو پکڑ لاؤ اور اپنی لونڈیاں بنالو۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جب تک خونریز جنگ نہ ہو تب تک کسی کو قیدی نہیں بنایا جاسکتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

(الانفال:68)

کسی نبی کیلئے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کئے بغیر کسی کو قیدی بنائے۔ تم دنیا کی متاع چاہتے ہو جبکہ اللہ آخرت پسند کرتا ہے اور اللہ کامل غلبہ والا (اور) بہت حکمت والا ہے۔

پس جب خونریز جنگ کی شرط لگا دی تو پھر میدان جنگ میں صرف وہی عورتیں قیدی کے طور پر پکڑی جاتی تھیں جو محاربت کیلئے وہاں موجود ہوتی تھیں۔ اس لئے وہ صرف عورتیں نہیں ہوتی تھیں بلکہ حربی دشمن کے طور پر وہاں آئی ہوتی تھیں۔

علاوہ ازیں جب اس وقت کے جنگی قوانین اور اس زمانہ کے رواج کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں جب جنگ ہوتی تھی تو دونوں فریق ایک دوسرے کے افراد کو خواہ وہ مرد ہوں یا بچے یا عورتیں قیدی کے طور پر غلام اور لونڈی بنا لیتے تھے۔ اس لئے وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ:41) کے تحت ان کے اپنے ہی قوانین کے تابع جو کہ فریقین کو تسلیم ہوتے تھے، مسلمانوں کا ایسا کرنا کوئی قابل اعتراض امر نہیں ٹھہرتا۔ خصوصاً جب اسے اس زمانہ، ماحول اور علاقہ کے قوانین کے تناظر میں دیکھا جائے۔ اس زمانہ میں برسرپیکار فریقین اس وقت کے مروجہ قواعد اور دستور کے مطابق ہی جنگ کر رہے ہوتے تھے۔ اور جنگ کے تمام قواعد فریقین پر مکمل طور پر چسپاں ہوتے تھے جس پر دوسرے فریق کو کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔ یہ امور قابل اعتراض تب ہوتے جب مسلمان ان مسلمہ قواعد سے انحراف کر کے ایسا کرتے۔

اس کے باوجود قرآن کریم نے ایک اصولی تعلیم کے ساتھ ان تمام جنگی قواعد کو بھی باندھ دیا۔ فرمایا:

فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ

(البقرہ:195)

یعنی جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر کی ہو۔

پھر فرمایا:

فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(المائدہ:95)

یعنی جو اس کے بعد حد سے تجاوز کرے گا اس کیلئے دردناک عذاب ہو گا۔

یہ وہ اصولی تعلیم ہے جو تمام سابقہ مذاہب کی تعلیمات پر بھی امتیازی فضیلت رکھتی ہے۔ بائیبل اور دیگر مذاہب کی کتب مقدسہ میں موجود جنگی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں دشمن کو تہس نہس کر کے رکھ دینے کی تعلیم ملتی ہے۔ مرد وعورت تو ایک طرف رہے ان کے بچوں، جانوروں اور گھروں تک کو لوٹ لینے، جلا دینے اور ختم کر دینے کے احکامات ان میں ملتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے ان حالات میں بھی جبکہ فریقین کو اپنے جذبات پر کوئی قابو نہیں رہتا اور دونوں ایک دوسرے کو مارنے کے درپے ہوتے ہیں اور جذبات اتنے مشتعل ہوتے ہیں کہ مارنے کے بعد بھی جذبات سرد نہیں پڑتے اور دشمن کی لاشوں کو پامال کر کے غصہ ٹھنڈا کیا جاتا ہے، ایسی تعلیم دی کہ گویا مونہہ زور گھوڑوں کو لگام ڈالی ہو اور صحابہؓ نے اس پر ایسا خوبصورت عمل کر کے دکھایا کہ تاریخ ایسے سینکڑوں قابل رشک واقعات سے بھری پڑی ہے۔

اس زمانہ میں کفار مسلمان عورتوں کو قیدی بنا لیتے اور ان سے بہت ہی ناروا سلوک کرتے۔ قیدی تو الگ رہے وہ تو مسلمان مقتولوں کی نعشوں کا مُثلہ کرتے ہوئے ان کے ناک کان کاٹ دیتے تھے۔ ہندہ کا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبانا کون بھول سکتا ہے۔ لیکن ایسے مواقع پر بھی مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ ہر چند کہ وہ میدان جنگ میں ہیں لیکن پھر بھی کسی عورت اور کسی بچے پر تلوار نہیں اٹھانی اور مُثلہ سے مطلقاً منع فرما کر دشمنوں کی لاشوں کی بھی حرمت قائم فرمائی۔

جہاں تک لونڈیوں کا مسئلہ ہے تو اس بارہ میں اس امر کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جبکہ دشمن اسلام مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلموں کا نشانہ بناتے تھے اور اگر کسی غریب مظلوم مسلمان کی عورت ان کے ہاتھ آجاتی تو وہ اسے لونڈی کے طور پر اپنی عورتوں میں داخل کر لیتے تھے۔ چنانچہ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کی قرآنی تعلیم کے مطابق ایسی عورتیں جو اسلام پر حملہ کرنے والے لشکر کے ساتھ ان کی مدد کیلئے آتی تھیں اور اُس زمانہ کے رواج کے مطابق جنگ میں بطور لونڈی کے قید کر لی جاتی تھیں۔ اور پھر دشمن کی یہ عورتیں جب تاوان کی ادائیگی یا مکاتبت کے طریق کو اختیار کر کے آزادی بھی حاصل نہیں کرتی تھیں تو ایسی عورتوں سے نکاح کے بعد ہی ازدواجی تعلقات قائم ہو سکتے تھے۔ لیکن اس نکاح کیلئے اس لونڈی کی رضامندی ضروری نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح ایسی لونڈی

سے نکاح کے نتیجہ میں مرد کیلئے چار شادیوں تک کی اجازت پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا یعنی ایک مرد چار شادیوں کے بعد بھی مذکورہ قسم کی لونڈی سے نکاح کر سکتا تھا۔ لیکن اگر اس لونڈی کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا تھا تو وہ ام الولد کے طور پر آزاد ہو جاتی تھی۔

علاوہ ازیں اسلام نے لونڈیوں سے حسن سلوک کرنے، ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنے اور انہیں آزاد کر دینے کو ثواب کا موجب قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَيُّمَا رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ جَارِيَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا وَأَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ

(صحیح بخاری کتاب العتق باب العَبْدِ إِذَا أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَنَصَحَ سَيِّدَهُ)

یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے پاس لونڈی ہو اور وہ اسے نہایت اچھے آداب سکھائے اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔

رویفع بن ثابت انصاری روایت کرتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ يَوْمَ حُنَيْنٍ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ يَّسْقِيَ مَآءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ۔ يَعْنِي إِتْيَانَ الْحَبَالَى وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ يَّقَعَ عَلَى امْرَأَةٍ مِّنَ السَّبْيِ حَتّٰى يَسْتَبْرِئَهَا وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ يَّبِيعَ مَغْنَمًا حَتّٰى يُقْسَمَ

(سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فِي وَطْءِ السَّبَايَا)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو حنین کے دن فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنا پانی کسی اور کی کھیتی میں لگائے۔ یعنی حاملہ عورتوں سے ازدواجی تعلق قائم کرے۔ اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کیلئے جائز نہیں کہ قیدی عورت سے وہ صحبت کرے جب تک کہ استبرائے رحم نہ ہو جائے۔ اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ مال غنیمت کو تقسیم سے پہلے فروخت کرے۔

پس اصولی بات یہی ہے کہ اسلام انسانوں کو لونڈیاں اور غلام بنانے کے حق میں ہر گز نہیں ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں، اس وقت کے مخصوص حالات میں مجبوراً اس کی وقتی اجازت دی گئی تھی لیکن اسلام نے اور آنحضرت ﷺ نے بڑی حکمت کے ساتھ ان کو بھی آزاد کرنے کی ترغیب دی اور جب تک وہ خود آزادی حاصل نہیں کر لیتے تھے یا انہیں آزاد نہیں کر دیا جاتا تھا، ان سے حسن و احسان کے سلوک کی ہی تاکید فرمائی گئی۔

اور جونہی یہ مخصوص حالات ختم ہو گئے اور ریاستی قوانین نے نئی شکل اختیار کر لی جیسا کہ اب مروج ہے تو اس کے ساتھ ہی لونڈیاں اور غلام بنانے کا جواز بھی ختم ہو گیا۔ اب اسلامی شریعت کی رو سے لونڈی یا غلام رکھنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ بلکہ حکم و عدل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اب موجودہ حالات میں اس کو حرام قرار دیا ہے۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ جب ہم کہتے ہیں کہ کسی کی نظر لگ گئی یا مظلوم کی بد دعا سے کوئی پریشانی یا تکلیف پہنچی ہے تو کیا یہ سوچ شرک کے زمرہ میں تو نہیں آتی؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 07 مارچ 2018ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جواب:۔ نظر لگنے یا مظلوم کی بد دعا کے اثر ہونے کا شرک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کیونکہ دونوں باتوں میں نتیجہ خدا تعالیٰ کی ذات نکالتی ہے نہ کہ نظر ڈالنے والا یا مظلوم خود کچھ کرتا ہے۔ نظر ڈالنے والے کی طرف سے تو صرف ایک غیر ارادی خواہش کا اظہار ہوتا ہے یا مظلوم کی درد سے ایک آہ اٹھتی ہے جسے خدا تعالیٰ قبول کر کے نتیجہ مترتب فرماتا ہے۔ لہٰذا ہر دو معاملات کا شرک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں خصوصاً جبکہ دونوں باتیں احادیث نبویہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ (صحیح بخاری کتاب المظالم والغصب) یعنی مظلوم کی بد دعا سے ڈرو اس لئے کہ اس کی بد دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اَلْعَيْنُ حَقٌّ وَنَهٰى عَنِ الْوَشْمِ (صحیح بخاری

کتاب الطب) یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ نظر کا لگ جانا حق ہے نیز آپ ﷺ نے جسم گدوانے سے منع فرمایا۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ کیا ایک احمدی مسلمان عورت کیلئے اپنے پاؤں کو پردہ سے باہر رکھنا جائز ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 03 مئی 2018ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جواب:۔ قرآن کریم نے جہاں پردہ کے احکامات بیان فرمائے ہیں وہاں پہلے مومن مردوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔ اس کے بعد مومن عورتوں کیلئے پردہ کے احکامات بیان فرماتے ہوئے انہیں پہلا حکم یہی دیا کہ مومن عورتیں بھی اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔ اور پھر انہیں کہا کہ وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لیا کریں اور اپنی زینتیں ظاہر نہ کیا کریں۔ اور اپنے پاؤں اس طرح نہ ماریں کہ لوگوں پر وہ ظاہر کر دیا جائے جو عورتیں عموماً اپنی زینت میں سے چھپاتی ہیں۔

پاؤں زمین پر نہ مارنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اگر پاؤں میں کوئی زیور (پازیب وغیرہ) پہنی ہوئی ہے تو اس کی چھنکار سے لوگوں کی توجہ اس خاتون کی طرف ہو سکتی ہے اور غیروں کی نظریں اس پر اٹھ سکتی ہیں جو پردہ کے حکم کے منافی ہے۔

اسی طرح اگر پاؤں پر مہندی یا نیل پالش وغیرہ لگا کر ان کا سنگھار کیا گیا ہے تو ایسے پاؤں غیر مردوں کیلئے کشش کا موجب ہو سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غیر مردوں کی نظریں ایسی عورت پر اٹھیں گی جس سے پردہ کے احکامات کی خلاف ورزی ہو گی۔ لیکن اگر پاؤں پر کسی قسم کا بناؤ سنگھار نہیں کیا گیا تو ایسے پاؤں سے چونکہ کوئی کشش پیدا نہیں ہو سکتی ہے اور نہ ہی بے پردگی کا سوال پیدا ہوتا ہے اس لئے اگر انہیں پردہ میں نہ بھی رکھا جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

احادیث میں بھی پردہ کے بارہ میں مختلف ہدایات ملتی ہیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے عورت کے چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ اس کے جسم کے باقی حصہ کے پردہ کا حکم دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر عورت کے پاس تہ بند نہ ہو تو کیا وہ صرف اوڑھنی اور قمیص میں نماز

پڑھ سکتی ہے؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ بشرطیکہ کہ اس کی قمیض اتنی لمبی ہو کہ اس کے پاؤں کی پشت کو بھی ڈھک دے۔ ایک روایت میں ہے کہ جنگ احد کے موقعہ پر حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ اپنی تہ بند اوپر اٹھا کر پانی کی مشکیں بھر بھر کر لا رہی تھیں اور مردوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس حالت میں ان کے پاؤں کی پازیبیں دکھائی دے رہی تھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پردہ سے متعلق قرآنی آیات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایماندار عورتوں کو کہہ دے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں اور اپنے کانوں کو بھی نامحرموں سے بچائیں یعنی ان کی پرشہوت آوازیں نہ سنیں اور اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنی زینت کے اعضاء کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے۔ یعنی گریبان اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 341-342)

شرعی پردہ کو بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"شرعی پردہ یہ ہے کہ چادر کو حلقہ کے طور پر کر کے اپنے سر کے بالوں کا کچھ حصہ پیشانی اور زنخدان کے ساتھ بالکل ڈھانک لیں اور ہر ایک زینت کا مقام ڈھانک لیں۔ مثلاً منہ پر ارد گرد اس طرح پر چادر ہو (اس جگہ انسان کے چہرہ کی شکل دکھا کر جن مقامات پر پردہ نہیں ہے ان کو کھلا رکھ کر باقی پردہ کے نیچے دکھایا گیا ہے) اس قسم کے پردہ کو انگلستان کی عورتیں آسانی سے برداشت کر سکتی ہیں اور اس طرح پر سیر کرنے میں کچھ حرج نہیں آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔"

(ریویو آف ریلیجنز جلد 4 نمبر 1 صفحہ 17 جنوری 1905ء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ غض بصر کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد مرد اور عورت کی نگاہوں کو آپس میں ملنے سے بچانا ہے ورنہ جو عورت بھی باہر نکلے گی اس کے پاؤں اور اس کی چال اور اس کا قد اور اس کے ہاتھوں کی حرکت اور ایسی ہی کئی چیزیں مردوں کو نظر آئیں گی۔

(تفسیر کبیر جلد 6 صفحہ 298)

پس مذکورہ بالا نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے جسم کا ہر وہ حصہ جو اس کی زینت کے زمرہ میں آتا ہو اور غیر محرم کیلئے کشش کا باعث ہو، عام حالات میں اس کا پردہ کرنا عورت پر لازم ہے۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ طلباء جامعہ احمدیہ انڈونیشیا کی مؤرخہ 6نومبر 2020ء کو ہونے والی Virtual ملاقات میں ایک طالبعلم نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے انڈونیشن جماعت کو قائم ہوئے 2025ء میں سو سال پورے ہو جائیں گے۔ ہمیں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کیلئے کیا کرنا چاہیئے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کے جواب میں فرمایا:

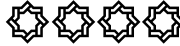
جواب:۔ سو سال پورے ہونے پہ آپ یہ ٹارگٹ رکھیں کہ پانچ سال میں آپ نے کم از کم ایک لاکھ بیعتیں کروانی ہیں۔ اور ہر جو احمدی ہے اس کو آپ نے باجماعت نمازی بنانا ہے۔ ہر احمدی کو باقاعدہ قرآن کریم پڑھنے والا بنانا ہے۔ ہر احمدی کو خلافت سے تعلق رکھنے والا بنانا ہے۔ ہر احمدی کو آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے والا بنانا ہے۔ ٹھیک ہے؟ بس یہ کام کرلیں تو بہت کچھ آپ نے کرلیا ہے۔

سوال:۔ مؤرخہ 6 نومبر 2020ء کو اسی ملاقات میں ایک طالبعلم نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضور! جب آپ طالبعلم تھے اور آپ کے سامنے کوئی مشکل آجاتی تھی تو اس وقت آپ کونسی دعائیں کیا کرتے تھے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کا جواب عطاء فرماتے ہوئے فرمایا:

جواب:۔ کوئی خاص دعا نہیں ہوتی تھی۔ بس میں تو سجدہ میں پڑ جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ سے کہتا تھا کہ مسئلہ حل کردے۔ بس نماز اور سجدہ۔ نماز میں سجدہ میں اپنی زبان میں دعائیں کریں جو بھی دعائیں کرنی ہیں۔ انسان اپنی زبان میں جو دعا کرتا ہے اس میں زیادہ رقت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے باقی دعائیں تو ٹھیک ہے کرنی چاہئیں، درود شریف بھی پڑھنا چاہئیے، استغفار بھی پڑھنا چاہیئے، لاحول بھی پڑھنا چاہیئے۔ استغفار کرتے ہوئے اپنے گناہوں سے معافی بھی مانگنی چاہیئے۔ لیکن سب سے زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ

نماز میں، سجدہ میں دعائیں کرو۔ نفل پڑھو اور نفلوں میں، سنتوں میں، فرض میں اللہ تعالیٰ کے آگے رو کر سجدہ میں اپنی زبان میں دعا کرو۔ اپنی زبان میں جو دعا ہوتی ہے اس میں زیادہ رقت پیدا ہوتی ہے اور اس سے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 26 جنوری 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر6

سوال:۔ مجلس خدام الاحمدیہ امریکہ کی طرف سے تیار کردہ تربیتی امور سے متعلق سوال و جواب پر مشتمل مسودہ میں ایک سوال ہے کہ احمدیت کے غلبہ کی صورت میں دنیا کی سیاسی فضاء کیسی ہو گی؟اس کے بارہ میں راہنمائی فرماتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 26 مئی 2018ء میں فرمایا:

جواب:۔ سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی دو حکومتوں کے آپس میں لڑنے اور باقیوں کو ان کے درمیان صلح کروانے کا جو حکم دیا ہے اس میں دراصل یہ پیشگوئی بھی ہے کہ جب ساری دنیا پر اسلام کا غلبہ ہو جائے گا تو اس وقت بھی ساری دنیا میں ایک حکومت نہیں ہو گی بلکہ الگ الگ حکومتیں ہوں گی۔

پس اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب احمدیت کا غلبہ ہو گا تو دنیا میں سیاسی لحاظ سے اگرچہ الگ الگ حکومتیں ہوں گی جن کے ملکی قوانین اسلامی قوانین سے نہیں ٹکرائیں گے۔ لیکن اس زمانہ میں سیاست اور روحانیت کے معاملات الگ الگ طے ہوں گے۔ خلافت حقہ اسلامیہ تو ساری دنیا میں ایک ہی ہو گی اور تمام حکومتیں علمی اور روحانی اعتبار سے خلیفۂ وقت سے راہنمائی حاصل کریں گی۔ لیکن ان کے سیاسی معاملات میں خلیفۂ وقت کا کوئی دخل نہیں ہو گا۔ اور کوئی خلیفہ خود فوج لیکر کسی حکومت پر حملہ آور نہیں ہو گا۔

سوال:۔ ایک دوست نے سوال کیا کہ نماز میں التحیات پڑھتے وقت جب ہم ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ “کہتے ہیں تو کہیں ہم شرک کے مرتکب تو نہیں ہو رہے ہوتے کیونکہ یہ الفاظ تو زندہ انسانوں کیلئے بولے جاتے ہیں؟ اس سوال کا جواب عطاء فرماتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06 جون 2018ء میں فرمایا:

جواب:۔ مستند احادیث سے ثابت ہے کہ تشہد میں پڑھی جانے والی یہ دعا آنحضور ﷺ نے خود صحابہ کو سکھائی اور فرمایا کہ جب تم یہ دعا کرو گے تو تمہاری یہ مناجات زمین و آسمان میں موجود اللہ کے ہر نیک بندہ تک پہنچ جائیں گی۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان)

گویا حضور ﷺ نے خود یہ وضاحت فرمادی کہ تمہاری یہ دعا زندہ لوگوں کو بھی پہنچ رہی ہے اور جو وفات پا چکے ہیں انہیں بھی تمہاری دعا کی برکتیں مل رہی ہیں۔ پس اس قسم کی دعاؤں میں جو مخاطب کا صیغہ یا حرف ندا وغیرہ استعمال ہوتا ہے، اس سے کسی قسم کو وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ ہماری دعا کا مخاطب تو فوت ہو چکا ہے اس لئے کہیں یہ شرک نہ شمار ہو۔

اس میں شرک والی کوئی بات نہیں کیونکہ جس طرح اس دنیا میں ایک شخص کی آواز کو دوسرے شخص تک پہنچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ذریعہ بنایا ہے اسی طرح روحانی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہماری مناجات کو فوت شدگان تک پہنچانے کیلئے اپنے فرشتوں کو ذریعہ بنایا ہے۔ چنانچہ جب ہم قبرستان جاتے ہیں تو وہاں پر جو دعا پڑھتے ہیں اس کی ابتداء بھی "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ" سے ہی ہوتی ہے جس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ ہم ان مردوں کو دیکھ رہے ہوتے ہیں یا وہ ہمارے سامنے موجود ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ السلام علیکم یا اہل القبور جو کہا جاتا ہے کیا اسے مردے سنتے ہیں؟ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"دیکھو! وہ سلام کا جواب وعلیکم السلام تو نہیں دیتے۔ خدا تعالیٰ وہ سلام (جو ایک دعا ہے) ان کو پہنچا دیتا ہے۔ اب ہم جو آواز سنتے ہیں اس میں ہوا ایک واسطہ ہے لیکن یہ واسطہ مردہ اور تمہارے درمیان نہیں لیکن السلام علیکم میں خدا تعالیٰ ملائکہ کو واسطہ بنا دیتا ہے۔ اسی طرح درود شریف ہے کہ ملائکہ آنحضرت ﷺ کو پہنچا دیتے ہیں۔"

(اخبار بدر مؤرخہ 16 مارچ 1904ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فرط محبت یا فرط غم میں غائب کو ندا کی جاتی ہے اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ بجسد عنصری موجود ہو بلکہ اظہار محبت کا یہ ایک طریق ہے۔“

(الحکم مؤرخہ 10 فروری 1904ء)

سوال:۔ ایک خاتون نے جنازہ کے ساتھ خواتین کے قبرستان جانے، تدفین کے وقت ان کے مردوں کے پیچھے کھڑے ہونے یا گاڑیوں میں بیٹھے رہنے کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے مسئلہ دریافت کیا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 09 جون 2018ء میں درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جواب:۔ مستند احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے عموماً خواتین کو جنازہ کے ساتھ قبرستان جانے سے منع فرمایا ہے لیکن اس بارہ میں خواتین پر بہت زیادہ سختی بھی نہیں کی گئی اور اگر کسی خاص وجہ سے کوئی عورت جنازہ کے ساتھ دیکھی گئی تو اس سے آنحضور ﷺ نے درگذر فرمایا۔

زمانہ جاہلیت میں میت پر نوحہ کا بہت زیادہ رواج تھا اور زیادہ تر نوحہ عورتیں ہی کیا کرتی تھیں۔ اسلام نے نوحہ کو حرام قرار دیا تو اس کے ساتھ ہی عورتوں کو بھی عموماً میت کے ساتھ قبرستان جانے سے منع کر دیا گیا تا کہ ان میں سے کوئی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھتے ہوئے تدفین کے وقت واویلے کی صورت پیدا نہ کر دے۔ علماء سلف اور فقہاء نے بھی خواتین کے جنازہ کے ساتھ جانے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک اور آپؑ کے بعد خلفائے احمدیت کے زمانہ میں عموماً یہی طریق رہا ہے کہ جنازہ پڑھتے وقت عورتوں کو الگ انتظام کے ساتھ نماز جنازہ میں تو شامل ہونے دیا جاتا ہے لیکن تدفین کے وقت عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

پس کسی خاص وجہ کے علاوہ عورتوں کو جنازہ کے ساتھ قبرستان نہیں جانا چاہیئے، لیکن اگر کسی مجبوری کے تحت خواتین کو جنازہ کے ساتھ قبرستان جانا پڑ جائے تو جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں تحریر کیا ہے انہیں تدفین کے وقت اپنی گاڑیوں میں ہی بیٹھے رہنا چاہیئے اور قبر تیار ہونے پر مردوں کے وہاں سے ہٹ جانے کے بعد اگر وہ چاہیں تو قبر پر دعا کر سکتی ہیں۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور کی خدمت اقدس میں حدیث ثقلین کی ثقاہت کے بارہ میں کچھ روشنی ڈالنے کی درخواست کی۔ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 29 جون 2018ء میں اس سوال کا درج ذیل بصیرت افروز جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اس بارہ میں دو قسم کی روایات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ایک میں کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّہٖ کے الفاظ آئے ہیں اور دوسری میں کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِی أَھْلَ بَیْتِی کے الفاظ آئے ہیں۔

کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّہٖ والی روایات ثقہ اور مستند ہیں۔ قرآن کریم دراصل خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور حضور ﷺ کی سنت اس کلام کی عملی تفسیر ہے، جو دونوں لازم وملزوم اور ہر قسم کے ظن سے پاک ہیں۔ اور یہی وہ دو چیزیں ہیں جن کو مضبوطی سے تھامنے (یعنی ان کے احکامات پر عمل کرنے) والے کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ حضرت انس بن مالک نے اپنی موطا میں اسے درج کیا ہے۔

جبکہ وَعِتْرَتِی أَھْلَ بَیْتِی والی روایات کو اگرچہ صحاح ستہ میں سے بعض کتب نے روایت کیا ہے لیکن امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں درج نہیں کیا۔ علمائے حدیث نے ان روایات پر روایتاً اور درایتاً بہت کلام کیا ہے۔ نیز اسماء الرجال کی کتب میں ان روایات کے راویوں پر بہت زیادہ جرح کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ان کی اسناد میں ضرور کوئی نہ کوئی ایسا راوی ہے جس کی ہمدردیاں اہل تشیع کے ساتھ تھیں۔

ان روایات کے ایک راوی حضرت زید بن ارقمؓ کا اپنا بیان قابل غور ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بہت کچھ جو میں نے حضور ﷺ سے سنا تھا بھول چکا ہوں۔

ان روایات کے ایک راوی حضرت جابر بن عبد اللہؓ ہیں۔ ان سے مروی ایک مختصر روایت جو صحیح مسلم اور سنن ترمذی نے درج کی ہے اس میں کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِی أَھْلَ بَیْتِی کے الفاظ بیان ہوئے ہیں لیکن حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے یہی روایت جب تفصیل کے ساتھ صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ نے درج کی تو ان میں کہیں وَعِتْرَتِی أَھْلَ بَیْتِی کے الفاظ درج نہیں کئے بلکہ صرف کِتَابَ اللّٰہِ کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

پس موطا امام مالک، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ وغیرہ کی صرف وہ روایات قابل اعتماد اور روایتاً اور درایتاً قابل قبول ہیں جن میں کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کا ذکر ہے یا کتاب

اللہ اور حضور ﷺ کی سنت پر چلنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور باقی سب ایسی روایات جن میں کتاب اللہ کے ساتھ أَهْلَ بَيْتِي یا وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي کے الفاظ آئے ہیں، وہ جیسا کہ علمائے حدیث اور ماہرین اسماء الرجال نے بیان کیا ہے، قابل قبول نہیں ہیں۔

سوال:۔ ایک دوست نے حدیث الصَّلَاةُ الْمَكْتُوبَةُ وَاجِبَةٌ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ أَوْ فَاجِرًا وَإِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ (سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ) کی روشنی میں دریافت کیا ہے کہ افراد جماعت کیلئے کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا کیوں درست نہیں؟ اس سوال کا جواب عطاء فرماتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 05 اکتوبر 2018ء میں فرمایا:۔

جواب:۔ یہ مکمل حدیث سنن ابی داؤد کتاب الجہاد میں اس طرح درج ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ أَمِيرٍ بَرًّا كَانَ أَوْ فَاجِرًا وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ أَوْ فَاجِرًا وَإِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ وَالصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ أَوْ فَاجِرًا وَإِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ

گویا اس میں صرف نماز پڑھنے کے بارہ میں ارشاد نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر امیر کی قیادت میں جہاد کرو اور ہر مسلمان کی نماز جنازہ ادا کرو۔ لیکن آنحضور ﷺ کی اپنی سنت اس سے مختلف ہے کیونکہ حضور ﷺ نے نہ مقروض کی، نہ خیانت کرنے والے کی اور نہ ہی خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ خود پڑھی۔

اسی لئے علمائے حدیث نے اس حدیث کی صحت پر کلام کیا ہے اور اس روایت کی سند پر کئی اعتراضات اٹھائے ہیں۔

علاوہ ازیں کتب احادیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ لَا يَؤُمَّنَّكُمْ ذُو جُرْأَةٍ فِي دِيْنِهِ یعنی کوئی ایسا شخص جو اپنے دین میں بے باک ہو گیا ہو یا دینی احکامات کا خیال نہ رکھتا ہو وہ تمہاری امامت ہرگز نہ کروائے۔

امامت کے حوالہ سے سب سے بڑھ کر وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے آنے والے مسیح موعود کے بارہ میں فرمایا ہے کہ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ۔ یعنی اس وقت تمہارا امام تم میں سے ہی ہو گا۔ اور یہ حدیث کتب احادیث کی سب سے مستند کتب بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔

حضور ﷺ اس حدیث میں فرمایا ہے کہ فاسق فاجر کے پیچھے نماز پڑھو، یہ نہیں فرمایا کہ مکفر اور مکذب کے پیچھے نماز پڑھو۔ پس اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا مطلب صرف یہ ہو گا کہ حضور ﷺ دراصل ہمیں ایک انتظامی امر کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ جب اپنے لوگوں میں سے کسی کو امام بنا دیا جائے تو اس کے اعمال میں تجسس کر کے اس کی خامیاں تلاش کرنے کی کوشش نہ کیا کرو بلکہ پوری اطاعت کے ساتھ اس کی اقتداء میں نماز ادا کر کے اس کی قبولیت کا معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیا کرو۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ سوئٹزرلینڈ کی نیشنل مجلس عاملہ کی مؤرخہ 07 نومبر 2020ء کو ہونے والی Virtual ملاقات میں ایک ممبر عاملہ نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تین انگوٹھیاں بنوائی تھیں، دو انگوٹھیاں ہم نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے دست مبارک میں دیکھی ہیں، تیسری انگوٹھی کس کے پاس ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کا جواب عطاء فرماتے ہوئے فرمایا:۔

جواب:۔ ''اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ'' والی انگوٹھی حضرت اماں جان نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو دی تھی اور دوسری انگوٹھی جس پر ''غَرَسْتُ لَكَ بِيَدِيْ رَحْمَتِيْ وَقُدْرَتِيْ'' کا الہام درج تھا، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو دی تھی اور ''مولیٰ بس'' والی انگوٹھی حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کو دی تھی۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ والی انگوٹھی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو دی تھی، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد یہ انگوٹھی جو بھی خلیفہ بنے گا، اس کو ملے گی اور بجائے ذاتی ہونے کے خلافت کو منتقل ہو جائے گی۔ لیکن جو دوسری دو انگوٹھیاں تھیں وہ دونوں بھائیوں نے اپنے پاس رکھی رکھیں۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی انگوٹھی جو تھی ان کی وفات کے بعد میرے والد صاحب کے پاس آئی۔ اس کے بعد میری والدہ نے ان کی وفات کے بعد مجھے دیدی اور پھر اللہ تعالیٰ نے جب خلافت کا

منصب دیا تو میں نے وہ انگوٹھی پہننی بھی شروع کر دی۔ تیسری انگوٹھی جو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے پاس تھی، وہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کے بعد حضرت مرزا مظفر احمد صاحب کو منتقل ہو گئی تھی۔ حضرت مرزا مظفر احمد صاحب کے کوئی اولاد نہیں تھی تو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیٹی امۃ الجمیل صاحبہ اور محترم ناصر احمد سیال صاحب ابن حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ کے بیٹے کو لے پالک بنایا تھا، اور وہ ان کے ساتھ رہا، ان کے گھر میں پلا بڑھا، تو اس کے بعد انہوں نے وہ انگوٹھی اس کو دیدی وہ آجکل امریکہ میں رہتا ہے۔

سوال:۔ اسی ملاقات مؤرخہ 07 نومبر 2020ء میں ایک اور ممبر عاملہ نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضور انور نے گزشتہ روز کے خطبہ جمعہ میں تیسری جنگ عظیم کا ذکر فرمایا تھا۔ اگر یہ جنگ ہوتی ہے تو کیا جماعت احمدیہ کے افراد بھی اس کی زد میں آسکتے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کا درج ذیل الفاظ میں جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ مثال تو یہ ہے ناں کہ آٹے کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔ ہم گھن تو نہیں ہیں لیکن جب دنیا پہ اثرات ہوں گے تو احمدی بھی اس کی زد میں آئیں گے لیکن ان کی بہت معمولی تعداد ہو گی۔ اسلام کی فتوحات کیلئے جو جنگیں ہوئی تھیں، اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی کی تھی کہ جنگیں تم جیتو گے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جنگیں جیتتے رہے لیکن کیا صحابہ شہید نہیں ہوتے رہے؟ اب بیماریاں آتی ہیں۔ ان بیماریوں کیلئے نشانات آرہے ہیں، زلزلے آرہے ہیں، طوفان آرہے ہیں۔ ان میں بعض دفعہ بعض احمدیوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

اگر ہم اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کئے رکھیں گے تو جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

؎ آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار

اگر ہمارا اللہ تعالیٰ سے تعلق صحیح ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے والے ہوں گے، اس کی تعلیم پہ عمل کرنے والے ہوں گے، اس کے بندوں کے حق ادا کرنے والے ہوں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ہمارے نقصانوں کو بہت کم کر دے گا۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بچا لے گا، اور دنیا کو پھر سبق ملے گا۔ لیکن اس سے پہلے اگر ہم یہ حق ادا کر رہے ہیں تو ہمیں دنیا کو بتانا ہو گا کہ ان آفات کی وجہ اور جنگ کی وجہ خدا سے دوری ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حق ادا نہ کرنے ہیں۔ اس لئے تم لوگ سنبھل جاؤ۔ جب جنگ عظیم ختم ہو گی تو لوگوں کو پتہ ہو گا کہ ہاں ایک طبقہ، ایک قوم، مسلمانوں کا ایک فرقہ، ایک جماعت ہمیں یہ تلقین کیا کرتی تھی، تب ان کا خدا تعالیٰ کی طرف رجوع پیدا ہو گا۔ اس وقت وہ آپ کی طرف آئیں گے۔

پس اگر تو ہم اپنے حق ادا کر رہے ہیں تو آئندہ جنگ عظیم کے بعد جو جماعت کی ترقی کے نشانات ہیں وہ ہم دیکھیں گے۔ اور اگر ہم حق ادا نہیں کر رہے اور ہمارا بھی دنیاداروں کی طرح حال ہے، دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں، پانچ وقت کی نمازوں کو بھول گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حق ادا کرنے کو بھول گئے ہیں، لوگوں کے حق ادا کرنے کو بھول گئے ہیں تو پھر ہم بھی (اس جنگ کے اثرات کی زد میں) چلے جائیں گے۔ ہماری کوئی گارنٹی تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہوئی ہے کہ تم نے بیعت کر لی ہے تو تم بچ جاؤ گے۔ بیعت کے ساتھ شرائط ہیں، وہ ہم پوری کریں گے تو بچ جائیں گے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ آگ سے وہ بچائے جائیں گے جب تم شرائط پوری کرو گے۔ اللہ تعالیٰ سے پیار کا اظہار صرف زبانی نہیں ہو گا بلکہ عملی اظہار ہو گا۔ تب تم بچائے جاؤ گے۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ بنگلہ دیش کے مربیان کی مؤرخہ 08 نومبر 2020ء کو ہونے والی Virtual ملاقات میں ایک مربی صاحب نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ عموماً نوجوان طبقہ کاروبار یا ملازمت کے سلسلہ میں شہر چلا جاتا ہے، جس سے دیہاتی جماعتوں میں کارکنان اور عہدیدار احباب کی کمی ہوتی جارہی ہے، اس حالت میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کا جواب عطاء فرماتے ہوئے فرمایا:۔

جواب:۔ یہ تو دنیا کا قانون ہے، ہر جگہ دنیا میں اسی طرح ہوتا ہے کہ جو Rural Area ،دیہاتی ایریا ہے وہاں سے Urban Area میں Migration ہوتی ہے، شہری علاقہ میں Migrationہوتی ہے۔ اور جہاں قوموں نے ترقی کرنی ہوتی ہے یہ Natural چیز ہے۔ چھوٹے علاقے ہیں، قصبے ہیں، گاؤں ہیں ان کی آبادیاں تیزی سے بڑھ رہی ہوتی ہیں۔ اگر آبادیاں وہیں رہیں گی اور پڑھ لکھ کے شہر میں نہیں آئیں گی تو پھر ترقی نہیں ہو سکتی۔ یہ تو نشانی ہے اس بات کی کہ شہروں میں ترقی کے مواقع زیادہ ہیں اور قوم ترقی کر رہی ہے۔ یا پڑھائی کے مواقع زیادہ ہیں اور وہ پڑھائی کر کے آگے بڑھ رہے ہیں۔

ہاں بنگلہ دیش میں آپ کی ایک Economist تھی اس نے Cottage Industry کا سسٹم شروع کیا تھا کہ بجائے باہر جانے کے دیہاتوں میں اور چھوٹے قصبوں میں Cottage Industry ہو اور لوگ وہیں کام کریں اور وہیں ان کو Investment کرنے کے مواقع میسر آ جائیں۔ اگر ویسے کوئی مواقع میسر آ جائیں تو بڑی اچھی بات ہے، جماعت کے لوگوں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور پھر وہاں رہ کے کام کرنا چاہیئے۔ لیکن جو بہت زیادہ پڑھے لکھے ہیں، جن کو تعلیم حاصل کر کے پھر آگے بڑھنے کے زیادہ مواقع میسر آ رہے ہیں، انہوں نے تو ظاہر ہے باہر جانا ہے۔ پھر اس کا یہی علاج ہے کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں وہ اپنا کام زیادہ سے زیادہ نبھانے کی کوشش کریں اور بیعتیں کرانے کی کوشش کریں، زیادہ تبلیغ کریں، لوگوں کو زیادہ جماعت کا تعارف کروائیں اور جو نوجوان نسل نیچے سے اٹھ رہی ہے، اطفال میں سے خدام میں آ رہے ہیں ان میں احساس ذمہ داری پیدا کریں کہ وہ زیادہ سے زیادہ جماعت کا کام کر سکیں۔

دیکھیں حصول معاش کیلئے انہوں نے باہر جانا ہی جانا ہے۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ ایک تو ان علاقوں میں بیعتیں کروائیں، دوسرے جو نئی نوجوان نسل ہے اس کی تربیت اس طرح کریں کہ وہ جماعت کو سنبھال سکیں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 4 فروری 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر7

سوال:۔ایک دوست نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کہ ”قرآن کریم میں چور کے ہاتھ کاٹنے اور زانی کو رجم کرنے کا واضح حکم آیا ہے“ کے حوالہ سے تحریر کیا کہ قرآن کریم میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا تو ذکر موجود ہے لیکن زانی کو رجم کرنے کا کسی آیت میں ذکر نہیں؟ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 15 اکتوبر 2018ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب:۔ اسلامی سزاؤں کے عموماً دو پہلو ہیں۔ ایک انتہائی سزا اور ایک نسبتاً کم سزا۔ اور ان سزاؤں کا بنیادی مقصد برائی کی روک تھام اور دوسروں کیلئے عبرت کا سامان کرنا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں ہر قسم کے چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی گئی مثلاً کھانے پینے کی اشیاء کی چوری پر کبھی ہاتھ نہیں کاٹا گیا۔ لیکن اگر کوئی چور کسی عورت کا زیور چھینتے ہوئے اس کے ہاتھ کان زخمی کر دیتا ہے یا اس کے کسی Organ کو ایسا نقصان پہنچا دیتا ہے کہ وہ کسی معذوری کا شکار ہو جاتی ہے تو ایسے چور کو پھر اس کے جرم کے مطابق سزا دی جاتی ہے جس میں ہاتھ کاٹنے کی بھی سزا شامل ہے۔

اسی طرح جو زنا باہمی رضامندی سے ہوا ہو اگر وہ اسلامی طریقۂ شہادت کے ساتھ ثابت ہو جائے تو فریقین کو سو کوڑوں کی سزا کا حکم ہے۔ لیکن جس زنا میں زبردستی کی جائے اور اس میں نہایت وحشیانہ مظالم کا جذبہ پایا جاتا ہو یا کوئی زانی چھوٹے بچوں کو اپنے ظلموں کا نشانہ بناتے ہوئے اس گھناؤنی حرکت کا مرتکب ہوا ہو تو ایسے زانی کی سزا صرف سو کوڑے تو نہیں ہو سکتی۔ ایسے زانی کو پھر قرآن کریم کی سورۃ المائدہ آیت 34 اور سورۃ الاحزاب کی آیت 61 تا 63 میں بیان فرمودہ تعلیم کی رو سے قتل اور

سنگساری جیسی انتہائی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ لیکن اس سزا کا فیصلہ کرنے کا اختیار حکومت وقت کو دیا گیا ہے اور اس تعلیم کے ذریعہ عمومی طور پر حکومت وقت کیلئے ایک راستہ کھول دیا گیا ہے۔

چنانچہ انہیں آیات قرآنیہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اسی قسم کے زانی کیلئے سنگسار کی سزا کے قرآن کریم میں بیان ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں پاکستان کے بینکوں میں جمع کرائی جانے والے رقم پر ملنے والے منافع کو اپنے ذاتی استعمال میں لانے کی بابت مسئلہ دریافت کیا ہے۔ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 26 نومبر 2018ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب:۔ پاکستان کے بینک عموماً PLS یعنی نفع نقصان میں شراکت کے طریق کار کے تحت رقوم جمع کرتے ہیں۔ اس سسٹم کے تحت جمع کرائی جانے والی رقوم پر ملنے والی زائد رقم سود کے زمرہ میں نہیں آتی۔ اسی طرح حکومتی بینکوں میں جمع کروائی جانے والی رقوم پر ملنے والی زائد رقم بھی سود شمار نہیں ہوتی۔ کیونکہ حکومتی بینک اپنے سرمایہ کو رفاہی کاموں پر لگاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ملکی باشندوں کی سہولتوں کیلئے مختلف منصوبے بنائے جاتے ہیں، معیشت میں ترقی ہوتی ہے اور افرادِ ملک کیلئے روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسے بینکوں سے ملنے والے منافع کو ذاتی استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

جہاں تک سود کا تعلق ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ ایک شخص اپنے فائدہ کیلئے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے۔ یہ تعریف جہاں صادق آوے گی وہ سود کہلائے گا۔

اسلام نے جس سود سے منع فرمایا ہے اس میں غرباء کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں قرض دیتے وقت اس پر پہلے سے سود کی ایک رقم معین کرلی جاتی تھی اور غریب اس سود در سود کے بوجھ تلے دبتا چلا جاتا تھا اور یہ قرض اور سود کبھی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ جبکہ موجودہ زمانہ میں اگر

کوئی قرض لی ہوئی رقم واپس کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو اور اس کا دیوالیہ نکل جائے تو Bankruptcy کے تحت وہ قرض ختم بھی ہو جاتا ہے۔

اسی لئے اس زمانہ کے حکم و عدل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”اب اس ملک میں اکثر مسائل زیر و زبر ہو گئے ہیں۔ کل تجارتوں میں ایک نہ ایک حصہ سود کا موجود ہے۔ اس لئے اس وقت نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔“ اور حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کی روشنی میں جماعت احمدیہ اس بارہ میں مختلف معاملات اور مسائل سامنے آنے پر تحقیق کرتی رہتی ہے۔ اور اب بھی اس پر مزید تحقیق ہو رہی ہے۔

سوال:۔ ایک دوست نے ”فتاویٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام“ کے Revised ایڈیشن کے بارہ میں تحریر کیا کہ اس کتاب کے پبلشر فخر الدین ملتانی صاحب نے چونکہ ارتداد اختیار کر لیا تھا اس لئے ان کے نام اور ان کے تحریر کردہ دیباچہ کو اس ایڈیشن سے حذف کر دینا چاہیے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 26 نومبر 2018ء میں اس کا جماعتی اقدار و روایات کے مطابق نہایت خوبصورت درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب:۔ مذکورہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فتاویٰ پر مشتمل ہے اور فخر الدین ملتانی صاحب نے 1935ء میں اسے مرتب کیا تھا۔ یہ کتاب جماعتی لیٹریچر میں کافی عرصہ استعمال ہوتی رہی ہے۔ لیکن اس میں کتابت اور حوالہ جات کی بہت زیادہ غلطیاں تھیں۔

چنانچہ کتابت اور حوالہ جات کی غلطیوں کو اس نئے ایڈیشن میں درست کر دیا گیا۔ لیکن چونکہ اس کتاب کے پبلیشر اور مؤلف فخر الدین ملتانی صاحب تھے۔ اب اگر ہم ان کے نام اور ان کے تحریر کردہ دیباچہ کو اس نئے ایڈیشن میں سے حذف کر دیں تو یہ درست بات نہیں ہو گی کیونکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض رفقاء جو حضورؑ کی وفات کے بعد اپنی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے جماعت سے الگ ہو گئے تھے لیکن انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک میں مختلف کاموں میں جماعت کی خدمت کی توفیق پائی اور ان کے نام تاریخ احمدیت میں شامل ہیں۔ آپ کی اس تجویز کے مطابق

تو پھر ہمیں ان سب احباب کے نام اور ان کی خدمت کو بھی تاریخ احمدیت سے نکال دینا چاہیے۔ لیکن یہ بات جماعتی اخلاقیات اور روایات کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب جماعت کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فتاویٰ پر مشتمل ''فقہ المسیح'' کے نام سے بھی ایک کتاب شائع ہو چکی ہے جس میں ''فتاویٰ مسیح موعودؑ'' سے بھی زیادہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات اور فتاویٰ شامل کر دیئے گئے ہیں۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ بنگلہ دیش کے مربیان کی Virtual ملاقات مؤرخہ 08نومبر 2020ء میں ایک مربی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک الہام ہوا تھا کہ ''پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہو گی'' اس بارہ میں ہم حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زبان مبارک سے کچھ سننا چاہتے ہیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس بارہ میں درج ذیل ارشاد فرمایا:

جواب:۔ اب ایک سو تیس سال ہو گئے دلجوئی کرتے کرتے۔ اب اہل بنگالہ کوئی کام کریں گے تو پھر دلجوئی ہو گی۔ اب کام کریں اور کام کر کے دکھائیں۔ اپنے اندر تقویٰ کا معیار بلند کریں۔ اپنے اندر خدمت دین کے شوق کا معیار بلند کریں اور پھر اسے عملی جامہ پہنائیں۔ اور ملک میں ایک انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

جتنی مخالفت ہوتی ہے، مخالفت تو ایک کھاد اور بیج کا کام دے رہی ہے، جماعت کا اتنا ہی تعارف ہو رہا ہے۔ جتنے احمدیوں کو مار پڑتی ہے اتنا ہی تعارف ہو رہا ہے۔ پاکستان میں احمدیوں کو مار پڑ رہی ہے تو اتنا باہر کی دنیا میں جماعت کا تعارف ہو رہا ہے۔ بلکہ اب ملک میں بھی ہو رہا ہے۔ پہلے تو پاکستان میں صرف شہروں میں جماعت کی مخالفت ہوتی تھی اور شہر والوں کو پتہ تھا۔ اب دیہاتوں میں اور چھوٹی چھوٹی جگہوں پہ بھی مخالفت ہوتی ہے۔ ہر جگہ پتہ لگ گیا ہے۔ اس تعارف ہونے کی وجہ سے باہر کی دنیا کو بھی پتہ لگ رہا ہے اور اندر بھی بعض نیک فطرت اور سعید فطرت لوگ ہیں، وہاں ان کو احساس پیدا ہو رہا ہے کہ ہم تحقیق

کریں کہ جماعت احمدیہ کیا چیز ہے؟ اسلام کے بارہ میں ان کے کیا خیالات ہیں؟ اسلام کو یہ کیا سمجھتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ کا مقام ان کی نظر میں کیا ہے؟ خدا تعالیٰ کے کلام کو یہ کس طرح مانتے ہیں؟ جب وہ تحقیق کرتے ہیں تو پھر اس تجسس کی وجہ سے ان کو پھر جماعت کے قریب آنے کا موقعہ ملتا ہے۔

تو یہ جو مخالفت ہے یہ تو آپ کیلئے کھاد کا کام دے رہی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ اور جب آپ قربانیاں دیں گے تو اس کے بعد دلجوئی بھی آپ کی کی جائے گی۔ اور اس کیلئے اللہ کے فضل سے آپ نے قربانیاں دی ہیں۔ مسجدوں میں بم بھی پھٹے، ہمارے مربی کی ٹانگ بھی ضائع ہوئی، زخمی بھی ہوئے، شہید بھی ہوئے۔ تو وقتاً فوقتاً ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے حالات کی بہتری کیلئے دعا بھی کرتا رہتا ہوں۔ فکر بھی رہتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ دلجوئی کا مقام حاصل کرنے کیلئے آپ کو بھی کوشش کرنی پڑے گی۔

اس لئے ہر مربی اور معلم یہ عہد کرے کہ اس نے ڈرتے ڈرتے دن گزر کرنا ہے اور تقویٰ سے رات بسر کرنی ہے۔ اور احمدیت کا پیغام پہنچانے کی جو ذمہ داری اس پہ ڈالی گئی ہے، اس کو ایک خاص ولولہ اور جوش سے ملک کے کونے کونے میں پھیلانا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے عملی نمونے دکھانے ہیں۔ اپنے اندر قناعت پیدا کرنی ہے۔ جو بھی تھوڑا بہت گزارا ملتا ہے اور جو بھی تھوڑی بہت سہولیات جماعت کی طرف سے ملتی ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہے۔ اور ان کو بہت سمجھنا ہے۔ اور اپنی قربانی کے معیار کو بلند سے بلند تر کرتے چلے جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں بڑھنا ہے۔ اپنی راتوں کو زندہ کرنا ہے۔ ہر مربی اور معلم کا کام ہے کہ کم از کم ایک گھنٹہ تہجد کی نماز پڑھے۔ اپنے جائزے لیں کہ کیا آپ لوگ ایک گھنٹہ تہجد پڑھتے ہیں؟ کیا آپ لوگ رات کو اٹھ کے ایک گھنٹہ نفل میں اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے آسانیاں پیدا کرے اور جماعت کی ترقی کے سامان پیدا فرمائے؟

پھر قرآن کریم پہ تدبر اور غور کرنے کی عادت ڈالیں۔ صرف چند ایک بنے بنائے مضمون ہیں، ان کو پڑھنے سے آپ کو کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اپنے علم کو بڑھائیں اور وسیع تر کرنے کی کوشش کریں۔

یہی چیز ہے جو آپ کیلئے آگے ان شاء اللہ کام بھی آئے گی اور آپ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرے علماء سے بحث کرنے کے بھی قابل ہوں گے اور عوام الناس کو بھی بتانے کے قابل ہوں گے۔

ظاہری فقہ اور حدیث اور قرآن کی بعض تفسیریں تو بعض غیر احمدی علماء نے آپ سے زیادہ پڑھی ہوں گی اور وہ پڑھ کے اس کو بیان بھی کرسکتے ہیں لیکن آپ نے وہ حقیقت بیان کرنی ہے جو اس زمانہ کے حکم اور عدل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں بتائیں اور سمجھائیں ہیں۔ اور وہی فقہ ہے جو ہم نے جاری کرنا ہے۔ وہی قرآن کریم کی تفسیر ہے، وہی حدیث کی تشریح ہے جو ہم نے دنیا کو بتانی ہے۔ اور اس کیلئے آپ کو محنت کرنی پڑے گی، اپنے علم میں اضافہ کرنا پڑے گا اور پھر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی ہوگی۔ اپنے علم میں اضافہ کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ اپنی روحانی ترقی کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ اور اس ملک میں جماعت احمدیہ کے پیغام کو پہنچانے کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ اور مخالفت کے دُور ہونے کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ اپنے ملک کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ تو بہت ساری دعائیں ہیں جو انسان نے کرنی ہوتی ہیں، وہ آپ کریں۔ ایک جوش اور جذبے اور تڑپ سے یہ دعائیں کریں گے تو پھر دیکھیں کہ کس طرح ایک انقلاب آپ بنگلہ دیش میں لے آتے ہیں۔ اور پھر جب آپ پہ تھوڑی بہت سختیاں بھی آئیں گی تو پھر اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ان لوگوں نے سختیاں برداشت کیں ہیں اب ان کی دلجوئی بھی کرو۔ تب یہ دلجوئی ہوگی۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک اور مربی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ میرے علاقہ میں لوگ خود کو مسلمان تو کہتے ہیں لیکن اسلام کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان لوگوں کو کس طرح تبلیغ کی جائے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کا درج ذیل الفاظ میں جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جواب:۔ ان کو بتائیں کہ تم لوگ مسلمان ہو۔ قطع نظر اس کے کہ تم جماعت احمدیہ کے پیغام کو قبول کرتے ہو یا نہیں کرتے لیکن تم اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہو تو اللہ اور رسول کا یہ حکم ہے کہ جو قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے وہ تمہیں پڑھنا آنا چاہیئے۔ تمہیں پانچ وقت نماز پڑھنی آنی چاہیئے۔

ارکان اسلام ہیں ان پہ یقین ہونا چاہیئے اور ان پہ عمل بھی ہونا چاہیئے۔ تو ان کو آپ سمجھائیں کہ دیکھو! تم مسلمان کہلاتے ہو تو اللہ کے رسول پہ تمہارا ایمان کامل اس وقت ہوتا ہے جب تم اس کی سنت پہ عمل کرو۔ پھر جو شریعت اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صورت میں اتاری ہے تم اسے پڑھنا سیکھو۔ اور اگر تمہیں ضرورت ہے کہ تمہیں قرآن کریم پڑھنا نہیں آتا اور تم نے سیکھنا ہے تو ہم تمہیں قرآن کریم پڑھانے کیلئے حاضر ہیں۔ اور پھر اللہ اور رسول کی باتیں انہیں بتائیں۔ قرآن کریم انہیں پڑھائیں۔ اور انہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تم احمدی ہو جاؤ کہ نہ ہو۔ جب وہ اس طرح اسلام کی تعلیم کے بارہ میں جانیں گے تو پھر وہ خود اگلا قدم اٹھائیں گے۔ وہ آپ سے پوچھیں گے کہ اچھا بھئی! ہمارے مولوی تو ہمیں کچھ نہیں پڑھاتے تھے۔ تم لوگ ہمیں یہ پڑھا رہے ہو۔ تم کون ہو؟ پھر آگے بات چلتی ہے۔ پھر تبلیغ کے رستے بھی کھل جائیں گے۔ دوسرا یہ کہ ان کیلئے دعا بھی کریں۔ مسلم امہ کیلئے دعا بھی کریں۔ یہی تو زمانہ تھا جس زمانہ میں اسلام کا صرف نام ہونا تھا۔

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
فقط رہ گیا اسلام کا نام باقی

تبھی تو مسیح موعود علیہ السلام نے آنا تھا۔ تبھی تو اس مہدی اور مسیح نے آنا تھا جس نے لوگوں کو دوبارہ پھر خدا تعالیٰ کے قریب کرنا تھا۔ اور ان کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ دلانی تھی۔ تو یہ چیزیں لوگ بھول گئے ہیں۔ تبھی تو مسیح موعودؑ آئے تھے۔ اور یہی مسیح موعودؑ کا زمانہ تھا۔ یہی مسیح موعودؑ کا کام ہے۔ یہی مسیح موعودؑ کے ماننے والوں کا کام ہے۔ اور یہی ان لوگوں کا کام ہے جنہوں نے تفقہ فی الدین کر کے اپنے آپ کو دین کی خدمت کیلئے، وقف کرنے کیلئے، تبلیغ کرنے کیلئے، تربیت کرنے کیلئے پیش کیا ہے۔ وہ آپ لوگ ہیں۔ پس یہ باتیں پہنچائیں اور پیغام پہنچائیں۔ ان کو سمجھائیں کہ اصل دین کیا ہے۔ تو یہ تو آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کے عین مطابق مسیح موعودؑ کے آنے کے زمانہ کی علامت ہے کہ لوگ نام کے مسلمان ہیں اور اسلام کو بالکل بھول چکے ہیں۔ ان کو کچھ پتہ ہی نہیں۔ صرف لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تو کہہ دیتے ہیں لیکن پتہ نہیں کہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا مطلب کیا ہے؟ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ تو کہہ دیتے ہیں لیکن یہ پتہ نہیں کہ

محمد رسول اللہ کا اسوہ کیا ہے؟ تو ہم نے یہ چیزیں لوگوں کو بتانی ہیں۔ اس کیلئے کوشش کرنی ہوگی۔ ان کو بتانا ہوگا۔ پہلے ان کو اسلام کے بارہ میں بتائیں۔ پھر احمدیت کے بارہ میں خود بخود ان کو پتہ لگ جائے گا۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کی اور اللہ کے رسول کی بات پوری ہو رہی ہے کہ ان کو دین کا نہیں پتہ اور اسلام کا صرف نام رہ گیا ہے۔ ٹائٹل رہ گیا ہے۔ اور جو مولوی کہتا ہے اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ توڑ پھوڑ کر دو۔ احمدیوں کا سر پھاڑ دو۔ احمدیوں کی ٹانگیں توڑ دو۔ احمدیوں کو قتل کر دو۔ احمدیوں کو شہید کر دو۔ احمدیوں کی مسجدیں گرا دو۔ احمدیوں کی جائیدادوں کو نقصان پہنچا دو۔ بس یہی باتیں رہ گئیں ہیں ناں ان کے پاس! اور کیا رہ گیا ہے؟ اسی چیز سے ہم نے ان کو پیار اور محبت سے سمجھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ پیار سے، محبت سے کام کرو گے تو یہ تمہارے بہترین دوست بن جائیں گے۔ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ فرمایا ہے۔ کہ تمہارے گہرے دوست بن جائیں گے، جگری یار بن جائیں گے۔

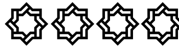
سوال:۔ ایک اور مربی صاحب نے اس ملاقات میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضور کو اسیر راہ مولیٰ ہونے کا موقعہ ملا ہے۔ اس اسیری کے متعلق اگر حضور کچھ فرمائیں تو نوازش ہوگی؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کے جواب میں فرمایا:

جواب:۔ کیا فرماؤں؟ مجھے تو اسیر راہ مولیٰ کے طور پر پتہ ہی نہیں لگا کہ میری اسیری کے دن کس طرح گزر گئے؟ اللہ کے فضلوں کو ہی دیکھتا رہا۔ گرمی کے دن تھے، اللہ تعالیٰ گرمی کو ٹھنڈ میں بدل دیتا تھا۔ بڑے آرام سے جیل میں بیٹھے رہتے تھے۔ اور سلاخوں کے پیچھے رہتے تھے۔ کوئی فکر و فاقہ نہیں تھا۔ دل میں یہ خیال تھا کہ جو دفع مجھ پہ لگی ہوئی ہے اس کی سزا یا عمر قید ہے یا پھانسی ہے۔ ان دونوں میں سے کچھ تو مجھے ملنا ہے۔ اس لئے میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ہی مانگو اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرو۔ باقی جماعت کی خاطر اگر سزا ملنی ہے تو یہ تو بڑی برکت کی بات ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دسویں، گیارھویں، بارھویں دن مجھے جیل سے باہر نکال دیا۔ تو اس سے زیادہ میں کیا کہوں۔ میں نے کوئی بڑا تیر مارا؟ میں نے تو وہاں کچھ بھی نہیں کیا۔

سوال:۔ مؤرخہ 08نومبر2020ء کی اسی ملاقات کے آخر پر محترم امیر صاحب بنگلہ دیش نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ اس زمانہ میں خداتعالیٰ کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے حضور بنگلہ دیش کیلئے کوئی ایسی دعا کر دیں جس سے ہماری کایاپلٹ جائے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

جواب:۔ ساری دنیا کیلئے کیوں نہ کروں؟ صرف بنگلہ دیش کیلئے کیوں کروں؟ مجھے محدود کیوں کر رہے ہیں؟ میں تو ساری دنیا کیلئے دعا کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک وقت رکھا ہوتا ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ کایا بھی پلٹ جائے گی۔ آنحضرت ﷺ کو کسی نے کہا کہ میرے لئے دعا کریں کہ میرا فلاں کام ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا میں دعا کروں گا۔ پھر آپ ﷺ نے اسے واپس بلایا اور اسے فرمایا کہ تم بھی دعا کرو اور اپنی دعاؤں سے میری دعا کی مدد کرو۔ تو یہ آپ لوگوں کا بھی کام ہے کہ جس طرح میں نے ابھی کہا ہے کہ راتوں کو اٹھیں۔ ہر مربی اور معلم جو ہے وہ لازمی قرار دے کہ اس نے تہجد پڑھنی ہے اور بے نفس ہو کے کام کرنا ہے۔ خدا تعالیٰ کا حق بھی ادا کرنا ہے اور اس کے بندوں کے حق بھی ادا کرنے ہیں۔ اپنی خدمت دین کو اک فضل الٰہی سمجھنا ہے اور اس کیلئے کسی Reward کی اور کسی تعریف کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ اگر اس طرح کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضلوں کی بے شمار بارش برسائے گا اور بڑی جلدی برسائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ آپ دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق عطاء فرمائے اور آپ لوگوں کو اپنے اپنے میدان میں کامیاب فرمائے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 16 فروری 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات
قسط نمبر 8

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ خاکسار کی ملاقات مؤرخہ 13 دسمبر 2020ء میں آنحضور ﷺ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مختلف روایات پر غور وخوض فرمانے اور اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات ملاحظہ فرمانے کے بعد اس مسئلہ پر راہنمائی فرماتے ہوئے درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضورانور نے فرمایا:۔

جواب:۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کے عمر کے بارہ میں تاریخ وسیرت اور تفسیر وحدیث کی کتب میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے ساتھ نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر 6 سال سے لیکر 16 سال اور رخصتی کے وقت 9 سال سے 19 سال تک لکھی گئی ہے۔

اگرچہ صحاح ستہ کی روایات جن میں صحیح بخاری کی روایات بھی شامل ہیں، میں حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ سال اور شادی کے وقت نو سال بیان ہوئی ہے۔ لیکن اگر ان روایات کو درایت و روایت کے اصولوں پر پرکھا جائے تو حضرت عائشہؓ کی عمر کے بارہ میں مروی یہ روایات ثقاہت کے معیار سے نیچی ٹھہرتی ہیں۔

اس حوالہ سے صحاح ستہ میں بیان 21 روایات میں سے 14 روایات ہشام بن عروہ سے مروی ہیں اور باقی روایات ابو عبیدہ، ابو سلمہ اور اسود سے مروی ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ تاریخ وسیرت کے اس نہایت مشہور اور اہم واقعہ کو کسی جلیل القدر صحابی نے بیان نہیں کیا۔

حضرت عائشہؓ کی کم عمری میں شادی سے متعلق روایت پہلی بار 185 ہجری میں منظر عام پر آئی جبکہ اس مضمون کی اکثر روایات کے راوی ہشام اور عروہ کو وفات پائے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ مزید یہ کہ

ہشام اور عروہ جن کی زندگی کا زیادہ عرصہ مدینہ میں گزرا، اور مدینہ کے نامور محدث، امام مالکؒ ان (ہشام بن عروہ) کے ایک مایہ ناز شاگرد تھے، اس کے باوجود آپ کی تالیف کردہ کتاب موطا امام مالک میں اس روایت کا کوئی ذکر نہیں۔ اپنی عمر کے آخری حصہ میں ہشام بن عروہ جبکہ نابینا ہو چکے تھے، حافظہ کمزور ہو گیا تھا، (جرح و تعدیل کے ماہرین کے مطابق) انہیں وہم اور نسیان کے امراض لاحق ہو چکے تھے اس وقت جب وہ کوفہ چلے گئے تو وہاں انہوں نے پہلی مرتبہ یہ روایت بیان کی اور جس شخص سے روایت بیان کی اس نے بھی ان کی وفات کے بعد قریباً چالیس سال کا مزید انتظار کیا اور پھر اس روایت کو بیان کیا تا کہ کسی قسم کی تائید و تردید کا سوال ہی نہ اٹھ سکے۔

پس مدینہ میں رہتے ہوئے ہشام کا یہ روایت بیان نہ کرنا اور ان کی وفات کے کئی سال بعد تالیف ہونے والی کتاب میں اس کا بیان اس روایت کے بارہ میں شکوک و شبہات پیدا کرتا ہے۔ یہ امکان ہے کہ خاندان اہلبیت اور خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہؓ کے کردار کو نشانہ بنانے کی خاطر یہ روایت گھڑی گئی ہو۔ تا کہ ثابت کیا جا سکے کہ وہ زوجہ مطہرہ جس کے بارہ میں حضور ﷺ کا فرمان تھا کہ اس سے دین سیکھو، اس کی حضور ﷺ سے کم عمری میں شادی جبکہ وہ ابھی سہیلیوں اور گڑیوں سے کھیلتی تھی نیز ابھی وہ اپنے بچپن میں ہی تھی کہ حضور ﷺ کی وفات ہو گئی، اس سے کیا دین سیکھا جا سکتا ہے؟

پھر صحیح بخاری جس میں یہ روایات بیان ہوئی ہیں، خود اس کے اندر حضرت عائشہؓ کے نکاح کے بارہ میں روایات میں تضاد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین سال بعد حضور ﷺ نے مجھ سے شادی کی۔ جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ حضور ﷺ کے مدینہ جانے سے تین سال پہلے فوت ہوئیں۔ پھر حضور ﷺ دو برس یا اس کے قریب قریب ٹھہرے اور پھر حضرت عائشہ سے نکاح کیا۔

پس باوجود اس کے کہ احادیث جمع کرنے والوں نے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کام کو سر انجام دیا ہے لیکن پھر بھی اس میں غلطی اور ظن کا پہلو بہر حال موجود ہے کیونکہ یہ کام حضور ﷺ کی وفات کے قریباً ڈیڑھ دو سو سال بعد شروع ہوا جبکہ مسلمانوں کے کئی فرقے بن چکے تھے اور کئی قسم کے

اختلافات ان میں پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ کے حکم وعدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیگر معاملات کی اصلاح کی طرح اس مسئلہ کا بھی نہایت احسن انداز میں حل فرمایا۔ حضور فرماتے ہیں:۔

”گو ہم نظر تہذیب سے احادیث کو دیکھتے ہیں لیکن جو حدیث قرآن کریم کے بر خلاف، آنحضرت ﷺ کی عصمت کے بر خلاف ہو اس کو ہم کب مان سکتے ہیں۔ اُس وقت احادیث جمع کرنے کا وقت تھا۔ گو انہوں نے سوچ سمجھ کر احادیث کو درج کیا تھا مگر پوری احتیاط سے کام نہیں لے سکے۔ وہ جمع کرنے کا وقت تھا لیکن اب نظر اور غور کرنے کا وقت ہے۔“

(ملفوظات جلد 9 صفحہ 471،472 ایڈیشن 1984ء)

حضرت عائشہؓ کی عمر کے مسئلہ کا جب ہم ایک دوسرے زاویہ سے جائزہ لیتے ہیں تو تاریخ و سیرت کی کتب میں ہمیں یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی چاروں اولاد (حضرت عبداللہ، حضرت اسماء، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہ) حضور ﷺ کی بعثت سے قبل پیدا ہو چکے تھے اور سیرت نگاروں کی مرتب کردہ ابتدائی مسلمانوں کی فہرست میں حضرت عائشہ کا نام بھی شامل ہے، اگر حضرت عائشہ کی پیدائش نبوت کے پانچویں سال میں ہوئی تھی تو آپ کا نام ابتدائی مسلمانوں کی فہرست میں کیسے شامل ہو گیا؟

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت اسماء حضرت عائشہ سے دس سال بڑی تھیں اور ہجرت کے وقت حضرت اسماء کی عمر 27 سال تھی۔ اس حساب سے بھی حضرت عائشہؓ کا سن پیدائش 4 قبل نبوت بنتا ہے اور اگر آپ کا نکاح ہجرت سے تین سال قبل ہوا تھا تو اس وقت آپ کی عمر 14 سال بنتی ہے۔

غزوہ احد جو کہ 2 ہجری میں ہوئی اس کے بارہ میں صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ اور حضرت ام سلیمؓ پانی کی مشکیں اپنی پیٹھوں پر لاد کر لاتیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔ اگر حضرت عائشہؓ کی عمر اتنی ہی چھوٹی تھی کہ وہ ایک کم سن بچی تھیں تو وہ اپنی پیٹھ پر پانی سے بھری مشکیں لاد کر کس طرح دوڑ، دوڑ کر میدان جنگ میں زخمیوں کو پانی پلانے کی ڈیوٹی سر انجام دے سکتی ہیں۔ پس اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ 2 ہجری میں آپ کی عمر اتنی بہر حال تھی کہ آپ میدان جنگ میں اس قسم کا بھاری کام کر سکتی تھیں۔

تاریخ کی کتب میں یہ حقیقت بھی موجود ہے کہ حضرت عائشہؓ کی آنحضور ﷺ سے شادی سے پہلے جبیر بن مطعم سے منگنی ہوئی تھی۔ اس وقت میں آپ کی منگنی کا ہونا بتاتا ہے کہ آپ کی عمر چھ سال نہیں تھی، خصوصاً اس لئے بھی کہ جب حضور ﷺ کی طرف سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضرت عائشہ کیلئے رشتہ کا پیغام ملا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جبیر بن مطعم سے حضرت عائشہؓ کی رخصتی لینے کے بارہ میں دریافت کیا۔ اس طرف سے انکار پر وہ رشتہ ختم ہو گیا اور پھر حضور ﷺ سے حضرت عائشہؓ کا نکاح عمل میں آیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جبیر بن مطعم سے رخصتی کا کہنا ثابت کرتا ہے کہ حضرت عائشہ کی عمر اس وقت چھ سال ہرگز نہیں تھی بلکہ آپ اس وقت بھی شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے محققانہ انداز کے مطابق حضرت عائشہؓ کی عمر کے بارہ میں مروی روایات کا بنظر غور جائزہ لینے کے بعد جو نتیجہ نکالا ہے اس کے مطابق آپ نے شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر تیرہ چودہ سال قرار دی ہے اور یہی درست عمر ہے۔ اس لحاظ سے آنحضور ﷺ کی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر اکیس بائیس سال بنتی ہے جو دینی علم کے حصول کی تکمیل اور آگے لوگوں کو تعلیم دینے کی بہترین عمر بنتی ہے۔

اس زمانہ کے حکم و عدل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت عائشہ کی آنحضور ﷺ کے ساتھ شادی کے وقت آپ کی نو برس عمر کے متعلق روایات کو کلیۃً ردّ فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک معاند اسلام پادری فتح مسیح کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”آپ نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کر کے نو برس کی رسم شادی کا ذکر لکھا ہے۔ اول تو نو برس کا ذکر آنحضرت ﷺ کی زبان سے ثابت نہیں اور نہ اس میں کوئی وحی ہوئی اور نہ اخبار متواترہ سے ثابت ہوا کہ ضرور نو برس ہی تھے۔ صرف ایک راوی سے منقول ہے۔“

(نور القرآن نمبر2، روحانی خزائن جلد9 صفحہ 377)

اسی طرح ایک اور جگہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”حضرت عائشہؓ کا نو سالہ ہونا تو صرف بے سروپا اقوال میں آیا ہے۔ کسی حدیث یا قرآن سے ثابت نہیں۔“

(آریہ دھرم، روحانی خزائن جلد10 صفحہ 64)

پس خلاصہ کلام یہ کہ ایسی تمام روایات جن میں شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو سال بیان ہوئی ہے محل نظر ہیں۔ ان روایات میں یا تو راویوں کو سہو ہوا ہے یا بعد میں آنے والے راویوں نے اپنی طرف سے ان میں اضافہ کر دیا ہے۔ تاریخ و سیرت کی کتب پر غور کرنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی شادی کے وقت ایک معقول عمر تھی، جس عمر میں قریش عموماً اپنی بچیوں کی شادیاں کیا کرتے تھے۔ یہ شادی اس وقت عرب کے ماحول میں نہ تو کوئی خاص قابل ذکر استثناء لئے ہوئے تھی اور نہ ہی ایسی قابل اعتراض کیفیت اس میں تھی کہ منافقین و کفار اس پر اعتراض یا طعن و تشنیع یا حیرت و استعجاب کی انگلی اٹھاتے۔

سوال:۔ اسی طرح ایک اور مسئلہ کہ "اگر امام کسی مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو کس طرح نماز پڑھنی چاہیئے؟" کے بارہ میں بھی حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ احادیث میں اس بارہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ حضور ﷺ کے اسوہ کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ سے مروی احادیث میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ اپنے اوائل زمانہ میں ایک مرتبہ گھوڑے سے گر گئے اور حضور ﷺ نے نماز بیٹھ کر پڑھائی، صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو آپ ﷺ نے انہیں اشارہ سے بیٹھ جانے کا ارشاد فرمایا اور نماز کے بعد انہیں فرمایا کہ امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے پس جس طرح وہ نماز پڑھے اسی طرح تم نماز پڑھو۔

لیکن حضور ﷺ کی آخری بیماری میں جس میں آپ کا وصال ہوا، آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو نماز کی امامت کا ارشاد فرمایا اور پھر جب حضور ﷺ کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تو آپ نماز کیلئے تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس وقت حضرت ابو بکرؓ اس نماز میں حضور ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابو بکرؓ کی اقتداء کر رہے تھے۔

دراصل لوگ بھی حضور ﷺ کی ہی اقتداء کر رہے تھے۔ لیکن علالت کی وجہ سے حضور ﷺ چونکہ بلند آواز میں تکبیر وغیرہ نہیں کہہ پا رہے تھے، اس لئے حضرت ابو بکرؓ مکبر کے طور پر حضور ﷺ کی آواز آگے لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔

یہاں یہ بات بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضور ﷺ کا حضرت ابو بکرؓ کے بائیں طرف بیٹھنا بتاتا ہے کہ حضور ﷺ اس نماز میں امام تھے، کیونکہ امام بائیں طرف ہوتا ہے اور مقتدی دائیں طرف۔ چنانچہ اس بارہ میں بھی ہمیں حضور ﷺ کی سنت ملتی ہے کہ ایک موقعہ پر جب کہ حضور ﷺ تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے تو حضرت ابن عباسؓ بعد میں نماز میں شامل ہو کر آپ ﷺ کی بائیں طرف کھڑے ہو گئے تو حضور ﷺ نے انہیں سر سے پکڑ کر اپنی دائیں طرف کر لیا۔

حضرت امام بخاری نے اپنے استاد حمیدی کا اس بارہ میں قول درج کیا ہے کہ حضور ﷺ کا پہلا ارشاد یہی تھا کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں۔ لیکن بعد میں حضور ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور آپ کی اقتداء میں صحابہ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور آپ نے انہیں بیٹھنے کا ارشاد نہیں فرمایا۔ اور چونکہ حضور ﷺ کے آخری فعل سے سند لی جاتی ہے اور حضور ﷺ کا آخری فعل یہی ہے کہ اگر امام اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس بارہ میں فرماتے ہیں:۔

”چونکہ مجھے نقرس کا دورہ ہے۔ اس لئے میں خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر نہیں پڑھا سکتا۔ اسی طرح نماز بھی کھڑے ہو کر نہیں پڑھا سکتا۔ رسول کریم ﷺ کا ابتداء میں یہ حکم تھا کہ جب امام کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھا سکے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کریں لیکن بعد میں خدا تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت آپ نے اس حکم کو بدل دیا اور فرمایا کہ اگر امام کسی معذوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی نہ بیٹھیں بلکہ وہ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کریں۔ پس چونکہ میں کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکتا اس لئے میں بیٹھ کر نماز پڑھاؤں گا اور دوست کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔“

(روزنامہ الفضل لاہور 03 جولائی 1951ء صفحہ 3)

پس اگر امام اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔

سوال:۔ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے صحیح بخاری کی شرح میں عورتوں کے بھی مردوں کی طرح نماز باجماعت کیلئے مسجد میں آنے کو فرض قرار دیا ہے۔ حضور بھی خواتین کو اس طرف توجہ دلائیں۔ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 26 نومبر 2018ء میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے اپنی اس شرح میں سورۃ الاحزاب کی آیت وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ سے عورتوں کیلئے مسجد میں آکر نماز باجماعت ادا کرنے کا جو استدلال کیا ہے وہ ان کی ذوقی تشریح ہے جو اسلام کے چودہ سو سالہ تعامل، احادیث نبویہ ﷺ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے احمدیت کی تشریحات کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے قیام نماز کی مختلف تشریحات بیان فرمائی ہیں جن میں مسجد میں پانچ وقت حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا کرنا بھی شامل ہے لیکن یہ تشریح صرف مردوں کیلئے ہے۔ عورتوں کیلئے قیام نماز کا مطلب اپنے گھروں میں وقت مقررہ پر پانچ نمازوں کو کامل شرائط کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ لیکن اگر کوئی خاتون مسجد میں آکر ان نمازوں کی ادائیگی کرنا چاہے تو اسلام نے اسے منع بھی نہیں کیا جیسا کہ عہد نبوی ﷺ میں خواتین مساجد میں آکر نمازیں ادا کیا کرتی تھیں۔ لیکن حضور ﷺ نے خواتین کیلئے زیادہ یہی پسند فرمایا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ان نمازوں کی ادائیگی کریں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا

(سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ)

یعنی عورت کی نماز اپنے کمرہ میں اپنے گھر سے بہتر ہے اور اپنی کوٹھڑی میں اس کی نماز اپنے کمرہ میں نماز سے بہتر ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے:۔

لَوْ أَدْرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ

(صحیح بخاری کتاب الاذان)

یعنی اگر نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ صورتحال ہوتی جو عورتوں نے اب نئی پیدا کرلی ہے تو آپؐ ان کو مسجد آنے سے ضرور روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔

پس احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کیلئے گھروں میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر اور افضل ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ گھروں میں بھی صحن یا کھلی جگہ جہاں پر لوگوں کا آنا جانا رہتا ہے وہاں وہ نماز نہ پڑھے۔ گویا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے حجرے میں نماز پڑھے۔ کجا یہ کہ اسے یہ کہا جائے کہ مسجد میں جاکے نماز پڑھو۔ اس لئے عورت کیلئے گھر میں نماز پڑھنا بہر حال بہتر ہے اور اس کیلئے مسجد میں جانا ضروری نہیں ہے۔

اُس زمانہ میں چونکہ عورتیں مردوں کے پیچھے نماز پڑھتی تھیں۔ مرد آگے ہوتے تھے۔ اور ان کیلئے آجکل کی طرح باقاعدہ کوئی Enclosure تو ہوتا نہیں تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ مرد آتے جاتے عورتوں کو دیکھ لیتے ہوں تو اس وجہ سے بھی انہیں گھروں میں نماز پڑھنے کی تلقین کی گئی۔ اس صورت میں ایسی احادیث اگرچہ اُس زمانہ کے لحاظ سے تھیں لیکن آجکل بھی عورتوں کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ مسجدوں میں جانے کی بجائے اپنے گھروں میں نماز پڑھیں۔ کیونکہ پہلے بیان کردہ دو احادیث واضح طور پر اس کی تائید کرتی ہیں کہ عورتیں گھروں میں نماز پڑھیں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 13 مارچ 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات
قسط نمبر9

سوال:۔ خلع حاصل کرنے والی عورت کی عدت کے بارہ میں مجلس افتاء کی سفارشات حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں پیش ہونے پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس مسئلہ کے فقہی پہلو کی بابت اپنے مکتوب مؤرخہ 21 نومبر 2017ء میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ جہاں تک اس معاملہ کا فقہی پہلو ہے تو میرے نزدیک بھی طلاق اور خلع کی عدت مختلف ہے۔ اس بارہ میں مجلس افتاء کی رپورٹ میں بیان دلائل کے علاوہ یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ جس طرح طلاق اور خلع کی تفصیلات میں فرق ہے، اسی طرح ان کے احکامات میں بھی فرق ہے۔ طلاق کا حق اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے اور جب مرد اپنا یہ حق استعمال کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی طلاق کی عدت کا عرصہ شروع ہو جاتا ہے، جبکہ خلع عورت کا حق ہے جو وہ قضاء کی معرفت استعمال کرتی ہے اور جب تک قضاء کا فیصلہ نہ ہو جائے اس کی عدت کا عرصہ شروع نہیں ہوتا اور قضاء کی کارروائی جس میں عورت کی طرف سے درخواست دینا، حکمین کی کارروائی، فریقین کی سماعت اور فیصلہ وغیرہ وہ امور ہیں جن پر عموماً دو تین ماہ لگ جاتے ہیں۔ پس خلع کی عدت کے کم رکھنے میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ خلع کے بعد عورت کو صرف اسی قدر پابند کیا گیا ہے جس سے اس کا حمل سے خالی ہونا ثابت ہو جائے۔

بعد ازاں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجلس افتاء کی رپورٹ سے متعلقہ مذکورہ بالا جواب کے علاوہ طلاق اور خلع کی عدت کے فرق پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے نیز بیوہ کی عدت کے بارہ میں فرمایا:۔

طلاق کی عدت کے بارہ میں تفصیلی احکامات تو قرآن کریم میں مذکور ہیں کہ عام حالات میں عدت تین حیض ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرة:229) یعنی مطلّقہ عورتوں کو تین حیض کی مدت تک اپنے آپ کو روکے رکھنا ہوگا۔ اور جن خواتین کو حیض نہیں آتا ان کے

بارہ میں فرمایاوَاللَّائِی یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیضِ مِنْ نِسَائِکُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍوَاللَّائِی لَمْ یَحِضْنَ (سورۃ الطلاق:5) کہ تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور اسی طرح ان کی بھی جن کو حیض نہیں آرہا۔ اور جو عورتیں حاملہ ہیں ان کی عدت کے متعلق فرمایاوَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (سورۃ الطلاق:5) یعنی جن عورتوں کو حمل ہو ان کی عدت وضع حمل تک ہے۔

جبکہ خلع کی عدت کی نص احادیث نبوی ﷺ پر مبنی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے اپنے شوہر سے خلع لیا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک حیض عدّت گزارنے کا حکم دیا۔

(سنن ترمذی کتاب الطلاق باماجاء فی الخلع)

پس قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ کی مذکورہ بالا نصوص سے بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ طلاق اور خلع کی الگ الگ عدت ہے اور اس کی حکمتیں اور وجوہات بھی ہیں جو اوپر بیان کر دی گئی ہیں۔

جہاں تک بیوہ کی عدت کا تعلق ہے تو اس بارہ میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَالَّذِینَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُونَ أَزْوَاجًا یَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیمَا فَعَلْنَ فِی أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِیرٌ(البقرہ:235) یعنی اور تم میں سے جن (لوگوں) کی روح قبض کر لی جاتی ہے اور وہ (اپنے پیچھے) بیویاں چھوڑ جاتے ہیں (چاہیے کہ) وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے) اور) دس (دن) تک روک رکھیں پھر جب وہ اپنا مقرر وقت پورا کر لیں وہ اپنے متعلق مناسب طور پر جو کچھ (بھی) کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔

بیوہ کے حاملہ ہونے کی صورت میں اس کی عدت کے بارہ میں صحابہ کے زمانہ سے ہی اختلاف چلا آرہاہے۔ چنانچہ بعض صحابہ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (سورۃ الطلاق:5) کی روشنی میں یہ رائے رکھتے تھے کہ بیوہ کے حاملہ ہونے کے صورت میں اس کی عدت بھی وضع حمل ہی ہے خواہ وضع حمل خاوند کی وفات سے اگلے لمحہ میں ہو جائے جس کیلئے وہ حضرت سبیعہ اسلمیؓ والے واقعہ سے دلیل لیتے

ہیں۔(جس میں آتا ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیؓ حضرت سعد بن خولہؓ کے نکاح میں تھیں جو حجۃ الوداع کے موقعہ پر فوت ہو گئے جبکہ سبیعہؓ حاملہ تھیں۔ تھوڑے دنوں بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ جب وہ اپنے نفاس کے بعد اچھی ہو گئیں تو انہوں نے شادی کا پیغام بھیجنے والوں کیلئے زیب و زینت کی۔ قبیلہ عبد الدار کے ایک شخص ابو سنابل بن بعلکؓ نے ان سے کہا کہ کیا تم نکاح کا پیغام بھیجنے والوں کیلئے زیب و زینت کر کے بیٹھ گئی ہو اور نکاح کی امید کر رہی ہو؟ بخدا تم ہر گز نکاح نہیں کر سکتی جب تک کہ تم پر چار ماہ اور دس دن نہ گزر جائیں۔ حضرت سبیعہؓ کہتی ہیں کہ اس پر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپؐ سے اس بارہ میں پوچھا تو آپ نے مجھے فتویٰ دیا کہ جب بچہ پیدا ہو گیا تو میں آزاد ہوں اور اگر میں مناسب سمجھوں تو نکاح کر لوں)۔ جبکہ بعض دوسرے صحابہ جن میں حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضوان اللہ علیھم شامل ہیں کی رائے میں بیوہ کے حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو لمبی مدت ہو گی وہ بیوہ کی عدت ہے۔

حاملہ بیوہ کی عدت وضع حمل ہونے کے قائلین کے پاس حضرت سبیعہ اسلمیؓ کے اس واقعہ کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں ہے، قطع نظر اس کے کہ کتب احادیث میں اس واقعہ کے راویوں، حضرت سبیعہ اسلمیؓ کے خاوند کے نام، خاوند کے وقت وفات اور طریق وفات (طبعی موت اور قتل) کے بارہ میں نیز حضرت سبیعہ اسلمیؓ کے ہاں بچہ کی ولادت کے عرصہ کے بارہ میں بے شمار اختلافات پائے جاتے ہیں۔ جن سے اس واقعہ کا ثقہ ہونا محل نظر ٹھہرتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضور ﷺ اور خلافت راشدہ کے زمانہ میں ہونے والی اسلامی جنگوں میں ہر عمر کے سینکڑوں صحابہ نے جام شہادت نوش فرمایا اور یقیناً ان میں سے کئی صحابہ ایسے بھی ہوں گے جن کی بیویاں ان کی شہادت کے وقت حاملہ ہوں گی لیکن ایسی کسی بیوہ کے وضع حمل کے فوراً بعد اس کے نکاح کا کوئی ایک بھی واقعہ تاریخ و سیرت کی کتب میں نہ ملنا اس موقف کو مبہم اور مشتبہ ٹھہراتا ہے۔ پس اس ایک واقعہ کی بناء پر قرآن کریم میں بیان چار ماہ دس دن کی عدت والے واضح موقف کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

علاوہ ازیں حدیث میں حضور ﷺ نے کسی کی وفات پر سوگ کے بارہ میں عمومی ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کسی کی وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت نہیں سوائے بیوہ کو کہ وہ اپنے خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب إِحْدَادِ الْمَرْأَةِ عَلَى غَيْرِ زَوْجِهَا)

اس حدیث میں بھی حضور ﷺ نے حاملہ عورت کیلئے کوئی استثناء نہیں فرمایا کہ وہ وضع حمل تک سوگ کرے گی۔

اسی طرح قرآن کریم میں جہاں وضع حمل کے ساتھ عدت ختم کرنے کا ارشاد ہے وہاں صرف طلاق کی صورت کو بیان کیا گیا ہے، خاوند کی وفات کا وہاں کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف آریہ دھرم میں آیت وَأُولَاتُ الْاَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ کا جو ترجمہ بیان فرمایا ہے اس میں اس آیت کا طلاق کے ساتھ حصر کر کے ہماری راہنمائی فرمادی کہ قرآن کریم کا یہ حکم طلاق والی عورتوں کیلئے ہے بیوہ کیلئے نہیں ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

وَأُولَاتُ الْاَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

(الجزو نمبر 28)

یعنی حمل والی عورتوں کی طلاق کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل تک بعد طلاق کے دوسرا نکاح کرنے سے دستکش رہیں۔ اس میں یہی حکمت ہے کہ اگر حمل میں ہی نکاح ہو جائے تو ممکن ہے کہ دوسرے کا نطفہ بھی ٹھہر جائے تو اس صورت میں نسب ضائع ہو گی اور یہ پتہ نہیں لگے گا کہ وہ دونوں لڑکے کس کس باپ کے ہیں۔

(آریہ دھرم، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 21)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بھی درس القرآن میں سورۃ الطلاق کی اس آیت کی تفسیر میں وضع حمل کی عدت کو تین ماہ کی عدت (جو کہ طلاق کی صورت میں مقرر ہے نہ کہ بیوگی کی صورت

میں) گزارنے والی عورتوں کے ضمن میں بیان فرمایا ہے نہ کہ چار ماہ دس دن کی عدت گزارنے والی بیوہ عورتوں کے متعلق اس حکم کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ حضورؓ فرماتے ہیں:۔

اور وہ عورتیں جو حیض سے ناامید ہو گئی ہوں (1) بوڑھی ہوں (2) جن کو حیض نہ آتا ہو یعنی سن بلوغت تک نہ پہنچی ہوں (3) وہ جو کہ بیمار ہوں یعنی استحاضہ والی۔ ان کیلئے تین ماہ کی عدت ہے اور حمل والیوں کی عدت ان کے ایام حمل ہی ہیں۔ جب بچہ جن چکیں تو عدت ختم ہو گئی۔ اس پر لوگوں نے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں کہ اگر تین ماہ سے پہلے بچہ پیدا ہو جائے تو کیا عدت ختم ہو جائے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ کم سے کم تین ماہ ہونگے۔ مگر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک واقعہ ہوا تھا کہ ایک عورت کو تین ماہ سے پہلے ہی وضع حمل ہو گیا تھا اور اسے آپ نے دوسری شادی کی اجازت دے دی تھی۔ اس لئے اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہوا ہے۔

(اخبار الفضل قادیان دارالامان مؤرخہ 4 مئی 1914ء صفحہ 14)

پس میرے نزدیک بیوہ ہونے کی صورت میں اگر حمل ہے اور وہ چار مہینے دس دن پورے ہونے کے بعد بھی چل رہا ہے تو وہ اس کی مدت کو پورا کرے گی اور اگر چار مہینے دس دن سے پہلے وضع حمل ہو رہا ہے تو تب بھی وہ چار مہینے دس دن کی مدت ہی پوری کرے گی۔ میرا یہ استنباط اس حدیث کی بناء پر ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ کسی کی وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت نہیں سوائے بیوہ کے جو کہ اپنے خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن کا سوگ کرے گی۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب إِحْدَادِ الْمَرْأَةِ عَلَى غَيْرِ زَوْجِهَا)

یہ حدیث اس بات کو واضح کر دیتی ہے کہ یہاں طلاق والی یا حمل والی شرط لاگو نہیں ہوتی۔ یہاں بیوگی کا جو عرصہ ہے وہ چار مہینے دس دن بیان فرمایا گیا ہے۔ اگر صرف یہ دیکھنا ہوتا کہ اس عرصہ میں حمل ظاہر ہو جائے تو یہاں بھی طلاق والی شرط ہی رکھی جا سکتی تھی لیکن چار مہینے دس دن کی مدت کو معین کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اتنے عرصہ میں حمل بھی ظاہر ہو جاتے ہیں اور اس کے علاوہ جو افسردگی کا عرصہ ہے وہ بھی گزر جاتا ہے۔ اس لئے طلاق کے لئے تو عدت کا عرصہ وضع حمل یا تین مہینے رکھا ہے لیکن بیوگی کی صورت میں چار مہینے دس دن کی شرط بہر حال پوری ہونی چاہئے۔ اس لئے میرے نزدیک بیوگی کی صورت میں عدت کا عرصہ چار مہینے دس دن ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ حاملہ ہے

کہ نہیں۔ اگر حاملہ ہے اور حمل چار مہینے دس دن سے پہلے وضع ہو جاتا ہے تو تب بھی اس کی عدت چار ماہ دس دن ہی ہوگی جو وہ پوری کرے گی۔ اور یہ آنحضور ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق ہے کہ عورت کیلئے جو سوگ ہے وہ چار مہینے دس دن کا ہے۔ اور یہی قرآن کریم کا بھی حکم ہے۔

سوال:۔ ایک دوست نے آنحضور ﷺ کے ارشاد کہ ''بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر انہیں سزا دو'' کے متعلق حضور کی خدمت اقدس راہنمائی کی درخواست کی۔ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 02 فروری 2019ء میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ اسلام کی تعلیم کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اعتدال پر مبنی تعلیم ہے۔ آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی اپنے اندر اسی اعتدال کو سموئے ہوئے ہے کہ عبادت جو کہ ہر انسان کی پیدائش کا اوّلین مقصد ہے، بچپن سے ہی اس پر زور دیا جائے اور بچوں کو اپنے نمونہ کے ساتھ ساتھ نماز پڑھنے کی تلقین کی جائے۔ تین سال کی مسلسل تلقین اور نصائح کے بعد بھی اگر بچہ اس کی پابندی نہ کرے تو اسے ایک وقت تک مناسب سزا دینے کا حکم ہے۔ لیکن یہ سزا ایسی نہیں ہونی چاہیے جس میں سزا دینے والے کی طرف سے اس بچہ کے ساتھ ایک دشمنی کا رنگ ہو یا انسان یہ تصور کرے کہ اس سزا کے نتیجہ میں وہ ضرور اس بچہ کو نماز کا عادی بنا سکتا ہے۔ بلکہ اس سزا میں بھی یہ امر ہی پیش نظر ہونا چاہئیے کہ تربیت محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ہو سکتی ہے، جس کے حصول کا اصل ذریعہ دعا ہی ہے۔ اور جو سزا دینے کی راہ اختیار کی جارہی ہے وہ بھی دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے رسول کے حکم پر اختیار کی جارہی ہے تا کہ بچہ اس سے عبرت پکڑ کر نماز کی طرف راغب ہو جائے۔ پھر جب بچہ Mature ہو جائے اور بارہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ کر اچھے بُرے کی سمجھ اس میں پیدا ہو جائے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کیلئے صرف دعا اور وعظ و نصیحت کے طریق کو اپنانا چاہئے۔

ایسی ہی سزا کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص خود دار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ حق پہنچتا ہے کہ کسی وقت مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے۔''

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ کینیڈا کے اطفال کی Virtual ملاقات مؤرخہ 15 اگست 2020ء میں ایک طفل نے حضور انور کی خدمت اقدس میں استفسار پیش کیا کہ کیا اسلام کی تعلیم کے مطابق ہم خون اور مرنے کے بعد جسمانی اعضاء Donate کر سکتے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ بالکل کر سکتے ہیں، بلکہ مرنے سے پہلے بھی کر سکتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے Kidney Donate کرتے ہیں، بعض اپنے Liver Donate کرتے ہیں۔ لیکن باقی Organs تو ہم مرنے کے بعد Donate کر سکتے ہیں۔ اور یہ اچھی بات ہے۔ جو کوئی کام تم Humanity کو Serve کرنے کیلئے کر رہے ہو تو اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔ اور یہ بڑی اچھی بات ہے۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک طفل نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ کیسے تعلق پیدا کر سکتے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے تمہیں اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ تم میری عبادت کرو۔ مجھے ایک سمجھو۔ میری باتیں مانو۔ میرے نبی جو تمہارے پاس تعلیم لے کے آتے ہیں، اس پہ عمل کرو تو تم میرے قریب آ جاؤ گے۔ تم نے یہاں دنیا میں کسی سے دوستی لگانی ہو تو تم دوست کی بات مانتے ہو ناں؟ اس کی بات مانتے ہو تو تبھی وہ تمہارے ساتھ دوستی کرتا ہے ناں؟ اگر تم اور وہ دونوں دوست ہو اور تمہارا دوست تمہاری بات نہ مانے اور تم اس کی بات نہ مانو تو پھر دوستی نہیں ناں رہے گی؟ بس اللہ تعالیٰ بھی یہی کہتا ہے کہ میرے سے دوستی کرو، تم میری بات مانو اور میں پھر تمہاری باتیں مانوں گا اور اس طرح تعلق پیدا ہو جائے گا۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک اور طفل نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آجکل کرونا وائرس پھیلا ہوا ہے، حضور کیلئے سفر کرنا کب Safe ہو گا اور حضور کب کینیڈا تشریف لائیں

گے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کا درج ذیل الفاظ میں جواب عطاء فرمایا۔

حضورانور نے فرمایا:۔

جواب:۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ کرونا وائرس کب ختم ہو گا۔ تم آپ ہی کہتے ہو کہ کرونا وائرس پھیلا ہوا ہے، سفر نہیں ہو سکتا۔ تو پھر دعا کرو، جب کرونا وائرس ختم ہو جائے گا تو پھر کینیڈا کا سفر بھی ہو جائے گا۔ یہ تو تمہاری دعاؤں پہ Depend کرتا ہے کہ کتنی جلدی تم اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے فضل مانگو گے تو جلدی یہ بیماری دور ہو جائے گی۔ پھر تمہارے ملک کی طرح کئی اور ملک بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ آئیں، پر نہیں جا سکتے۔ اب پتہ نہیں کینیڈا کی باری کب آتی ہے؟ چلو جب کرونا وائرس ختم ہو جائے گا، سفر کی اجازت ہو جائے گی، میں نہ آیا تو تم آ جانا، یہاں آ کے مل لینا۔ ٹھیک ہے۔ ویسے تو تمہاری مسجد وغیرہ دیکھ کے اس وقت مجھے لگ رہا ہے کہ میں کینیڈا میں ہی بیٹھا ہوا ہوں۔ جس طرح ہواؤں کے ذریعہ ہم نے کینیڈا کا نظارہ کر لیا ہے، اس وقت ہم ساری چیزوں کا نظارہ کر رہے ہیں، تو یہی سارے نظارے اس پہلے والے طفل نے جو معراج کے متعلق سوال کیا تھا تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بغیر سیٹلائیٹ کے آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو جنت کا ڈیسٹینٹ ویو دکھا دیا تھا۔ جس طرح میں تمہاری مسجد دیکھ رہا ہوں اور مجھے یاد آ گیا کہ فلاں جگہ بیٹھ کے میں نے تمہارے ایک جرنلسٹ کو انٹرویو بھی دیا تھا۔ مسجد کے پچھلے حصہ میں وہ کونہ بھی مجھے نظر آ رہا ہے کہ کس جگہ تھا۔ تو اسی طرح نظارے دیکھ کے پتہ لگ جاتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ فضل کرے، جب بھی کرونا وائرس ختم ہو گا تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ آئیں گے۔ جتنی زور سے تم لوگ دعائیں کرو گے اتنی جلد اللہ فضل کرے گا۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 16 مارچ 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 10

سوال:۔ عورتوں کے اپنے چہرہ پر پلکنگ اور تھریڈنگ وغیرہ کرنے نیز جسم پر تصاویر گندھوانے کے بارہ میں سوال پیش ہونے پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 02 فروری 2019ء میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ احادیث میں مومن عورتوں کو اپنے جسموں پر مختلف تصاویر گندھوانے، چہرے کے بال نوچنے، خوبصورتی اور جوان نظر آنے کیلئے سامنے کے دانتوں میں خلا پیدا کرنے، مصنوعی بالوں کے لگانے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے وغیرہ امور سے منع فرمایا گیا ہے، اس کی مختلف وجوہات ہیں۔

اگر ان باتوں سے انسان کے جسمانی وضع قطع میں اس طرح کی مصنوعی تبدیلی واقع ہو جائے کہ مرد و عورت کی تمیز جو خدا تعالیٰ نے انسانوں میں رکھی ہے وہ ختم ہو جائے۔ یا اس قسم کے فعل سے شرک جو سب سے بڑا گناہ ہے اس کی طرف میلان پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے منع فرمایا گیا۔ پھر احادیث میں جہاں ان امور سے منع کیا گیا وہاں حضور ﷺ نے یہ بھی انذار فرمایا کہ بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہوئے جب ان کی عورتوں نے اس قسم کے کام شروع کئے۔ پس اس سے استدلال ہو سکتا ہے کہ یہود جن کے ہاں زناکاری پھیل چکی تھی اور فحاشی کے اڈے قائم ہو گئے تھے، اس کام میں ملوث خواتین، مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی خاطر اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتی ہوں، اس لئے رسول خدا ﷺ نے ان کاموں کی شناعت بیان فرما کر مومن عورتوں کو اس سے منع فرمایا۔

علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد اس وقت کے حالات کے پیش نظر وقتی ہو، بالکل اسی طرح جس طرح حضور ﷺ نے ایک علاقہ کے اسلام قبول کرنے والے لوگوں کو اس علاقہ میں شراب بنانے کیلئے استعمال ہونے والے برتنوں کے عام استعمال سے منع فرما دیا تھا۔ لیکن جب ان

لوگوں میں اسلامی تعلیم اچھی طرح رچ بس گئی تو پھر حضور ﷺ نے انہیں ان برتنوں کے عام استعمال کی اجازت دیدی۔

اسلام نے اعمال کا دار مدار نیتوں پر رکھا ہے۔ پس اس زمانہ میں بھی اگر ان افعال کے نتیجہ میں کسی برائی کی طرف میلان پیدا ہو یا اسلام کے کسی واضح حکم کی نافرمانی ہوتی ہو تو یہ کام حضور ﷺ کے اس انذار کے تحت ہی شمار ہو گا۔ جیسا کہ اس زمانہ میں بھی خواتین اپنی صفائی یا ویکسنگ وغیرہ کرواتے وقت اگر پردہ کا التزام نہ کریں اور دوسری خواتین کے سامنے ان کے ستر کی بے پردگی ہوتی ہو تو یہ بے حیائی ہے جس کی اجازت نہیں ہے اور شاید یہ خواتین اسی انذار کے نیچے آتی ہوں۔ لیکن پردہ کے اسلامی حکم کی پابندی کے ساتھ اگر کوئی عورت ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار کیا کہ کیا ایک سفر میں ایک سے زیادہ عمرے کرنے بہتر ہیں یا ایک عمرہ کرنے کے بعد باقی وقت دیگر عبادات میں گزارا جائے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 02 فروری 2019ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ آنحضور ﷺ کی سنت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک سفر میں ایک ہی عمرہ فرمایا۔ لیکن حضور ﷺ نے کہیں اس کی ممانعت نہیں فرمائی کہ ایک سفر میں ایک سے زائد عمرے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اگر کوئی شخص حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ایک سفر میں صرف ایک ہی عمرہ کرے اور باقی وقت دیگر عبادات میں گزارے تو یہ بھی ٹھیک ہے اور اگر وہ ایک سے زیادہ عمرے کرنا چاہے تو چونکہ عمرہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے گھر کا طواف، صفاء اور مروہ کے چکر، ذکر و اذکار اور نوافل ہوتے ہیں، اس لئے اس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں۔

سوال:۔ ایک خاتون نے بیوہ کے عدت کے دوران لجنہ کے پروگراموں میں شامل ہونے، نماز باجماعت کیلئے مسجد میں آنے اور عزیزوں کے گھروں میں جانے کے بارہ میں مسائل دریافت کئے۔ نیز لکھا

ہے کہ بڑی عمر کی عورتوں کیلئے عدت کی پابندی نہیں ہونی چاہئیے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 02 فروری 2019ء میں ان امور کے بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ بیوہ کی عدت کے احکامات میں تبدیلی کے حق میں آپ نے اپنے خط میں جو طلاق کے بعد اسی خاوند کے ساتھ نکاح والی دلیل (کہ قرآن کریم کے مطابق طلاق کے بعد عدت پوری ہونے پر پہلے شوہر سے نکاح صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کسی دوسرے مرد سے شادی ہو اور پھر وہ طلاق دے۔ لیکن اب دوسرے مرد سے شادی کے بغیر بھی پہلے خاوند سے نکاح ہو جاتا ہے۔ پس جس طرح اس حکم میں نظر ثانی کی گئی ہے، اسی طرح خاوند کی وفات کے بعد کی عدت میں بھی عورت کی عمر کے لحاظ سے نظر ثانی ہونی چاہیے۔) دی ہے وہ غلط ہے۔ نہ پہلے ایسا کوئی حکم تھا اور نہ ہی اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔ آپ نے اپنی کم علمی کی وجہ سے طلاق کے بارہ میں دو الگ الگ احکامات کو خلط ملط کر دیا ہے۔

اسی طرح بیوہ کی عدت کے بارہ میں بھی آپ اسلامی تعلیمات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں۔ اسلام نے عورت کو اپنے خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی استثناء نہیں رکھا اور نہ ہی اس حکم میں عمر کی کوئی رعایت رکھی ہے۔ پس بیوہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ عدت کا یہ عرصہ حتی الوسع اپنے گھر میں گزارے، اس دوران اسے بناؤ سنگھار کرنے، سوشل پروگراموں میں حصہ لینے اور بغیر ضرورت گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں۔

عدت کے عرصہ کے دوران بیوہ اپنے خاوند کی قبر پر دعا کیلئے جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ قبر اسی شہر میں ہو جس شہر میں بیوہ کی رہائش ہے۔ نیز اگر اسے ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا ہے تو یہ بھی مجبوری کے تحت آتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی بیوہ کے خاندان کا گزارا اس کی نوکری پر ہے یا بچوں کو سکول لانے، لے جانے اور خریداری کیلئے اس کا کوئی اور انتظام نہیں تو یہ سب امور مجبوری کے تحت آئیں گے۔ ایسی صورت میں اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ سیدھی کام پر جائے اور کام مکمل کر کے واپس گھر آکر بیٹھے۔ مجبوری اور ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے کی بس اتنی ہی حد ہے۔ کسی قسم کی سوشل مجالس یا پروگراموں میں شرکت کی اسے اجازت نہیں۔ پس شریعت میں نئی نئی چیزیں داخل کرنے اور نئی نئی بدعتیں پیدا کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دی گئی۔

سوال:۔ ایک دوست نے ان احادیث کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں راہنمائی کی درخواست کی جن احادیث میں جنگ کے دوران، عام لوگوں کے جھگڑوں اور میاں بیوی کے مابین صلح کرانے کیلئے جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 28 جنوری 2019ء میں درج ذیل راہنمائی فرمائی۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ قرآن کریم اور مستند احادیث میں جھوٹ کو اَکْبَرُ الْکَبَائِرِ (یعنی بڑے بڑے گناہوں میں سے بڑا گناہ) قرار دیا گیا ہے۔ اور آنحضور ﷺ نے اس سے اجتناب کی بار بار نصیحت فرمائی ہے۔

جہاں تک آپ کے خط میں مذکور روایت کا تعلق ہے تو ایسی ایک روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ سے مروی ہے اور اس روایت کے الفاظ محتاط اور قابل تاویل ہیں۔ چنانچہ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ وَیَقُوْلُ خَیْرًا وَیَنْمِیْ خَیْرًا یعنی جو شخص لوگوں میں صلح کروانے کیلئے نیک بات کرے اور اچھی بات آگے پہنچائے وہ جھوٹا نہیں ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ صلح کروانے والا شخص ایک فریق کی دوسرے فریق کے بارہ میں کہی ہوئی باتوں میں سے اچھی اور نیک باتیں دوسرے فریق تک پہنچا دے اور اس فریق کے خلاف کہی جانے والی باتوں کے بارہ میں خاموشی اختیار کرے تو ایسا صلح کروانے والا جھوٹا نہیں کہلا سکتا ہے۔

سنن ترمذی نے حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے اس روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے لَا یَحِلُّ الْکَذِبُ إِلَّا فِی ثَلَاثٍ یُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ لِیُرْضِیَهَا وَالْکَذِبُ فِی الْحَرْبِ وَالْکَذِبُ لِیُصْلِحَ بَیْنَ النَّاسِ یعنی تین باتوں کے سوا جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ خاوند اپنی بیوی کو راضی کرنے کیلئے کوئی بات کہے۔ لڑائی کے موقع پر جھوٹ بولنا اور لوگوں کے درمیان صلح کروانے پر جھوٹ بولنا۔

پہلی بات یہ ہے کہ سنن ترمذی میں بیان یہ روایت قرآن کریم کے واضح حکم اور احادیث صحیحہ میں مروی دیگر روایات کے خلاف ہونے کی بناء پر قابل قبول نہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ اسلام نے جھوٹ کو کسی موقعہ پر بھی جائز قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ تعلیم دی کہ جان بھی جاتی ہو تو جانے دو لیکن سچ کو ہاتھ سے مت جانے دو۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس بارہ میں ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اپنی تصنیف لطیف ”نور القرآن نمبر 2“میں ایک عیسائی کے اسی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

”قرآن شریف نے دروغ گوئی کو بت پرستی کے برابر ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ...... اصل بات یہی ہے کہ کسی حدیث میں جھوٹ بولنے کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ حدیث میں تو یہ لفظ ہیں کہ ان قتلت واحرقت...... پھر اگر فرض کے طور پر کوئی حدیث قرآن اور احادیث صحیحہ کی مخالف ہو تو وہ قابل سماعت نہیں ہوگی کیونکہ ہم لوگ اسی حدیث کو قبول کرتے ہیں جو احادیث صحیحہ اور قرآن کریم کے مخالف نہ ہو۔ ہاں بعض احادیث میں توریہ کے جواز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور اُسی کو نفرت دلانے کی غرض سے کذب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور ایک جاہل اور احمق جب ایسا لفظ کسی حدیث میں بطور تسامح کے لکھا ہوا پاوے تو شاید اس کو حقیقی کذب ہی سمجھ لے کیونکہ وہ اس قطعی فیصلہ سے بے خبر ہے کہ حقیقی کذب اسلام میں پلید اور حرام اور شرک کے برابر ہے مگر توریہ جو درحقیقت کذب نہیں گو کذب کے رنگ میں ہے اضطرار کے وقت عوام کے واسطے اس کا جواز حدیث میں پایا جاتا ہے مگر پھر بھی لکھا ہے کہ افضل وہی لوگ ہیں جو توریہ سے بھی پرہیز کریں ...... مگر باوصف اس کے بہت سی حدیثیں دوسری بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ توریہ اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کے برخلاف ہے اور بہرحال کھلی کھلی سچائی بہتر ہے اگرچہ اس کی وجہ سے قتل کیا جائے اور جلایا جائے۔“

(نور القرآن نمبر 2، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 403 تا 405)

پس یہ بات کسی طرح بھی ماننے کے لائق نہیں کہ کسی حدیث میں جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس لئے اگر ان احادیث کی کوئی تطبیق ہو سکتی ہو جو قرآن و سنت کے مطابق ٹھہرے تو اس تطبیق کے ساتھ ہم ان احادیث کو قبول کریں گے ورنہ قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی واضح تعلیم کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم ان احادیث کو قابل قبول نہیں ٹھہراتے۔

سوال:۔ عورتوں کے ایام حیض میں مسجد میں آکر بیٹھنے نیز ان ایام میں تلاوت قرآن کریم کرنے کے بارہ میں ایک خاتون کی ایک تجویز پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 مارچ 2019ء میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب:۔ مذکورہ بالا دونوں امور کے بارہ میں علماء و فقہاء کی آراء مختلف رہی ہیں اور بزرگان دین نے بھی اپنی قرآن فہمی اور حدیث فہمی کے مطابق اس بارہ میں مختلف جوابات دیئے ہیں۔ اسی طرح جماعتی لٹریچر میں بھی خلفائے احمدیت کے حوالہ سے نیز جماعتی علماء کی طرف سے مختلف جوابات موجود ہیں۔

قرآن کریم، احادیث نبویہ ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں، خواتین کے ایام حیض میں قرآن کریم پڑھنے کے متعلق میرا موقف ہے کہ ایام حیض میں عورت کو قرآن کریم کا جو حصہ زبانی یاد ہو، وہ اسے ایام حیض میں ذکر و اذکار کے طور پر دل میں دہرا سکتی ہے۔ نیز بوقت ضرورت کسی صاف کپڑے میں قرآن کریم کو پکڑ بھی سکتی ہے اور کسی کو حوالہ وغیرہ بتانے کیلئے یا بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کیلئے قرآن کریم کا کوئی حصہ پڑھ بھی سکتی ہے لیکن باقاعدہ تلاوت نہیں کر سکتی۔

اسی طرح ان ایام میں عورت کو کمپیوٹر وغیرہ پر جس میں اسے بظاہر قرآن کریم پکڑنا نہیں پڑتا باقاعدہ تلاوت کی تو اجازت نہیں لیکن کسی ضرورت مثلاً حوالہ تلاش کرنے کیلئے یا کسی کو کوئی حوالہ دکھانے کیلئے کمپیوٹر وغیرہ پر قرآن کریم سے استفادہ کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

ان ایام میں عورت مسجد سے کوئی چیز لانے کیلئے یا مسجد میں کوئی چیز رکھنے کیلئے تو مسجد میں جا سکتی ہے لیکن وہاں جا کر بیٹھ نہیں سکتی۔ اگر اس کی اجازت ہوتی تو حضور ﷺ عید میں شامل ہونے والی ایسی خواتین کیلئے کیوں یہ ہدایت فرماتے کہ وہ نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔ پس اس حالت میں عورتوں کو مسجد میں بیٹھنے کی اجازت نہیں۔

اگر کوئی خاتون اس حالت میں مسجد میں آتی ہے یا کوئی بچی ایسی حالت میں اپنی والدہ کے ساتھ مسجد آئی ہے یا اچانک کسی کی یہ حالت شروع ہو گئی ہے تو ان تمام صورتوں میں ایسی خواتین اور بچیاں

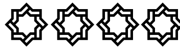
مسجد کی نماز پڑھنے والی جگہوں میں نہیں بیٹھ سکتیں۔ بلکہ کسی نماز نہ پڑھنے والی جگہ پر ان کے بیٹھنے کا انتظام کیا جائے۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ نیشنل مجلس عاملہ لجنہ اماء اللہ کینیڈا کی Virtual ملاقات مؤرخہ 16 اگست 2020ء میں تربیت کے مختلف پہلوؤں کے حوالہ سے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ممبران عاملہ کو توجہ دلاتے ہوئے درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب:۔ ماؤں کے ذریعہ تربیت کریں کہ جو آجکل کی یہاں بچیاں پڑھ رہی ہیں ان کے ساتھ ان کے تعلقات دوستانہ ہونے چاہئیں۔ اور ان کا یہاں جو باہر نکل کے، یونیورسٹیز میں جا کے، کالجز میں جا کے Exposure ہے اس کے ساتھ اگر مائیں پوری طرح تعلیم یافتہ نہیں ہیں تو پھر وہ آپ لوگوں سے مدد لیں۔ لیکن اس کے باوجود لڑکیوں کے ساتھ تعلق رکھیں۔ اور لڑکیوں کی تربیت یہ کریں کہ وہ جیسی مرضی تعلیم حاصل کریں لیکن جو دین کو دنیا پہ مقدم رکھنے کا عہد ہے، اس کو سامنے رکھیں کہ وہ کیا ہے؟ صرف دنیا میں ہی نہ پڑ جائیں۔ یہاں ان کو یہ بھی Realize کروانا چاہئے کہ یہاں آکے اللہ تعالیٰ نے جو دنیاوی لحاظ سے فضل کئے ہیں ان دنیاوی فضلوں پر اللہ تعالیٰ کے شکرانے کا صحیح اظہار یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ دین سے Attach ہو جائے۔ یہ اکثر لڑکوں میں بھی ہوتا ہے اس لئے پھر ماؤں کی تربیت اس لحاظ سے بھی کرنے کی ضرورت ہے کہ پندرہ سال تک یا کم از کم تیرہ چودہ سال تک لڑکے بھی ماؤں ہی کے زیر اثر ہوتے ہیں (اس لئے مائیں لڑکوں کی بھی اس حوالہ سے تربیت کریں)۔ پھر ماؤں کی تربیت کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ یہ جو مردوں کی تربیت کی ذمہ داری ہے یہ بھی آپ لوگوں نے ہی کرنی ہے۔ مردوں میں بھی تربیت کی کمی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ جیسا مرضی کام کرتے رہیں اور عورتیں اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ ان کی بھی ذمہ داری ہے۔ لیکن آپ لوگوں نے تربیت کے لحاظ سے اس چیلنج کو بھی لینا ہے کہ لڑکوں میں، چھوٹی عمر کے اطفال جو ہیں ان کی بھی تربیت ایسے کریں کہ جب وہ خدام میں شامل ہوں تو وہ جماعت سے Attach ہوں۔ اسی طرح بچیاں جب ناصرات سے لجنہ میں آئیں تو وہ جماعت سے Attach ہوں۔ یہاں کے ماحول کا جو اثر ہے، کیونکہ کھلی تعلیم دی جاتی ہے اور بعض کھلے سوال کئے جاتے

ہیں۔ اس پر آپ لوگوں نے ان کو کھل کے جواب دینے ہیں۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ آپ ایک Survey کریں اور ایک سوالنامہ بنا کر بھیجیں۔ ہر مجلس میں جائے۔ اور لڑکیوں کو کہیں کہ بیشک اپنا نام نہ لکھو اور تمہارے ذہن میں کسی بھی قسم کے جو سوال دین کے بارہ میں ہیں یا دنیا کے بارہ میں ہیں اور دین اور دنیا کے فرق کے بارہ میں ہیں یا کچھ شبہات ہیں، وہ بیشک ظاہر کر دو۔ پھر لجنہ کے Level پر مختلف Forums پہ ان کے جواب دینے کی کوشش کریں اور یہاں مجھے بھیجیں۔ یہاں بھی ہم کوئی پروگرام بنا سکتے ہیں۔ ایم ٹی اے میں بھی اس کے جواب دے سکتے ہیں۔ پھر آپ کے وہاں ایم ٹی اے سٹوڈیو بن چکا ہے، وہاں آپ لوگ ایم ٹی اے کے ساتھ Coordinate کر کے ایک پروگرام بنا سکتے ہیں۔ اور لجنہ ایک پروگرام بنائے اور بغیر نام لئے ان سوالوں کے جواب دے کہ آجکل یہ یہ Issue اٹھتے ہیں یا یہ یہ سوالات دنیا میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہماری بعض بچیوں کے ذہن بھی Pollute ہو رہے ہیں۔ ان کے ذہنوں کو ہم نے کس طرح صاف کرنا ہے۔ تو اس طرح کے بعض سوال ہیں کہ آپ کھل کے ایم ٹی اے پر Discuss کر سکتے ہیں اور بعض ہیں جو نہیں کر سکتے، ان کو Personal Level پہ جا کے ان کے جواب دینے پڑیں گے۔ پھر بعض بغیر ناموں کے سوال آئیں گے تو ان کو انٹرنیٹ پہ اس طرح رکھیں، کوئی ایسا Forum بنائیں جہاں تربیت کیلئے ایسے سوالوں کے جواب دیئے جا سکیں۔ تو آجکل اس زمانہ میں یہ بہت بڑے چیلنجز ہیں جو میڈیا نے، لوگوں نے شبہات پیدا کرنے کیلئے ڈال دیئے ہوئے ہیں۔ پھر So Called تعلیم کے نام پہ اپنے آپ کو زیادہ ہی پڑھی لکھی سمجھ کے سمجھتی ہیں کہ شاید اسلام کی تعلیم بڑی Back Word تعلیم ہے۔ حالانکہ اسلام کی تعلیم سے زیادہ اس زمانہ میں کسی بھی مذہب کی کوئی تعلیم ایسی نہیں ہے جو ماڈرن ہو اور جو زمانہ کے حساب سے اپنے آپ کو Adjust کرنے والی ہو۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 7 اپریل 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 11

سوال:۔ ایک دوست نے سنت نمازوں کی تیسری اور چوتھی رکعات میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھنے کے بارہ میں راہنمائی چاہی۔ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 مارچ 2019ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضورانور نے فرمایا:۔

جواب:۔ احادیث میں جس طرح فرض نمازوں کی پہلی دو رکعات میں سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھنے کی بابت صراحت پائی جاتی ہے۔ اس طرح احادیث اور خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ کہیں وضاحت نہیں ملتی کہ سنتوں کی چاروں رکعات میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کا کچھ حصہ ضرور پڑھا جائے۔

فقہاء کا بھی اس بارہ میں اختلاف ہے۔ چنانچہ مالکی اور حنبلی مسالک والے سنتوں کی تمام رکعات میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھتے ہیں جبکہ حنفی اور شافعی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کا کوئی حصہ نہیں پڑھتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس معاملہ میں فرض اور سنت نماز میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح فرض نمازوں کی صرف پہلی دو رکعات میں سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھا جاتا ہے اسی طرح سنت نمازوں کی بھی صرف پہلی دو رکعات میں ہی سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھا جائے گا اور تیسری اور چوتھی رکعات میں صرف سورۃ فاتحہ پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔ اور یہی میرا موقف ہے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں حال ہی میں کسی ملک میں رجم کی سزا کے نفاذ کا ذکر کر کے دریافت کیا ہے کہ کیا اس زمانہ میں بھی رجم کی سزا کا نفاذ کیا جا سکتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 مارچ 2019ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اسلام کی تعلیمات جس میں سزائیں بھی شامل ہیں، کسی زمانہ یا ملک کے ساتھ مختص نہیں بلکہ عالمگیر اور دائمی ہیں۔ لیکن اسلامی سزاؤں کے بارہ میں یہ بات ہمیشہ مد نظر رہنی چاہیے کہ ان کے عموماً دو پہلو ہیں ایک انتہائی سزا اور ایک نسبتاً کم سزا اور ان سزاؤں کا بنیادی مقصد برائی کی روک تھام اور دوسروں کیلئے عبرت کا سامان کرنا ہے۔

پس اگر زنا فریقین کی باہمی رضامندی سے ہو اور وہ اسلامی طریقۂ شہادت کے ساتھ ثابت ہو جائے تو فریقین کو سو کوڑوں کی سزا کا حکم ہے۔ لیکن جس زنا میں زبردستی کی جائے اور اس میں نہایت وحشیانہ مظالم کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ یا کوئی زانی چھوٹے بچوں کو اپنے ظلموں کا نشانہ بناتے ہوئے اس گھناؤنی حرکت کا مرتکب ہوا ہو تو ایسے زانی کی سزا صرف سو کوڑے تو نہیں ہو سکتی۔ ایسے زانی کو پھر قرآن کریم کی سورۃ المائدہ آیت 34 اور سورۃ الاحزاب کی آیت 61 تا 63 میں بیان تعلیم کی رو سے قتل اور سنگساری جیسی انتہائی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ لیکن اس سزا کا فیصلہ کرنے کا اختیار حکومت وقت کو دیا گیا ہے اور اس تعلیم کے ذریعہ عمومی طور پر حکومت وقت کیلئے ایک راستہ کھول دیا گیا۔

سوال:۔ ایک دوست نے ایک وقت میں دی جانے والی تین طلاقوں، غصہ کی حالت میں دی جانے والی طلاق اور طلاق کیلئے گواہی کے مسائل کی بابت بعض استفسار حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کئے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ یکم جون 2019ء میں ان سوالات کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو پورے ہوش و حواس سے طلاق دے تو طلاق خواہ زبانی ہو یا تحریری، ہر دو صورت میں مؤثر ہو گی۔ البتہ ایک نشست میں تین مرتبہ دی جانے والی طلاق صرف

ایک ہی طلاق شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ کتب احادیث میں حضرت رکانہ بن عبد یزید کا واقعہ ملتا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین طلاقیں دیدیں۔ جس کا انہیں بعد میں افسوس ہوا۔ جب یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس طرح ایک طلاق واقع ہوتی ہے اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی طلاق سے رجوع کر لیا اور پھر اس بیوی کو حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں دوسری اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں تیسری طلاق دی۔

(سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فِی الْبَتَّۃِ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارہ میں فرماتے ہیں:۔

”طلاق ایک وقت میں کامل نہیں ہو سکتی۔ طلاق میں تین طہر ہونے ضروری ہیں۔ فقہاء نے ایک ہی مرتبہ تین طلاق دے دینی جائز رکھی ہے مگر ساتھ ہی اس میں یہ رعایت بھی ہے کہ عدت کے بعد اگر خاوند رجوع کرنا چاہے تو وہ عورت اسی خاوند سے نکاح کر سکتی ہے اور دوسرے شخص سے بھی کر سکتی ہے۔“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 17۔ مطبوعہ 2016ء)

اسی طرح جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس کی کسی ناقابل برداشت اور فضول حرکت پر ناراض ہو کر یہ قدم اٹھاتا ہے۔ بیوی سے خوش ہو کر تو کوئی انسان اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیتا۔ اس لئے ایسے غصہ کی حالت میں دی جانے والی طلاق بھی مؤثر ہو گی۔ البتہ اگر کوئی انسان ایسے طیش میں تھا کہ اس پر جنون کی کیفیت طاری تھی اور اس نے نتائج پر غور کئے بغیر جلد بازی میں اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر اس جنون کی کیفیت کے ختم ہونے پر نادم ہوا اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اسی قسم کی کیفیت کیلئے قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَلٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا کَسَبَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ (سورۃ البقرہ:226) یعنی اللہ تمہاری قسموں میں (سے) لغو (قسموں) پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ ہاں جو (گناہ) تمہارے دلوں نے (بالارادہ) کمایا اس پر تم سے مؤاخذہ کرے گا اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بردبار ہے۔

جہاں تک طلاق کیلئے گواہی کا مسئلہ ہے تو یہ اس لئے ہے کہ تنازعہ کی صورت میں فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔ لیکن اگر میاں بیوی طلاق کے اجراء پر متفق ہوں اور ان میں کوئی اختلاف نہ ہو تو پھر گواہی کے بغیر بھی ایسی طلاق مؤثر شمار ہو گی۔ پس طلاق کیلئے گواہی کا ہونا مستحب ہے لازمی نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے طلاق اور رجوع کے سلسلہ میں جہاں گواہی کا ذکر کیا ہے وہاں اسے نصیحت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِکُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ وَ اَقِیۡمُوا الشَّهَادَۃَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِکُمۡ یُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ کَانَ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۬ۙ وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا (سورۃ الطلاق:3) یعنی پھر جب عورتیں عدت کی آخری حد کو پہنچ جائیں تو انہیں مناسب طریق پر روک لو یا انہیں مناسب طریق پر فارغ کر دو۔ اور اپنے میں سے دو منصف گواہ مقرر کرو۔ اور خدا کیلئے سچی گواہی دو۔ تم میں سے جو کوئی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتا ہے اس کو یہ نصیحت کی جاتی ہے اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی رستہ نکال دے گا۔

چنانچہ فقہاء اربعہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص بغیر گواہوں کے طلاق دیدے یا رجوع کرلے تو اس کی طلاق یا رجوع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں قرآن کریم کی تلاوت کے بعد "صدق اللہ العظیم" کے الفاظ پڑھنے کے بارہ میں اپنی رائے کا اظہار کر کے راہنمائی چاہی ہے۔ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 جون 2019ء میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ میں نے اس بارہ میں تحقیق کروائی ہے۔ علماء میں دونوں قسم کے نقطۂ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ جو اس کے جواز کے قائل ہیں انہوں نے بعض قرآنی آیت اور احادیث سے استدلال کر کے اس کے جواز کی راہ نکالی ہے۔

میرے نزدیک بھی اگر کوئی تلاوت کرنے کے بعد یہ الفاظ پڑھ لے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی برائی تو بہر حال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے سچا ہونے کی تصدیق کی

جا رہی ہے۔ لیکن ان الفاظ کا مطلب جانے بغیر صرف ایک رسم کے طور پر انہیں دوہرا دینا ایک بے معنی فعل شمار ہو گا۔

سوال:۔ ایک دوست نے مسافر کیلئے رمضان کے روزوں کی رخصت کے بارہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے بعض ارشادات حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں پیش کر کے ان کی باہم تطبیق کی بابت راہنمائی چاہی ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 جون 2019ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب:۔ آپ کے خط میں بیان دونوں قسم کے ارشادات میں کوئی تضاد نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ دونوں ہی کا قرآن کریم کے واضح حکم کی روشنی میں یہی ارشاد ہے کہ مسافر اور مریض کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ اور اگر کوئی شخص بیماری میں یا سفر کی حالت میں روزہ رکھتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے واضح حکم کی نافرمانی کرتا ہے۔

جہاں تک حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد ''روزہ میں سفر ہے۔ سفر میں روزہ نہیں'' کا تعلق ہے تو اگر اس سارے خطبہ کو غور سے پڑھا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور دراصل اس میں مختلف مثالیں بیان فرما کر سمجھا رہے ہیں کہ ایسا سفر جو باقاعدہ تیاری کے ساتھ، سامان سفر باندھ کر سفر کی نیت سے کیا جائے وہ سفر خواہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اس میں شریعت روزہ رکھنے سے منع کرتی ہے۔ لیکن ایسا سفر جو سیر کی غرض سے یا کسی Trip اور Enjoyment کیلئے کیا جائے، وہ روزہ کے لحاظ سے سفر شمار نہیں ہو گا اور اس میں روزہ رکھا جائے گا۔ چنانچہ سفر میں روزہ رکھنے کے بارہ میں آپ کے دیگر ارشادات بھی آپ کے اسی نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ کیا لڑکی اپنے نکاح کے موقعہ پر خود ایجاب و قبول کر سکتی ہے، نیز یہ کہ اعلان نکاح کے موقعہ پر

حق مہر کا ذکر کرنا ضروری ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 جولائی 2019ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں مسلمانوں مردوں کو مومن عورتوں کے ساتھ اور مسلمان عورتوں کو مومن مردوں کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے مردو خواتین دونوں کیلئے الگ الگ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ چنانچہ مردوں کیلئے فرمایا"وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ "کہ تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ اور عورتوں کیلئے فرمایا"وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ "کہ تم (اپنی لڑکیاں) مشرک مردوں سے نہ بیاہا کرو۔

گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ولیوں پر ان کے نکاح کے انعقاد کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ اسی لئے اعلان نکاح کے موقعہ پر لڑکی کی طرف سے اس کا ولی ایجاب و قبول کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"عورت خود بخود نکاح کے توڑنے کی مجاز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود بخود نکاح کرنے کی مجاز نہیں بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ سے نکاح کو توڑا سکتی ہے جیسا کہ ولی کے ذریعہ سے نکاح کو کرا سکتی ہے۔"

(آریہ دھرم صفحہ 32، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 37)

پس اعلان نکاح میں ایجاب و قبول کے وقت لڑکی کی طرف سے اس کا ولی یہ ذمہ داری ادا کرے گا اور یہی جماعتی روایت ہے۔

جہاں تک اعلان نکاح میں حق مہر کے تذکرہ کی بات ہے تو یہ ضروری نہیں، کیونکہ قرآن کریم کے احکامات کے مطابق حق مہر کے تقرر کے بغیر بھی نکاح ہو سکتا ہے جیسا کہ فرمایا :لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ۔(سورۃ البقرہ:237)یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو اس وقت بھی طلاق دے دو جبکہ تم نے ان کو چھوا تک نہ ہو یا مہر نہ مقرر کیا ہو۔ اور (چاہیے کہ اس صورت میں) تم انہیں مناسب طور پر کچھ سامان دے دو (یہ امر) دولت مند پر اس کی طاقت کے مطابق (لازم ہے) اور نادار پر اس کی طاقت کے مطابق (ہم نے ایسا کرنا) نیکو کاروں پر واجب (کر دیا) ہے۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ نیشنل مجلس عاملہ سویڈن کی Virtual ملاقات مؤرخہ 29 اگست 2020ء میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس ملاقات سے ایک روز قبل اسلام مخالف گروپ کی طرف سے سویڈن میں قرآن کریم کے نسخہ کو جلانے کی مذمت، اس کی وجہ اور اس پر ایک احمدی مسلمان کے ردّعمل کے بارہ میں راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

جواب:۔ یہاں تو سنا ہے کہ کل رات فساد بھی ہوئے ہیں۔ اس کا اثر تو آپ کے شہر یا علاقہ میں نہیں ہے؟ محترم امیر صاحب سویڈن کے جواب پر کہ رات کو یہ فسادات ہوئے تھے لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حالات ٹھیک ہیں۔ حضور انور نے فرمایا:

اب یہ جو اسلام کے بارہ میں Misconceptions ہے، اس کو آپ نے ہی دور کرنا ہے۔ یہ جو شخص کھڑا ہوا ہے کہ میں قرآن جلا دوں گا۔ اور اس کو ٹھیک ہے پولیس نے اجازت نہیں دی لیکن ساتھ ہی اسے یہ بھی کہہ دیا کہ اسے اپیل کرنے کا Right ہے، وہ اپیل کر سکتا ہے۔ اور بعض اس کے جو Followers تھے یا اس کے گروپ کے لوگ تھے، انہوں نے پارک میں جا کر کل رات کو قرآن کریم جلا بھی دیا۔ تو یہ کیوں ہو رہا ہے؟

اس لئے کہ انہیں پتہ ہی نہیں ہے کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم کیا ہے اور اس لئے کہ مسلمانوں کے جو دہشت گرد عمل ہیں وہ ان کو یہی بتاتے ہیں کہ ہاں! یہ شاید قرآن میں ہی ہو گا۔ وہ ایک آیت کو تو پکڑ لیتے ہیں کہ قتال کرو یا جنگ کرو۔ جو باقی دوسرے حکم ہیں کہ کن حالات میں کرو، اس کا ان لوگوں کو کوئی نہیں پتہ۔ تو یہ چیزیں ان لوگوں کو پتہ ہونی چاہئیں۔ اس لحاظ سے بھی آپ تبلیغ کا Plan کریں۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں اس سوال پر کہ کرونا وائرس کی وجہ سے دنیا کی موجودہ صورتحال میں تبلیغ کا کام کس طرح کیا جائے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

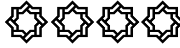
جواب:۔ جو آن لائن تبلیغ ہے وہ بہت زیادہ شروع ہو گئی ہے، واٹس ایپ پہ، سوشل میڈیا پہ۔ یہاں دیکھیں کہ لوگوں کے پاس کیا کیا سوال ہیں؟ کیا کیا Issues اٹھتے ہیں؟ مختلف سائیٹس ہیں، ان میں

جا کے ان کو بتائیں کہ ان حالات میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ جھکنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی طرف آنا چاہیے، اس کو پہچاننا چاہیے۔ نہ یہ کہ Atheist بن جائیں اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ دیں۔ یا یہ سمجھیں کہ خدا تعالیٰ دعائیں قبول نہیں کرتا یا خدا تعالیٰ نہیں ہے یا دنیا ہی سب کچھ ہے۔ اگر دنیا کو بچانا ہے تو یہ کرو۔ کیونکہ اس کے بعد پھر جو Crisis آئے گا، اس بیماری کے بعد دنیا کی Economy جب Shatter ہوتی جائے گی تو اگلا Crisis پھر یہ آئے گا کہ پھر ایک دوسرے کے مال پہ قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے اور جب مال پہ قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے تو جنگیں شروع ہو جائیں گی، جس کیلئے بلاک بنتے ہیں اور بلاک بننے شروع ہو چکے ہیں۔ تو اس سے بچنے کیلئے یہی طریقہ ہے کہ خدا کی طرف آؤ اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو۔ لیکن جو بھی میڈیا ہے، آخر لوگوں کا دنیا سے رابطہ ہو ہی رہا ہے ناں؟ اس میڈیا کو آپ بھی استعمال کریں، اور اس طریقہ کو آپ بھی استعمال کریں جو دنیا استعمال کر رہی ہے۔

میرا خیال ہے کہ آج جو باتیں ہو گئی ہیں انہی پہ آپ کام کر لیں، اور جو بعض ضروری باتیں تھیں وہ میں نے کہہ دی ہیں کہ ان (نیشنل عاملہ) کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ اور جو نیشنل عاملہ سے میں باتیں کر رہا ہوں تو جو متفرق مجالس ہیں ان کے متعلقہ سیکرٹریان جو ہیں، ان کیلئے بھی یہی باتیں ہیں، ان کو بھی یہ یاد رکھنی چاہئیں اور اس کے مطابق اپنی Policy بنانی چاہیے اور عمل کروانا چاہیے۔ اگر Grassroots Level پہ سارے کام ہونے شروع ہو جائیں، آپ کی مجالس کے ہر شعبہ کے جو متعلقہ سیکرٹریان ہیں وہ اپنا اپنا کام کریں، ذمہ داری کو سمجھیں تو نیشنل عاملہ کا بھی کام آسان ہو جاتا ہے اور اس مقصد کو بھی آپ پورا کرنے والے بن جاتے ہیں جس کیلئے آپ کو عہدیدار بنایا گیا ہے اور اس طرح آپ خلیفۂ وقت کے مددگار بھی بن جاتے ہیں اور جماعت کی خدمت کا جو کام ہے اس کو بھی صحیح طرح سرانجام دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بھی پھر آپ کی خدمت جو ہے وہ مقبول ہوتی ہے۔ لیکن اگر صرف عہدہ رکھنا ہے اور عہدہ رکھ کے پھر کام نہیں کرنا اور اپنے غلط نمونے قائم کرنے ہیں، دعاؤں کی طرف توجہ نہیں دینی، آپس میں شعبوں میں تعاون نہیں کرنا، مرکزی شعبوں میں اور ذیلی تنظیموں کے شعبوں میں تعاون نہیں ہونا تو ایسے عہدوں کا کوئی فائدہ نہیں، ایسی تنظیم کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور یہ آپ لوگ مجھے تو دھوکہ دے سکتے ہیں یا نظام جماعت کو دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے ہمیشہ یاد رکھیں، ہر کام

کرتے ہوئے، ہر وقت یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ ہمارے ہر قول اور فعل کو دیکھتا اور سنتا ہے۔ اس لئے ہم نے اللہ تعالیٰ کی خاطر ہر کام کرنا ہے اور اس کیلئے اپنی تمام صلاحیتیں، اپنی تمام Potentials کو استعمال میں لانا ہے تاکہ ہم جماعت کے صحیح فعال رکن بھی بن سکیں اور جماعت کی صحیح رنگ میں خدمت بھی کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 13 اپریل 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 12

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ اگر میاں بیوی میں ان کی شادی کے عرصہ میں تین دفعہ طلاق ہو جائے تو تیسری طلاق کے بعد صلح کی کیا صورت ہو گی؟ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 جولائی 2019ء میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب:۔ قرآن کریم کا حکم اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ بہت واضح ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ایسی طلاق جس میں رجوع ہو سکے، صرف دو مرتبہ ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ یعنی ایسی دو طلاقوں کے بعد اگر خاوند اپنی بیوی کو تیسری طلاق دیدے تو اس تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کا اس بیوی سے صلح کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ نہ عرصۂ عدت میں بغیر نکاح کے اور نہ ہی عدت کے ختم ہونے پر نکاح کے ساتھ وہ اس کے ساتھ خانہ آبادی کر سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص سے باقاعدہ نکاح نہ کرے اور وہ خاوند اس عورت کو بغیر کسی منصوبہ بندی کے طلاق دیدے۔

پس آپ کی بیان کردہ صورت میں اب ان میاں بیوی کے درمیان صلح کی کوئی گنجائش نہیں، جب تک کہ ان کے درمیان حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ والی شرط پوری نہ ہو۔

سوال:۔ ایک خاتون نے لکھا کہ اگر کوئی غیر احمدی مسلمان مجھ سے کسی غیر از جماعت عالم کی لکھی ہوئی تفسیر کے بارہ میں پوچھے تو مجھے اسے کونسی تفسیر پڑھنے کیلئے بتانی چاہیئے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 جولائی 2019ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب:۔ پرانے بزرگوں کی تمام تفسیریں اچھی ہیں۔ آپ کی معلومات کیلئے چند تفسیروں کے نام لکھ رہا ہوں۔ مثلاً تیسری صدی ہجری میں لکھی جانے والی تفسیر طبری، جس کا پورا نام " جامع البیان فی تاویل القرآن " ہے اور جسے ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر الطبری نے تصنیف کیا۔

چھٹی صدی ہجری میں امام ابو عبداللہ محمد فخر الدین ابن خطیب الرازی کی تصنیف کردہ تفسیر "مفاتیح الغیب"، المعروف "التفسیر الکبیر" بہت عمدہ تفسیر ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی تفسیر بعنوان "الجامع لاحکام القرآن "معروف بہ "تفسیر قرطبی"مشہور عالم ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر المعروف امام قرطبی نے تصنیف فرمائی۔

علاوہ ازیں تفسیر جلالین، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر روح المعانی وغیرہ اچھی اور پڑھنے کے قابل تفاسیر ہیں۔

سوال:۔ ایک دوست نے بعض احباب کی طرف سے پوچھے جانے والے اس سوال کی بابت حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے راہنمائی چاہی ہے کہ گھانا کے ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے جہاں ایسے غیر احمدی امام بھی ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور احمدیت کو سچا اور بہترین اسلام سمجھتے ہیں اور مخالفت بھی نہیں کرتے لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے قبول احمدیت کی توفیق نہیں پاتے۔ تو کیا ایسے افراد یا اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہو گا؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 جولائی 2019ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب:۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غیر احمدی امام کی اقتداء میں نماز نہ پڑھنے کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور جہاں آپ نے اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو ہمارے لئے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے وہاں آپ کے بیان کردہ مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر ایسے لوگوں کی نسبت ذکر ہوا جو نہ مکفر ہیں نہ مکذب اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا مسئلہ دریافت کیا گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

"اگر وہ منافقانہ رنگ میں ایسا نہیں کرتے جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ (با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام) تو وہ اشتہار دیدیں کہ ہم نہ مکذب ہیں نہ مکفر (بلکہ بزرگ نیک ولی اللہ سمجھتے ہیں) اور مکفرین کو اس لئے کہ وہ ایک مومن کو کافر کہتے ہیں، کافر جانتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو کہ وہ سچ کہتے ہیں ورنہ ہم ان کا کیسے اعتبار کر سکتے ہیں اور کیونکر ان کے پیچھے نماز کا حکم دے سکتے ہیں۔ گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔

نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی کرنی چاہیئے۔ فرعون میں ایک قسم کا رشد تھا اور اسی رشد کا نتیجہ تھا کہ اس کے مونہہ سے وہ کلمہ نکلا، جو صدہا ڈوبنے والے کفار کے منہ سے نہ نکلا۔ یعنی آمَنْتُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا (الَّذِیْ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ) اس کے ساتھ نرمی کا حکم ہوا۔ قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا اور دوسری طرف نبی کریم کو فرمایا وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ معلوم ہوتا ہے ان لوگوں میں بالکل رشد نہ تھا۔ پس ایسے معترضین کے ساتھ صاف صاف بات کرنی چاہیئے تاکہ ان کے دل میں جو گند و خبث پوشیدہ ہے نکل آئے اور ننگ جماعت نہ ہوں۔"

(اخبار بدر نمبر 16 جلد 7 مؤرخہ 23 اپریل 1908ء صفحہ 4)

سوال:۔ ایک خاتون نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصنیف توضیح مرام کے حوالہ سے فرشتوں کے چاند، سورج اور ستاروں پر اثر ڈالنے، ان اجسام کے انسانوں پر اثر ڈالنے، اور فرشتوں کے جسمانی طور پر زمین پر اترنے کے بارہ میں حضور انور سے راہنمائی چاہی ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 جولائی 2019ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اس تصنیف لطیف میں فرشتوں کے کواکب پر اثر انداز ہونے، سورج، چاند، ستاروں کے ہماری زمین کے نباتات و جمادات اور حیوانات پر اثر ڈالنے اور فرشتوں کے انسانوں پر روحانی اثرات ہونے کے مضامین کو نہایت لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ فرشتوں کے سورج، چاند، ستاروں پر اثر انداز ہونے کے آپ کے بیان کردہ مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ ملائکہ ان کواکب پر خدا تعالیٰ کے اذن کے تحت مدبر و منظم ہیں اور ان اجرام فلکی پر ان کی تاثیرات بالذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے ہوتی ہیں۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’اشارات قرآنیہ سے نہایت صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض وہ نفوس طیبہ جو ملائک سے موسوم ہیں ان کے تعلقات طبقات سماویہ سے الگ الگ ہیں۔ بعض اپنی تاثیرات خاصہ سے ہوا کے چلانے والے اور بعض مینہ کے برسانے والے اور بعض بعض اور تاثیرات کو زمین پر اتارنے والے ہیں۔‘‘

پھر حضور علیہ السلام نے ایک مضمون یہ بیان فرمایا ہے کہ ان اجرام فلکی یعنی سورج، چاند اور ستاروں کا ہماری زمین کے نباتات، جمادات اور حیوانات پر دن رات اثر پڑتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ چاند کی روشنی سے پھل موٹے ہوتے، سورج کی گرمی اور تپش سے پھل پکتے اور میٹھے ہوتے اور بعض ہوائیں بکثرت پھل لانے کا موجب ہوتی ہیں۔

اس ضمن میں ایک مضمون حضور علیہ السلام نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ جس طرح فرشتے خدا تعالیٰ کے حکم سے اجرام فلکی پر اپنی تاثیرات ڈالتے اور اجرام فلکی کا ہماری زمین کی ظاہری چیزوں پر اثر ہوتا ہے اسی طرح ملائکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہمارے دل و دماغ پر اپنا روحانی اثر بھی ڈالتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

’’درحقیقت یہ عجیب مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر ہے اور بہ حکمت کاملہ خداوند تعالیٰ زمین کی ہر یک مستعد چیز کو اس کے کمال مطلوب تک پہنچانے کیلئے یہ روحانیات خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ ظاہری خدمات بھی بجالاتے ہیں اور باطنی بھی۔ جیسے ہمارے اجسام اور ہماری تمام ظاہری قوتوں پر آفتاب اور ماہتاب اور دیگر سیاروں کا اثر ہے ایسا ہی ہمارے دل اور دماغ اور ہماری تمام روحانی قوتوں پر یہ سب ملائک ہماری مختلف استعدادوں کے موافق اپنا اپنا اثر ڈال رہے ہیں۔‘‘

جہاں تک فرشتوں کے زمین پر اترنے اور انسانوں سے میل جول کرنے کا سوال ہے تو اس بارہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم، احادیث نبویہ ﷺ اور ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ فرشتوں کا زمین پر نزول ان کے اصلی وجود کے ساتھ ہر گز نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ انسانوں کی شکل میں متمثل ہو کر اس کے نیک بندوں سے میل جول کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم اور احادیث میں ایسے کئی واقعات کا ذکر موجود ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہی نفوس نورانیہ کامل بندوں پر بشکل جسمانی متشکل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں اور بشری صورت سے متمثل ہو کر دکھائی دیتے ہیں۔"

(توضیح مرام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 68 تا 72)

سوال:۔ ایک بچی نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بننے والی ڈاکومینٹری Bloodline Of Christ کا ذکر کر کے اس میں بیان کہانی کی حقیقت دریافت کی۔ حضور انور نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21 نومبر 2019ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ اس سے پہلے بھی اس موضوع پر کئی فلمیں بن چکی ہیں اور کتابیں بھی لکھی جا چکی ہے۔ اس ڈاکومینٹری میں بیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کرنے کی بات تو ٹھیک ہے لیکن ان کے فرانس کی طرف ہجرت کرنے والی بات درست نہیں کیونکہ اس زمانہ میں فرانس میں ان کے پیروکاروں کی کوئی جماعت نہیں تھی۔ بلکہ ان کے قبائل تو کشمیر کے علاقہ میں تھے۔ چنانچہ اسی طرف انہوں نے ہجرت کی تھی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس امر کو اپنی تصنیف "مسیح ہندوستان میں" مختلف شواہد کے ساتھ ثابت فرمایا ہے۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ ہالینڈ کے خدام کی Virtual ملاقات مؤرخہ 30 اگست 2020ء میں ایک خادم نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ دنیا کے موجودہ حالات میں ہمیں Farming کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہئیے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس پر فرمایا:۔

جواب:۔ سوال یہ ہے کہ پہلے جب یورپین یونین اکٹھی ہوئی ہے، انہوں نے ہر ملک میں اپنا اپنا علاقہ بانٹ لیا ہوا ہے کہ تم فروٹ اُگاؤ گے، تم Crops اُگاؤ گے، تم فلاں چیز اُگاؤ گے، تم فلاں چیز اُگاؤ گے۔ تو جب تک یورپین یونین قائم ہے، اس وقت تک تو بڑی اچھی بات ہے یہ کرتے رہیں۔ اب ہالینڈ کے ذمہ انہوں نے لگایا ہوا ہے، ان کے ہاں Dairy Products ہیں یا Fruits ہیں۔ اور Fruits بھی خاص قسم کے ہیں۔ Pears وغیرہ اورSomething like that ۔ یو کے Brexit کے ذریعہ نکل گیا ہے، تھوڑی دیر بعد جب یہ پوری طرح نکل جائیں گے تو انہیں پھل منگوانے کیلئے بھی مشکل پیش آئے گی۔ اور Wheat Crisis بھی آجائے گا۔ تو ان کو مشکلات پیش آئیں گی، اس لئے یو کے کیلئے تو ضروری ہے کہ Agriculture پہ Focus کریں۔ اور اس کو زیادہ Developکرنے کی کوشش کریں۔ اوراپنی Agriculture میں Self-sufficient بنیں، Grainsمیں بھی اور Vegetables میں بھی اور Fruits میں بھی۔ جہاں تک یورپ کا سوال ہے تو یورپ کا جو Grains ہے، اس میں تقریباًوہ Self-sufficientہی ہیں۔ بلکہ Export بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح پھل وغیرہ ہیں۔ کچھ سبزیاں ہیں جو Tropicalعلاقوں سے یہ لاتے ہیں۔ وہ یہاں ہو نہیں سکتیں سوائے اس کے کہ Greenhouses بنا کے وہ لگائی جائیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اپنے ملکوں کی پیداوار کے لحاظ سے وہ کریں۔ اگر یورپ ایک رہے گا تو ٹھیک ہے۔ لیکن کل کو کوئی اور بھی ملک یورپین یونین سے نکلتا ہے تو پھر اس کو مشکل پڑے گی جس طرح انگلستان کو مشکل پڑ رہی ہے۔ پھر رشیا جب اکٹھا تھا تو اس وقت انہوں نے بنایا ہوا تھا کہ فلاں Stateمیں گندم اُگے گی، فلاں میں کاٹن اُگے گی، فلاں میں فلاں Crop ہو گی۔ اور جب وہ ٹوٹ گئے تو پھر ان کی States کو بھی مسائل پیدا ہوئے۔ اس لئے کوشش یہ کرنی چاہئیے کہ اکٹھے رہیں اور اگر کہیں Chancesپیدا ہونے کا امکان ہے تو جو ہمارے Politicians ہیں ان کو یہ سوچنے سے پہلے کہ ہم نے علیحدہ ہونا ہے، اپنے لوگوں کی جو Staple Food ہے اس کو مہیا کرنے کیلئے بھی پہلے سوچنا چاہیئے کہ کس طرح ہم یہ مہیا کریں گے اور اس کیلئے پلاننگ ہونی چاہئیے۔ بغیر پلاننگ کو چھوڑ دیں تو پھر وہ حال ہوتا ہے جو اب یو کے کا ہونے والا ہے۔ تو سارے یورپین یونین کے ملکوں کو دیکھنا چاہئیے، بیٹھنا چاہیئے، غور کرنا چاہیئے کہ ہمارے سارے یورپ کی، جو ہماری یورپین یونین میں چھبیس ستائیس ملک شامل ہیں ان کی

Requirement کیا ہے۔ اور اس Requirement کے حساب سے ہماری مختلف Grains کی ہر سال کی Produce کیا ہے۔ اور اس Produce کو ہم نے کس طرح مزید بہتر کرنا ہے۔ تو اس لحاظ سے ٹھیک ہے آپ کی بات، کوشش کرنی چاہیئے۔ لیکن اگر اس کے بعد پھر Crisis آتا ہے اور Crisis کے بعد جنگ ہوتی ہے تو اس میں پتہ نہیں اگر کہیں کسی نے پاگل پن میں ایٹم بم استعمال کر دیا تو نہ وہاں Agriculture رہنی ہے اور نہ وہاں کچھ اور چیز رہنی ہے۔ تو اس لئے اللہ تعالیٰ ہی رحم کرے۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک خادم نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ چھوٹے بچوں کی تربیت کیلئے کس طرح اور کیا طریق اختیار کیا جاسکتا ہے؟ اس پر حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو کہا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے اسی وقت تربیت کرو۔ اسی لئے اسلام میں یہ رائج ہے اور یہ سنت ہے، آنحضرت ﷺ بھی یہ فرمایا کرتے تھے اور پھر ہم عمل بھی اسی بات پہ کرتے ہیں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دائیں کان میں اذان دیتے ہیں اور بائیں کان میں تکبیر پڑھتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا نام اس کے کان میں پڑے اور توحید پہ وہ قائم ہو۔ تو تربیت جو ہے وہ تو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ پہلے دن سے شروع کر دو۔ یہ نہ دیکھو کہ بچہ چھوٹا ہے اس کو سمجھ نہیں آئے گی۔ بچہ چھوٹا ہے اس کو بتاؤ، کوئی چیز تم دیتے ہو تو تم کہو کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہار انتظام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا، اللہ تعالیٰ نے مجھے سہولت مہیا کی۔ ہم نے توحید کو قائم کرنا ہے اس لئے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہ ان کا ایمان پیدا کرو کہ جو چیز وہ حاصل کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے ان کا انتظام کرتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ پہ آہستہ آہستہ یقین بڑھنا شروع ہو گا۔ پھر بتاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں چیزیں دیتا ہے تو ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا ہے۔ پھر کہو کہ تم ابھی چھوٹے ہو، تمہیں پتہ نہیں، تم اللہ میاں سے صرف دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی طرح انعامات دیتا رہے، ہمارے پہ فضل کرتا رہے۔ اور ہم بڑے ہو گئے ہیں اس لئے ہمیں کچھ تھوڑا سا پتہ لگ گیا ہے اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ جب تم بڑے ہو گے تو تم بھی نماز پڑھنی شروع کر دو گے۔ پھر جب بچہ سات سال کا ہوتا ہے تو یہی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو بتاؤ کہ تم نے نماز پڑھنی ہے یا نماز فرض

ہے۔اور آہستہ آہستہ اس کو دو یا تین یا چار جتنی نمازیں بچہ پڑھ سکتا ہے پڑھتا رہے۔اور جب دس کا ہو جائے، اس وقت Matured دماغ ہو جاتا ہے، پھر اس کو نماز پڑھنے کی عادت ڈال دو۔ تو یہ شروع کی جو تربیت ہے، وہی ہے جو بچہ کو آخر تک کام دیتی ہے۔ اور پھر قرآن کریم بھی بچہ پڑھتا ہے۔ لیکن اتنا بھی Stress بچہ پر نہ ڈالو کہ تین سال کی عمر میں اسے قرآن کریم پڑھانا شروع کر دو۔ چار سال کی عمر میں وہ تھک جائے اور جب گیارہ سال کی عمر کا ہو تو باہر کے ماحول میں جائے اور آزادی اس کو حاصل ہونا شروع ہو جائے۔ ایک درمیانہ رویہ اختیار کرو۔ بچہ کو سمجھاؤ، اللہ تعالیٰ کی ذات پہ ایمان دلواؤ، اسلام کی سچائی کا ثبوت دو۔ اس زمانہ میں مسیح موعود کو دین کی سچائی قائم کرنے کیلئے بھیجا ہے اس کی باتیں بتاؤ۔ چھوٹی چھوٹی کہانیاں سنا کر، صحابہ کے چھوٹے چھوٹے واقعات سنا کر، نبیوں کے واقعات سنا کر، اللہ تعالیٰ کے جو لوگوں پہ فضل ہوئے ہیں ان کی کہانیاں سنا کے، جو تم پہ فضل ہوئے ہیں اس کی کہانی سنا کے Interest پیدا کرو۔ تو اس طرح ایک محبت پیدا کی جاتی ہے۔ نیک نیتی سے، توجہ سے ماں باپ بچوں کو سمجھاتے رہیں، دین کی طرف لاتے رہیں تو پھر دین سے وہ Attach ہو جائیں گے تو پھر خدا تعالیٰ کی طرف رجحان بھی ہو گا، پھر نمازوں کی طرف توجہ بھی ہو گی۔ لیکن پنجابیوں کی طرح یہ کہہ دینا کہ بچہ کو چھوڑ دو، بڑا ہو گا تو آپ ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ کام نہیں چلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں سبق دیا کہ پہلے دن سے تربیت کرو۔ اس لئے "وڈا ہو کے ٹھیک ہو جائے گا" والی بات کوئی نہیں ہے۔ بچہ کی تربیت ساتھ ساتھ اس کی عمر کے لحاظ سے کرو اور اپنے نمونے دکھاؤ۔

سوال:۔ہالینڈ کے خدام کی اسی 30 اگست 2020ء کی Virtual ملاقات میں ایک اور خادم نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ایک خادم کو کونسے کام کم از کم روزانہ کرنے چاہئیں؟ اس پر حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ ایک خادم کو کم از کم روزانہ پانچ نمازیں وقت پہ پڑھ لینی چاہئیں۔ فجر کی نماز فجر کے وقت اٹھ کے پڑھو اور اگر نماز سینٹر یا مسجد قریب ہے تو وہاں جا کے باجماعت پڑھو۔ اور کام کے بعد مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی نماز سینٹر میں پڑھیں۔ اور کام پہ ظہر عصر کی نمازیں بھی پڑھیں۔ اپنی پانچ نمازوں

کی پابندی کر لیں کیونکہ یہ بنیادی حکم ہے۔ یہ تو روزانہ کا کام ہے، یہ کام کر لیں۔ ٹکریں نہیں مارنی۔ اس لئے نماز پڑھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور میں نے اس لئے نماز پڑھنی ہے تو پھر جو باقی اخلاق ہیں وہ بھی پیدا ہو جائیں گے۔ جب آپ نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دعا کریں گے تو یہ دعا جب دل سے نکلے گی تو وہ یہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو روحانی معاملہ میں بھی صراط مستقیم پہ چلائے، صحیح گائیڈ کرتا رہے اور آپ صحیح رستہ سے اِدھر اُدھر Deviate نہ کریں۔ اور جو اخلاقیات اللہ تعالیٰ نے بتائے ہوئے ہیں، جو اللہ کی تعلیم ہے اس کے اوپر بھی صحیح چلتے رہیں۔ اور جب إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہیں گے تو ظاہر ہے کہیں گے کہ اے اللہ تعالیٰ ہم تیری ہی عبادت کرنا چاہتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں، ہماری مدد کر، ہمیں ان لوگوں سے بچالے جن کو تو نے سزا دی اور جو صحیح رستے سے پھر گئے۔ تو اس کی رحمانیت مانگیں، اس کی رحیمیت مانگیں۔ اور پھر جب سنجیدگی سے نماز پڑھ رہے ہوں گے تو صرف دنیا ہی کی باتیں نہ مانگیں، اگلے جہاں کی بھی باتیں مانگیں۔ ایک خادم جب سنجیدگی سے نماز پڑھ لے گا تو سمجھ لیں کہ اس نے سب کچھ کر لیا۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 6 مئی 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 13

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے جنگ جمل کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ اور اس کی حقیقت دریافت کی۔ نیز لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بے رحمی سے ہاتھ اٹھایا تھا، جس کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کا حمل ضائع ہو گیا۔ ان باتوں میں کس حد تک صداقت ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21 نومبر 2019ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر لگایا جانے والا الزام بالکل لغو، ناحق اور واقعات اور حقائق کے برخلاف ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضور ﷺ کی وفات کے بعد چند ماہ تک زندہ رہیں اور یہ عرصہ بھی زیادہ تر ان کی بیماری کی حالت میں ہی گزارا۔

پھر حضرت فاطمہؓ تو حضور ﷺ کی حقیقی اولاد تھیں۔ ان کے ساتھ حضرت عمرؓ کا ایسا سفاکانہ رویہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ حضرت عمرؓ حضور ﷺ سے تعلق رکھنے والے غیر لوگوں سے بھی بے انتہا محبت کرتے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جب حضرت عمرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ نے مجھے اسامہ بن زیدؓ سے کم وظیفہ کیوں دیا ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اسامہؓ رسول اللہ ﷺ کو تم سے زیادہ پیارا تھا اور اس کا باپ (یعنی حضرت زیدؓ بن حارثہ) رسول اللہ ﷺ کو تمہارے باپ (یعنی حضرت عمرؓ) سے زیادہ پیارا تھا، اس لئے میں نے اسے تم سے زیادہ وظیفہ دیا ہے۔

پس وہ شخص جو حضور ﷺ کے ایک غلام کے بیٹے کو اپنے حقیقی بیٹے پر اس قدر ترجیح دیتا ہو، اس پر یہ الزام لگانا کہ اس نے حضور ﷺ کی حقیقی اولاد کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا، کسی طرح بھی درست نہیں اور یہ معاندین حضرت عمرؓ کی طرف سے حضرت عمرؓ پر سراسر جھوٹا الزام ہے۔

جہاں تک جنگ جمل کی حقیقت ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جنگ دو مسلمان گروہوں حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے لشکروں کے درمیان ہوئی اور ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ مسلمانوں میں کوئی لڑائی ایسی خونریز نہیں ہوئی اور بہت سے مسلمان اور بڑے بڑے جرنیل اور بہادر اس جنگ میں مارے گئے۔ لیکن اس ساری کارروائی کے پیچھے انہیں مفسدوں اور شریر لوگوں کا ہاتھ تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے کے بعد مدینہ پر قبضہ کر لیا تھا اور یہ جنگ بھی انہیں مفسدوں نے دو مسلمان گروہوں میں غلط فہمیاں پیدا کر کے اور کئی شرارتوں کو خود شروع کر کے بھڑکائی تھی۔ اس موضوع پر حضرت مصلح موعودؓ نے ''واقعات خلافت علوی'' میں نہایت سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ اسے بھی پڑھیں۔

سوال:۔ مساجد میں نمازوں کیلئے بچوں کے اذان دینے کے بارہ میں ایک دوست نے محترم مفتی سلسلہ صاحب سے حاصل کردہ فتویٰ سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کر کے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ چھوٹے بچوں کو اذان دینے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 دسمبر 2019ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ اس مسئلہ پر محترم مفتی صاحب کا جواب بالکل درست ہے اور مجھے اس سے اتفاق ہے۔ اگر اذان دینے والے کیلئے بھی کوئی شرائط ہوتیں تو حضور ﷺ ضرور ان کی طرف بھی ہمیں توجہ دلاتے جیسا کہ آپ نے نماز کی امامت کروانے والے کیلئے کئی شرائط بیان فرمائی ہیں۔ لیکن اذان کے بارہ میں حضور ﷺ نے صرف اسقدر فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور اذان دینے والے کیلئے آپ نے کوئی شرائط بیان نہیں فرمائیں۔ پس اذان دینا ایک ثواب کا کام ہے لیکن یہ ایسی ذمہ داری نہیں کہ اس کیلئے غیر معمولی شرائط بیان کی جاتیں۔ بلکہ ہر وہ شخص جس کی آواز اچھی ہو اور اسے اذان دینی آتی ہو وہ اس ڈیوٹی کو سرانجام دے سکتا ہے۔

بچوں کو اذان دینے کا موقعہ دینے سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ان میں دین کے کام کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ جو ایک بہت اچھی بات ہے۔ میں خود بھی یہاں مسجد مبارک میں مختلف بچوں سے اذان دلواتا ہوں۔

نوٹ از مرتب:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب میں محترم مفتی سلسلہ صاحب کے جس فتویٰ کی توثیق فرمائی ہے، وہ فتویٰ بھی قارئین کے استفادہ کیلئے ذیل میں درج کیا جارہا ہے:۔

استفتاء:۔ اذان دینے کیلئے کم از کم عمر کیا ہے؟ کیا بچہ اذان دے سکتا ہے؟

فتویٰ از مفتی صاحب:۔ مؤذن کیلئے عمر کی کوئی قید ہمیں شریعت میں نہیں مل سکی۔ لہٰذا اگر کوئی بچہ درست طریق پر اذان دینے کی اہلیت رکھتا ہے تو وہ اذان دے سکتا ہے۔

سوال:۔ ایک خاتون نے عورتوں کے بال کٹوانے اور ان بالوں کو کینسر کے کسی غیر مسلم مریض کو Donate کرنے کے بارہ میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار کیا۔ حضور انور نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 دسمبر 2019ء میں اس سوال کا حسب ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ بغرض ضرورت عورتوں کے بال کٹوانے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ حج اور عمرہ کی تکمیل پر عورتیں اپنے بال کاٹ کر ہی احرام کھولتی ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ صحابیات بغرض ضرورت اپنے بال کٹوایا کرتی تھیں۔ البتہ عورتوں کو حلق یعنی سر منڈوانے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ نے مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پس عورتوں کو مردوں کی طرز پر بال نہیں کٹوانے چاہئیں۔ لیکن اگر زینت کی خاطر مناسب حد تک بال کٹوائے جائیں جس میں مردوں سے مشابہت پیدا نہ ہوتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

کسی مریض کو بال Donate کرنا ثواب کا کام ہے۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ کیونکہ جب علاج کے سلسلہ میں ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا خون اور دیگر اعضاء بطور عطیہ دے سکتا ہے تو بال کیوں نہیں دے سکتا۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں گستاخ رسول کی سزا، قرآن و حدیث کو حفظ کرنے، درود شریف اور دیگر ذکر و اذکار، مختلف دعاؤں اور قرآنی سورتوں کو گن کر پڑھنے کی بابت بعض استفسارات بھجوا کر ان کے بارہ راہنمائی چاہی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 دسمبر 2019ء میں ان سوالوں کے درج ذیل جوابات ارشاد فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ قرآن و حدیث نے کسی گستاخ رسول کو اس دنیا میں سزا دینے کا کسی انسان کو اختیار نہیں دیا۔ خود آنحضرت ﷺ نے بھی کسی گستاخ رسول کو سزا نہیں دی اور اگر کسی بدبخت کی ایسی گستاخی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے محب رسول نے اس شخص کو سزا دینے کی حضور ﷺ سے اجازت مانگی تو حضور ﷺ نے انہیں بھی اس کی اجازت نہیں دی۔ اپنے آقا و مطاع کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یہی تعلیم بیان فرمائی ہے۔

اس کے ساتھ اسلام نے دنیا کے مختلف ادیان کے احباب حل و عقد اور دیگر اولو الامر کیلئے یہ راہنمائی بھی بیان فرمائی ہے کہ کسی کے مذہب اور ان کی قابل احترام شخصیات کا اس طرح ذکر نہ کیا جائے جو اس مذہب کے ماننے والوں کیلئے تکلیف کا باعث ہو۔

پس ایک طرف اسلام نے اس دنیا میں کسی انسان کو کسی گستاخ رسول کو سزا دینے کی اجازت نہیں دی تو دوسری طرف یہ تعلیم بھی دی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے مذہب اور ان کے پیشواؤں کا نامناسب الفاظ میں ذکر نہ کرے۔

2۔ قرآن کریم اور احادیث کو حفظ کرنے کا بہترین طریق انہیں توجہ اور کثرت کے ساتھ پڑھنا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی اسی قسم کی شکایتوں پر حضور ﷺ نے انہیں، ان امور کی طرف توجہ کرنے اور انہیں مسلسل اور کثرت سے پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی۔

3۔ درود شریف میں انہماک پیدا کرنے کا بھی یہی طریق ہے کہ محبت اور لگن کے ساتھ اس کا کثرت سے ورد کیا جائے۔ جس طرح ہم اپنے دوسرے کاموں میں دلچسپی لیتے اور ان کی طرف توجہ کرتے ہیں، اگر ان نیک کاموں میں بھی یہی محبت اور دلچسپی پیدا کریں تو ان شاء اللہ ضرور مقصود حاصل ہو گا۔

درود شریف کا کثرت سے ورد یقیناً بہت بابرکت ہے اور انسان کی ہر دعا حضور ﷺ پر درود کی بدولت ہی اللہ تعالیٰ کے حضور رسائی پاتی ہے جیسا کہ احادیث میں بیان ہوا ہے۔ اگر صرف درود شریف ہی پڑھنا ہر انسان کیلئے کافی ہوتا اور یہ چیز اسے باقی دعاؤں سے مستغنی کر دیتی تو مختلف مواقع پر حضور ﷺ خود درود شریف کے علاوہ دیگر دعائیں کیوں پڑھتے؟ اور دیگر صحابہ و صحابیات کو مختلف قسم کی دعائیں کیوں سکھاتے؟ چنانچہ احادیث میں بہت سی ایسی دعاؤں کا ذکر ملتا ہے، جو حضور ﷺ نے خود بھی کیں اور صحابہ اور صحابیات کو بھی سکھائیں۔ اور یہی طریق آپ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیات طیبہ میں ہمیں نظر آتا ہے۔

آنحضور ﷺ کے ارشاد اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کی بناء اگر کوئی شخص اس نیت سے کہ درود بھی اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے حصول کیلئے ایک وسیلہ ہے۔ اس حسن ظنی سے اپنی تمام مناجات آنحضور ﷺ پر درود بھیجنا ہی بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی اس نیت اور حسن ظنی کے مطابق اس سے سلوک کرے گا۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِی بِیْ

احادیث میں مختلف درود بیان ہوئے ہیں اور علماء امت میں بھی مختلف قسم کے درود رائج رہے ہیں۔ اور انہوں نے ان کے مختلف نام بھی رکھے ہوئے ہیں، جن میں سے بعض تفصیلی درود ہیں اور بعض مختصر ہیں۔ زیادہ برکت کا باعث اور مبارک درود تو یقیناً وہی ہے جو آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا اور آپؐ نے اپنے صحابہ کو سکھایا۔

ان امور میں اصل چیز تو انسان کی نیت، محبت اور توجہ ہے کہ کس طور پر وہ اللہ تعالیٰ کے پیار کو جذب کرنا چاہتا ہے۔ پس جس نیت، محبت اور توجہ سے وہ ان امور کو سر انجام دے گا اللہ تعالیٰ تک اس کی یہ نیت اور خلوص یقیناً پہنچ جاتا ہے۔

4۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے بعض احکامات سائل کی نفسیات کو سامنے رکھ کر بیان فرمائے ہیں اسی لئے ایک ہی قسم کے سوال پر آپ کی طرف سے مختلف جواب بھی بیان ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ نے جس شخص میں جیسی کمی محسوس کی اس کی اسی کے مطابق راہنمائی فرمائی۔ اس لئے بعض دعاؤں اور ذکر واذکار کو گن کر کرنے کا بھی احادیث میں ذکر ملتا ہے جس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کم از کم اس قدر تو ضرور ان دعاؤں اور ذکر واذکار کو بجالاؤ۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس امر کو خوب کھول کھول کر بیان فرمایا ہے کہ دعاؤں اور ذکر واذکار کو صرف طوطے کی طرح پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیار کو پانے کیلئے ان دعاؤں اور ذکر واذکار میں بیان اسلامی تعلیم کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا، ان کے مطابق عمل کرنا اور دیگر نیکیاں بجالانا بھی لازمی ہے۔ سورۃ الفاتحہ کو کثرت سے پڑھنے والا جب تک اس سورۃ میں بیان الٰہی صفات میں رنگین ہونے کی کوشش نہیں کرے گا اور قرآنی ہدایت صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اور حدیث رسول ﷺ تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ کا جامہ زیب تن نہیں کرے گا، صرف زبانی ذکر واذکار سے وہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ علم لدنی کے حصول کا بھی یہی ذریعہ ہے کیونکہ اسی طریق پر انسان اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اس کے پیار کو جذب کر سکتا ہے۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ لجنہ اماء اللہ ہالینڈ کی Virtual ملاقات مؤرخہ 22 اگست 2020ء میں لجنہ کی طرف سے پردہ کے متعلق ہونے والے ایک سوال کا جواب عطاء فرماتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جواب:۔ یہ پردہ صرف جماعت احمدیہ کا حکم نہیں ہے۔ ناصرات میں بھی اور لجنہ میں بھی یہ تربیت ہونی چاہیئے کہ پردہ کا حکم جو ہے یہ قرآن کریم کا حکم ہے، اللہ اور رسول کا حکم ہے۔ اس لئے جماعت

نے وہ کام کرنے ہیں جو اللہ اور رسول نے فرمائے ہیں۔ اور یہ ایسے حکم ہیں جن کا ذکر ہے، واضح حکم ہیں۔ قرآن کریم میں جو بعض خاص باتیں ہیں، اہم، کھلی کھلی واضح ہدایات، احکامات ان میں ایک پردہ کا حکم ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں۔ اس میں اگر صرف یہ ہوتا کہ کسی چیز سے استنباط کیا جاتا یا کسی چیز سے سمجھا جاتا، اس کو Interpret کیا جاتا کہ اس سے یہ مطلب نکلتا ہے تو پھر گنجائش نکل سکتی تھی کہ لڑکیاں سمجھیں یا عورتیں سمجھیں کہ ہاں یہاں پردہ کی اجازت ہے اور یہاں نہیں ہے۔ لیکن جب واضح حکم آگیا تو پھر ہم نے اس حکم پہ عمل کرنا ہے اور کروانا ہے۔ یہ باتیں اچھی طرح لڑکیوں کے دماغوں میں ڈال دیں تو پردہ کی طرف بھی توجہ پیدا ہوگی۔ اصل چیز یہ پیدا کریں کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے، حدیث ہے۔ جب حیاء پیدا ہو جائے گی تو خود بخود پردہ کی طرف بھی توجہ پیدا ہو جائے گی۔ چاہے وہ یونیورسٹی میں پڑھنے والی لڑکی ہے، وہ اپنے حیاء کے دائرہ میں رہے گی، اپنے لباس کا خیال رکھے گی اور پھر پردہ کا بھی خیال رکھے گی۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک ممبر لجنہ نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ممبرات لجنہ کے اخباروں میں لکھنے کیلئے کونسے اقدامات کئے جاسکتے ہیں؟ اس پر حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ جو بھی Contemporary Issues آتے ہیں اور اخباروں میں مضمون لکھے جاتے ہیں۔ یا آپ لوگ محسوس کرتے ہیں کہ آجکل سوشل میڈیا پہ یا کہیں یہ ڈسکس ہو رہے ہیں۔ اس کیلئے آپ سوشل میڈیا پہ، لجنہ کی ویب سائیٹ پہ جواب دیں تاکہ Awareness ہو۔ ہر ایک کو پتہ لگے کہ یہ اس کا اصل جواب ہے، اصل چیز یہ ہے۔ اسی طرح جو لکھنے والی ہیں ان Issues کے اوپر اسلام کے دفاع کیلئے اخباروں میں لکھیں کہ تم لوگ کہتے ہو کہ اسلام یہ کہتا ہے، یہ کہتا ہے۔ جبکہ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے۔ تو جتنی لکھنے والیاں ہیں ان کو Encourage کریں کہ سوشل میڈیا پہ جو مختلف Topics آتے ہیں ان Topics کو ہی لینا ہے تاکہ Attraction پیدا ہو۔ زیادہ سے زیادہ لوگ پڑھیں اور توجہ دیں اور آپ کی طرف توجہ ہو۔ مغرب میں عورتوں کے Issues کے اوپر اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ عورت کو آزادی نہیں ہے، عورت کو پردہ کی Restrictions ہیں، عورت کو فلاں پابندی میں رکھا جاتا ہے، عورت

پہ فلاں ظلم کیا جاتا ہے۔ اس پہ عورتوں کو ہی لکھنا چاہیئے کہ تم یہ کہتے ہو۔ میں ایک عورت ہوں، میں نے یہ یہ یہ لکھا ہے۔ یہاں یوکے میں بھی لجنہ لکھتی ہے اور اس کا اچھا اثر ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ مرد جواب دیں، عورتیں اس کا جواب دیں تو زیادہ اچھا اثر ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی ایک ٹیم بنائیں۔ اس کا علم بھی آپ کو ہونا چاہیئے۔ اسلامی تعلیم کا علم بھی ہونا چاہیئے۔ اور جب لکھیں تو تیاری کر کے باقاعدہ Facts and Figures کے لحاظ سے لکھنا چاہیئے تاکہ اگلے کو Impress بھی کر سکیں۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک ممبر لجنہ نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہالینڈ میں ابھی بہت کم ممبرات لجنہ ایسی ہیں جو Independently اچھا لکھ سکتی ہیں، اس کیلئے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اس پر حضور انور نے فرمایا:

جواب:۔ جو کم ہیں ان کو Guide کریں تو وہ تو تیار ہو جائیں گی ناں؟ جب ایک ٹیم دو کی، چار کی، چھ کی، آٹھ کی جتنی بھی ہیں وہ تیار ہو جائیں گی تو ان کو دیکھ دیکھ کے پھر مزید اور بھی تیار ہوتی رہیں گی۔ کم یا زیادہ کا سوال نہیں۔ کام کرنے والا تو ایک بھی ہو تو انقلاب آ جاتا ہے۔ تو جب جواب دیں گی تو خود ہی لوگ جواب لینے کیلئے آپ کے پیچھے پڑیں گے۔ پھر آپ مزید جواب لکھنا شروع کر دیں گی اور پھر دوسروں کو بھی Encouragement ہو جائے گی کہ ہم بھی شامل ہوں، ہم بھی لکھیں۔ کسی بھی چیز کو کرنے کیلئے یا لوگوں کو ابھارنے کیلئے کوئی Incentive ہوتا ہے تو وہ Incentive یہی ہے کہ جب دو چار کے نام اخباروں میں آئیں گے تو باقیوں کو بھی شوق پیدا ہو گا کہ ہمارا بھی نام آئے، ہم بھی لکھنے کی کوشش کریں۔ پھر آہستہ آہستہ اور بڑھتی جائیں گی۔

سوال:۔ لجنہ اماء اللہ ہالینڈ کی اسی 22 اگست 2020ء کی Virtual ملاقات میں ایک ممبر لجنہ نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ستار ہے۔ اور بچوں کے رشتے کرتے وقت جب ہم لڑکا لڑکی یا ان کے خاندان کے بارہ میں تحقیق کرواتے ہیں تو کیا یہ ٹھیک ہے؟ اس پر حضور انور نے فرمایا:

جواب:۔ اللہ تعالیٰ ستار تو ہے اور اللہ تعالیٰ ستاری کو پسند کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے عیب اگر کسی کو پتہ لگ جائیں تو وہ لوگوں کو بتانے نہیں چاہئیں اور پردہ پوشی کرنی چاہیئے۔ لیکن رشتہ کے بارہ میں قرآن کریم کا یہ بھی حکم ہے کہ قول سدید سے کام لو۔ جو بھی رشتہ ہے، لڑکے اور لڑکی میں جو بھی نقص ہیں، باتیں ہیں ان کا ایک دوسرے کو پتہ لگنا چاہیئے۔ بالکل سچائی سے کام لو، کوئی اینچ پینچ نہ ہو تاکہ بعد میں رشتہ میں دراڑیں نہ پڑیں۔ اس لئے ہر بات کھل کے بتا دینی چاہیئے۔ رشتہ کا معاملہ بڑا Sensitive معاملہ ہے۔ بعد میں لڑائیاں ہوتی ہیں، باتیں ہوتی ہیں کہ ہمیں یہ نہیں بتایا، وہ نہیں بتایا۔ تو اس لئے بہتر ہے کہ رشتہ کرتے ہوئے یہ ساری باتیں بتاؤ اور قرآن کریم کی نکاح کی آیات جو ہیں ان میں اسی لئے قول سدید کے بارہ میں زور دیا گیا ہے۔ ستاری کا ایک حکم اپنی جگہ ہے وہ یہ ہے کہ تم نے کسی کے عیب ظاہر نہیں کرنے۔ تم جو رشتہ بتا رہے ہو تو یہ بتا دو کہ یہ رشتہ ہے۔ باقی اگر آپ کو اس کے بارہ میں کوئی کمزوری کا پتہ بھی ہے، جس کا رشتہ تجویز کر رہے ہیں تو یہ بتا دیں کہ یہ رشتہ ہے تم لوگ خود ہی آپس میں بیٹھو، ملو، دیکھو، دعا کرو اور پھر فیصلہ کرو۔ اگر آپ نے ستاری کرنی ہے تو یہ ہے۔ نہ یہ ہے کہ رشتہ بتانے سے پہلے آپ اس کو یہ کہہ دیں کہ اس میں تو یہ نقص ہے، یہ نقص ہے، یہ نقص ہے اور اس کا رشتہ ہی نہ ہو۔ کہہ دیں یہ رشتہ ہے، تجویز ہے۔ اس میں اچھائیاں کیا ہیں، برائیاں کیا ہیں؟ یہ تم لوگ خود مل کے بیٹھ کے دیکھو اور اگر تم لوگوں کو پسند آتا ہے تو کر لو، پھر دعا کر کے فیصلہ کرو۔ اصل چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ اور غیب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کونسا رشتہ کس کیلئے بہتر ہے۔ اس لئے دعا کر کے فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ استخارہ بھی کرنا چاہیئے۔ استخارہ کا مطلب خیر مانگنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے خیر مانگنی چاہیئے۔ کہ اس رشتہ میں خیر ہے تو میرے لئے بہتری ہو اور آسانی سے رستے کھل جائیں۔ اور اگر اس رشتہ میں خیر نہیں ہے تو اس رشتہ میں میرے لئے روک پڑ جائے۔ تو ستاری کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ رشتہ کرتے ہوئے جو حقائق ہیں وہ بھی نہ بتائے جائیں۔ اگر آپس میں دونوں فریق مل بیٹھتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ قول سدید سے کام لیتے ہوئے آپس میں جو بھی اچھائیاں برائیاں ہیں۔ ایک دوسرے کا پتہ لگنا چاہیئے۔ ہر ایک شخص Perfect نہیں ہوتا، ہر ایک میں برائیاں بھی ہوتی ہیں اچھائیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ برائیوں کا اعلان کرتے پھرو۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات

ہے جس سے بعد میں رشتہ میں دراڑ پڑنے کا خطرہ ہو، ٹوٹنے کا خطرہ ہو تو بہتر ہے کہ وہ برائی یا وہ بات پہلے ہی بتادو۔ کوئی کمزوری ہے، کوئی بیماری ہے، کسی لڑکی میں اگر اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں یا کسی مرد میں کوئی کمزوری ہے تو وہ پہلے ہی ایک دوسرے کو پتہ لگ جانی چاہیئے۔ تاکہ بعد میں مسائل پیدا نہ ہوں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 18 مئی 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 14

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے عورتوں کے مخصوص ایام میں موبائل فون پر قرآن کریم پڑھنے کے بارہ میں مسئلہ دریافت کیا ہے۔ نیز پوچھا ہے کہ قرآن کریم میں حضرت مریم کیلئے ''اصطفاء'' کا لفظ استعمال کیوں کیا گیا ہے جبکہ وہ عورت تھیں اور نبی نہیں تھیں؟ حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 جنوری 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب: عورت کو قرآن کریم کا جو حصہ زبانی یاد ہو، وہ اسے ایام حیض میں ذکر و اذکار کے طور پر دل میں دہرا سکتی ہے۔ نیز بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کیلئے قرآن کریم کا کوئی حصہ پڑھ بھی سکتی ہے لیکن باقاعدہ تلاوت نہیں کر سکتی۔ اسی طرح ان ایام میں عورت کو کمپیوٹر یا موبائل فون وغیرہ پر جس میں اسے بظاہر قرآن کریم پکڑنا نہیں پڑتا باقاعدہ تلاوت کی تو اجازت نہیں لیکن کسی ضرورت مثلاً حوالہ تلاش کرنے کیلئے یا کسی کو کوئی حوالہ دکھانے کیلئے کمپیوٹر یا موبائل فون وغیرہ پر قرآن کریم سے استفادہ کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

جہاں تک قرآن کریم میں حضرت مریم کیلئے ''اصطفاء'' کے لفظ کے استعمال کی بات ہے تو قرآن کریم اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ صرف انبیاء کیلئے استعمال نہیں ہوا بلکہ کسی بھی غیر معمولی اور اہم کام کیلئے کسی کو منتخب کرنے کیلئے اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ کے اپنے بچوں کو یہ بتانے کیلئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے اس غیر معمولی دین کو چن لیا ہے، اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

(البقرہ:133)

یعنی اے میرے بیٹو! اللہ نے یقیناً اس دین کو تمہارے لئے چن لیا ہے۔ پس ہر گز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم (اللہ کے) پورے فرمانبردار ہو۔

پھر آل ابراہیمؑ اور آل عمران کی اُس زمانہ کے لوگوں پر فضیلت بیان کرنے کیلئے قرآن کریم نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ

(آل عمران:34)

یعنی اللہ نے آدم اور نوح (کو) اور ابراہیم کے خاندان اور عمران کے خاندان کو یقیناً سب جہانوں پر فضیلت دی تھی۔

اسی طرح حدیث میں بھی آتا ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا ذکر سب سے زیادہ پسند ہے تو آپ نے فرمایا:

مَا اصْطَفَاهُ اللّٰهُ لِمَلَآئِكَتِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيْ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيْ وَبِحَمْدِهٖ۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوات)

یعنی جو ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کیلئے پسند کیا ہے اور وہ ہے کہ سُبْحَانَ رَبِّيْ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيْ وَبِحَمْدِهٖ۔

پس ’’اصطفاء‘‘ کے معنیٰ اختیار کرنے، پسند کرنے اور چن لینے کے ہیں۔ یعنی کسی کی نہایت اعلیٰ صفات کی بناء پر اسے قریب کرنے یا اس کے نیک اعمال کی وجہ سے اسے اپنے قرب میں جگہ دینے کے ہیں۔

حضرت مریمؑ اگرچہ خدا تعالیٰ کی نبی تو نہیں تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی اعلیٰ صفات سے متصف فرمایا تھا کہ ان کی انہیں صفات کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کے ایک نبی حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں ان جیسی اولاد کے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی اور پھر حضرت زکریاؑ کی دعا کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صورت میں ایک نبی بیٹے سے نوازا۔

بنی اسرائیل کی خدا تعالیٰ کے انبیاء کی مسلسل نافرمانی کرنے، ان کے ساتھ استہزاء کرنے اور ان کی تکذیب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کے بطن سے ایک نبی بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور اس بچہ کی پیدائش میں بنی اسرائیل میں سے کسی مرد کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے نبوت جیسی عظیم نعمت ہمیشہ کیلئے چھین لی گئی۔

پس ان غیر معمولی صفات کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کیلئے قرآن کریم میں ''اصطفاء'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے جنگ جمل میں شہید ہونے والوں کے مقام کے بارہ میں، عورت کی آدھی گواہی تصور کر کے حضرت عائشہؓ سے مروی احادیث کے مقام کے بارہ میں نیز مخنث کی وراثت اور گواہی کے بارہ میں مسائل دریافت کئے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 جنوری 2020ء میں ان سوالات کے درج ذیل جوابات عطاء فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: جنگ جمل کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی ساری کارروائی کے پیچھے ان مفسدوں اور شریر لوگوں کا ہاتھ تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے کے بعد مدینہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور یہ جنگ بھی انہیں مفسدوں نے دو مسلمان گروہوں میں غلط فہمیاں پیدا کر کے اور کئی شرارتوں کو خود شروع کر کے بھڑکائی تھی۔ اُس زمانہ کی تاریخ اور ہمارے اِس زمانہ کے درمیان صدیوں کے پردے، بہت سی مشتبہ باتیں اور روایتیں حائل ہیں نیز کئی قسم کے شبہات جان بوجھ کر بھی اس میں داخل کئے گئے ہیں۔

لیکن دائمی حقیقت وہی ہے جسے قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رسول ﷺ اور حسن عمل کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں کے بارہ میں رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ جیسے قابل رشک الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اور بعد میں آنے والوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ ان لوگوں کے بارہ میں یہ دعا کرتے ہیں کہ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ

قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اے ہمارے ربّ! ہمیں بخش دے اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم پر سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے کوئی کینہ نہ رہنے دے۔ پس ان شواہد کی موجودگی میں ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس جنگ میں منافقین کے شر اور دھوکہ کا شکار ہو کر دونوں طرف سے شہید ہونے والے یقیناً معصوم لوگ تھے۔ جن کے بارہ میں ہمیں کوئی اختیار نہیں کہ ہم حکم بن کر ان کے بارہ میں کوئی فتویٰ جاری کریں کہ ان کا کیا مقام ہے۔

عورت کی گواہی کے متعلق یہ تصور درست نہیں کہ اس کی گواہی آدھی ہے۔ ایسے امور جن کا روز مرہ کے معاملات میں عورتوں سے تعلق نہیں ہوتا اگر ان میں مجبوراً عورت کی گواہی لینی پڑ جائے تو قرآن کریم نے ہدایت فرمائی ہے کہ گواہی دینے والی عورت کے ساتھ ایک دوسری عورت کو بھی شامل کر لیا جائے (چونکہ ان معاملات کا تعلق عورتوں سے نہیں ہے لہٰذا) اگر گواہی دینے والی عورت کسی وجہ سے بات بھول جائے تو دوسری عورت اسے یاد کروادے۔ ورنہ گواہی اس اکیلی عورت ہی کی شمار ہو گی۔

اور جو معاملات خاص طور پر عورتوں سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں ایک اکیلی عورت کی گواہی پر حضور ﷺ نے پورے معاملہ کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں یہ روایت مروی ہے کہ حضرت عقبہ بن حارثؓ نے ایک خاتون سے شادی کی۔ اس پر ایک عام عورت نے آکر کہا کہ اس نے اس شادی میں بندھنے والے میاں بیوی دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ خاوند کے اس عورت سے دودھ پینے سے لاعلمی کے اظہار کے باوجود حضور ﷺ نے ان میاں بیوی میں علیحدگی کروادی۔

جہاں تک مخنث کے حصہ ٔوراثت کا تعلق ہے تو جس طرف کی علامتیں اس میں غالب ہوں گی، اسی کے مطابق اسے وراثت میں سے حصہ ملے گا۔ اگر اس میں مرد کی علامتیں غالب ہیں تو مردوں والا حصہ اسے ملے گا اور اگر اس میں عورت کی علامات غالب ہوں تو اسے عورت تصور کر کے اس کے مطابق حصہ دیا جائے گا۔ اگر دونوں قسم کی علامتیں برابر ہوں تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کہ دونوں حصوں میں سے چھوٹا حصہ اسے ملے گا۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں استفسار کیا کہ کیا مذہب کی دنیا میں چالیس کے عدد کی کوئی خاص اہمیت ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 جنوری 2020ء میں اس بارہ میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جسمانی پختگی اور روحانی تکمیل کے ساتھ چالیس کے عدد کو ایک خاص مناسبت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ انسان کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً یعنی جب وہ اپنی پختگی کی عمر کو پہنچا اور چالیس سال کا ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰی ثَلٰثِیۡنَ لَیۡلَۃً وَّ اَتۡمَمۡنٰہَا بِعَشۡرٍ فَتَمَّ مِیۡقَاتُ رَبِّہٖۤ اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَۃً یعنی ہم نے موسیٰ کے ساتھ تیس راتوں کا وعدہ کیا اور انہیں دس (مزید راتوں) کے ساتھ مکمل کیا۔ پس اُس کے ربّ کی مقررہ مدت چالیس راتوں میں تکمیل کو پہنچی۔

ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت کے مقام پر سرفراز فرمایا گیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انسان اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی صورت میں، چالیس دن تک علقہ کی صورت میں اور چالیس دن تک مضغہ کی صورت میں رہتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیج کر اس میں روح پھونکتا ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص چالیس دن تک باجماعت نماز اس طرح پڑھے کہ تکبیر تحریمہ میں شامل ہو تو اس کیلئے آگ اور نفاق سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہوشیار پور میں چالیس دن کا چلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین اسلام کے شرف اور آنحضرت ﷺ کی صداقت و عظمت کے اظہار کیلئے ایک موعود بیٹے کی عظیم الشان بشارت سے نوازا۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میرے پاس چالیس دن تک رہے گا وہ ضرور کچھ اللہ تعالیٰ کے نشانات کا مشاہدہ کر لے گا۔

پھر چالیس سال کی عمر پختگی کی عمر کہلاتی ہے۔ اسی لئے جماعت میں انصار اللہ کی تنظیم چالیس سال کی عمر والوں سے شروع کی جاتی ہے۔

پس ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چالیس کا عدد دنیوی لحاظ سے پختگی کیلئے اور روحانی دنیا میں تکمیل کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ یاجوج ماجوج کون ہیں؟ نیز یہ کہ کیا آنحضرت ﷺ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تھا؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 جنوری 2020ء میں ان امور کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ آخری زمانہ میں اسلام نے جن مصائب اور فتنوں سے دوچار ہونا تھا، ان میں دجال اور یاجوج ماجوج کا خاص طور پر ذکر آتا ہے۔ اور دجال اور جاجوج ماجوج ایک ہی فتنہ کے مختلف مظاہر ہیں۔ دجال اس فتنہ کے مذہبی پہلو کا نام ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ گروہ آخری زمانہ میں لوگوں کے مذہبی عقائد اور مذہبی خیالات میں فساد پیدا کرے گا۔ اور اس زمانہ میں جو گروہ سیاسی حالات کو خراب کرے گا اور سیاسی امن و امان کو تباہ و برباد کرے گا اس کو یاجوج ماجوج کا نام دیا گیا ہے۔ اور ہر دو گروہوں سے مراد مغربی عیسائی اقوام کی دنیوی طاقت اور ان کا مذہبی پہلو ہے۔

لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے ذریعہ ہمیں یہ خبر بھی دی کہ جب دجال اور یاجوج ماجوج کے فتنے برپا ہوں گے اور اسلام کمزور ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسلام کی حفاظت کیلئے مسیح موعود کو مبعوث فرمائے گا۔ اس وقت مسلمانوں کے پاس مادی طاقت نہ ہو گی لیکن مسیح موعود کی جماعت دعاؤں اور تبلیغ کے ساتھ کام کرتی چلی جائے گی۔ جس کی بدولت اللہ تعالیٰ ان فتنوں کو خود ہلاک کر دے گا۔

آپ کا دوسرا سوال کہ کیا حضور ﷺ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تھا؟ اس کا جواب ہمیں احادیث سے ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے آنے والے مسیح موعود کو خواب میں دیکھا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں یہ حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات میں نے خواب میں اپنے آپ کو کعبہ کے پاس دیکھا۔ اور ایک گندمی رنگ کے آدمی کو دیکھا جیسے تم نے بہترین رنگ کے گندمی آدمی دیکھے ہوں گے ان سے بھی اچھا تھا۔ اس کے بال دونوں شانوں تک سیدھے لٹکتے تھے۔ اس کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اور وہ دو آدمیوں کے کاندھے پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ مسیح بن مریم ہیں۔ پھر میں نے ان کے پیچھے ایک اور آدمی کو دیکھا جو سخت گھنگریالے بالوں والا، داہنی آنکھ سے کانا تھا۔ اور ابن قطن (ایک کافر) سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔ وہ ایک آدمی کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے بیت اللہ کے گرد گھوم رہا تھا میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ مسیح دجال ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ (معراج کی رات) میں نے عیسیٰ موسیٰ اور ابراہیم (علیہم السلام) کو دیکھا۔ عیسیٰ (علیہ السلام) تو سرخ رنگ، گھنگریالے بال اور چوڑے سینہ کے آدمی تھے۔ رہے موسیٰ (علیہ السلام) تو وہ گندم گوں اور موٹے تازے سیدھے بالوں والے آدمی تھے گویا وہ (قبیلہ زط) کے آدمی ہیں۔

پس ان دونوں روایات میں حضرت مسیح علیہ السلام کے دو الگ الگ حلیوں کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے مسیح موسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا لیکن انہیں وفات یافتہ انبیاء حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے ساتھ دیکھا۔ اور اپنے روحانی فرزند اور غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی دیکھا جس نے دجال کے زمانہ میں مبعوث ہو کر اس کا مقابلہ کر کے اسلام کا دفاع کرنا تھا۔ اور اسے آپؐ نے طواف کعبہ کرتے دیکھا۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ ہالینڈ کی نومبائعات طالبات کی Virtual ملاقات مؤرخہ 23 اگست 2020ء میں ایک طالبہ نے عرض کیا کہ ہم آن لائن ایک کُردی

گروپ میں تبلیغ کر رہے ہیں جس میں بعض ملاں بھی شامل ہیں جو پاکستان سے پڑھے ہوئے ہیں۔ اگر اس گروپ کے لوگ ہماری بات سننے میں دیانتدار نہ ہوں تو کیا ہم اس گروپ میں تبلیغ کرتے رہیں یا نہیں؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس بارہ میں راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ اگر اس نے صرف بحث کرنی ہے تو اس میں وقت ضائع کرنے کا فائدہ کوئی نہیں ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ کچھ بہتر لوگوں کو Approach کریں اور ان کو تبلیغ کریں، جو سننے والے بھی ہوں۔ اور جو ڈھیٹ ہے اور جس نے صرف بحث کرنی ہے اور اعتراض پہ اعتراض کرتے رہنا ہے اور کوئی Senseوالی بات نہیں کرنی تو اس پہ وقت ضائع کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اگر تو اس کی نیت نیک ہے، وہ سننا چاہتا ہے اور اپنے اخلاق کے دائرہ میں Moral Codes کے اندر رہ کے بات کرتا ہے، پھر تو ٹھیک ہے، بات ہو سکتی ہے۔ اگر وہ غلط قسم کی باتیں کرتا ہے تو پھر اس کو چھوڑیں اور کوئی اور لوگ دیکھیں جو شریفانہ طور پہ بات کر سکیں، دلیل سے بات کریں اور اپنی بات کیلئے دلیل دیں اور ہماری دلیل سنیں۔ پھر اس کا پوری طرح انصاف کے ساتھ Analysis کریں، پھر دیکھیں کہ کیا سچ ہے کیا جھوٹ ہے۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک طالبہ نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ کے والدین کی کونسی نصیحت آپ کیلئے سب سے زیادہ مفید ثابت ہوئی ہے؟ اس پر حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ یہی کہ کبھی جھوٹ نہیں بولنا۔

سوال:۔ ایک طالبہ نے کہا کہ آجکل سوشل میڈیا میں خبر پھیلی ہے کہ کپڑوں کے بڑے بڑے Brands کروناوائرس کی وجہ سے پاکستان اور بنگلہ دیش میں اپنے غریب ملازمین کو ان کا پورا حق نہیں دیتے۔ اکثر لوگوں کا کہنا ہے کہ ان Brands کا بائیکاٹ ہونا چاہیئے۔ حضور کا اس بارہ میں کیا ارشاد ہے؟ اس سوال پر حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ سوال یہ ہے کہ یہاں کی یہ جو بڑی کمپنیاں ہیں وہ تو پیسے دے دیتی ہیں۔ کیونکہ یہ تو Direct اپنے Labours کے یا جو بھی ان کے ساتھ Workers ہیں ان کے پاس نہیں جاتے۔ وہاں کے کچھ لوگ ہیں جو Contract لیتے ہیں، وہ آگے Contract پہ کام کرواتے ہیں۔ یہ بڑی کمپنیاں ان کو Contract دے دیتی ہیں اور وہ آگے پھر Local Labour سے کام لیتے ہیں اور وہ اگر ان کو صحیح طرح لیبر نہیں دیتے تو وہ Exploit کرتے ہیں۔ تو وہ اُس ملک کے رہنے والوں کا قصور ہے۔ یہاں کی کمپنیوں کا تو قصور اتنا نہیں۔ کیونکہ عموماً یہی دیکھا گیا ہے کہ یہ لوگ تو پیسے دے دیتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ الاماشاء اللہ شاید کوئی ہو جو نہ دیتی ہو۔ کیونکہ ان کے بڑے بزنس چل ہی اس لئے رہے ہیں کہ یہ Fair بزنس کرنے والے ہیں اور جو بھی لیبر مقرر ہو انصاف سے دیتے ہیں۔

یہ اور بات ہے کہ تھوڑی لیبر دیتے ہیں۔ اور یہ اور بات ہے کہ وہ کام بنگلہ دیش سے یا سری لنکا سے یا انڈیا سے یا پاکستان سے یا کسی بھی اور غریب ملک سے کرواتے ہی اس لئے ہیں کہ یہاں تھوڑی لیبر پہ کام ہو جائے گا۔ لیکن جو بھی لیبر ان کی مقرر ہوتی ہے وہ دے دیتے ہیں۔

آگے جو ان کے Sub-Contractors ہیں، جنہوں نے آگے جن کو Contract دیا ہوتا ہے اور پھر آگے وہ Labour سے کام لیتے ہیں وہ اصل میں Cheat کر رہے ہوتے ہیں۔ تو بائیکاٹ کرنے سے کیا فائدہ ہے، جو تھوڑی بہت ان کی آمدنی ہے وہ بھی ان کے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ باقی وہاں کے ملک کا جو قانون ہے، بنگلہ دیش یا جس ملک میں بھی یہ غلط کام ہو رہا ہے وہاں کا قانون ہے، اُن کو چاہیئے کہ اپنی Labour کا خیال رکھیں اور جو بیچ میں ایسے لوگ ہیں ان سے صحیح ان کا حق دلوائیں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 15 جون 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 15

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ خاکسار کی ملاقات مؤرخہ 13 اپریل 2021ء میں خادم کے عرض کرنے پر کہ کیا کسی آن لائن سسٹم کے تحت نماز تراویح ادا کی جاسکتی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ اگر مسجد اور اس کے عقب میں گھر ایک ہی Location میں ہوں جیسا کہ اسلام آباد یوکے کے نئے مرکز احمدیت میں مسجد مبارک اور اس کے عقب میں کارکنان کے گھر ہیں تو لاؤڈ سپیکر اور ایف ایم ریڈیو وغیرہ کے مواصلاتی ذریعہ سے جس کے منقطع ہونے کے بہت کم امکانات ہوتے ہیں صرف مجبوری کی حالت میں جیسا کہ آجکل کرونا وائرس کی وبا کی وجہ سے مجبوری ہے، نماز تراویح اور دیگر نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ لیکن اگر مسجد اور مکانات الگ الگ Locations میں ہوں یا مکانات مسجد کے آگے ہوں تو ایسے گھروں کے مقیم اس طرح مسجد میں ہونے والی نمازوں کی اقتداء میں نمازوں کی ادائیگی نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ اپنے اپنے گھروں میں اپنی باجماعت نماز پڑھ سکتے ہیں۔

سوال:۔ اسی طرح اسی ملاقات میں خاکسار نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آجکل کے مجبوری کے حالات میں جبکہ گھر والے افراد گھر پر نماز باجماعت ادا کریں تو کیا عورت نماز باجماعت کیلئے اقامت کہہ سکتی ہے، نیز امام کے بھولنے پر لقمہ دے سکتی ہے؟ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ اگر صرف گھر کے مرد اور عورتیں ہوں تو لقمہ دے سکتی ہے، لیکن غیر مرد ہوں تو حسب ارشاد حضور ﷺ کسی بھول، سہو کی صورت میں تالی بجائے گی۔ لقمہ نہیں دے گی یا سبحان اللہ نہیں کہے گی۔

نیز فرمایا:۔ عورت اقامت نہیں کہے گی خواہ گھر میں ہی نماز ہو رہی ہو کیونکہ حضور ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں بھی آتا ہے کہ آپ جب کسی مجبوری کی وجہ سے گھر پر نماز ادا کرتے تھے اور حضرت اماں جانؓ کو نماز میں اپنے ساتھ کھڑا کر لیا کرتے تھے (حضور علیہ السلام کے حضرت اماں جانؓ کو ساتھ کھڑے کرنے کی مجبوری بھی حضرت اماں جانؓ نے بیان فرمائی ہوئی ہے) لیکن یہ کہیں نہیں آتا کہ آپ نے حضرت اماں جانؓ کو اقامت کہنے کا ارشاد فرمایا ہو۔ اس لئے اقامت مرد خود ہی کہے گا اور ویسے بھی اقامت کے متعلق تو حدیث میں بھی آتا ہے کہ بوقت ضرورت امام خود بھی کہہ سکتا ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے ارشاد مبارک میں جس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا وہ سنن ترمذی میں عمرو بن عثمان بن یعلی بن مرہ سے مروی ہے، جسے وہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا (حضرت یعلی بن مرہؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ چنانچہ جب وہ ایک تنگ جگہ میں پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ وہاں اوپر آسمان سے بارش برسنے لگی اور نیچے زمین پر کیچڑ ہو گیا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری پر سوار رہتے ہوئے اذان دی اور اقامت کہی۔ پھر حضور ﷺ نے اپنی سواری آگے کی اور اشاروں سے انہیں نماز پڑھاتے ہوئے ان کی امامت کروائی۔ آپ سجدے میں رکوع سے زیادہ جھکتے تھے۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاۃ بَاب مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الدَّابَّةِ فِي الطِّينِ وَالْمَطَرِ)

سوال:۔ بلاد عرب سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ مِلکِ یمین سے کیا مراد ہے۔ نیز طلاق کی صحیح شرائط کیا ہیں اور ایک دفعہ زبانی طلاق کہنے سے طلاق واقع ہونے کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 جنوری 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جبکہ دشمنان اسلام مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلموں کا نشانہ بناتے تھے اور اگر کسی غریب مظلوم مسلمان کی عورت ان کے ہاتھ آجاتی تو وہ اسے لونڈی کے طور پر

اپنی عورتوں میں داخل کر لیتے تھے۔ چنانچہ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا کی قرآنی تعلیم کے مطابق دشمن اسلام کی ایسی عورتیں جو اسلام پر حملہ کرنے والے لشکر کے ساتھ ان کی مدد کیلئے آتی تھیں اور اُس زمانہ کے رواج کے مطابق جنگ میں بطور لونڈی کے قید کر لی جاتی تھیں۔ اور پھر دشمن کی یہ عورتیں تاوان کی ادائیگی یا مکاتبت کے طریق کو اختیار کر کے جب آزادی بھی حاصل نہیں کرتی تھیں تو چونکہ اس زمانہ میں ایسے جنگی قیدیوں کو رکھنے کیلئے کوئی شاہی جیل خانے وغیرہ نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے انہیں مجاہدین لشکر میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اسلامی اصطلاح میں ان عورتوں کو مِلکِ یمین کہا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں مِلکِ یمین کے سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام برسرپیکار دشمن کی عورتوں کے ساتھ صرف اس وجہ سے کہ وہ برسرپیکار ہیں قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ جو بھی دشمن ہے ان کی عورتوں کو پکڑ لاؤ اور اپنی لونڈیاں بنالو۔ بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جب تک خونریز جنگ نہ ہو تب تک کسی کو قیدی نہیں بنایا جاسکتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ (الانفال:68) یعنی کسی نبی کیلئے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کئے بغیر قیدی بنائے تم دنیا کی متاع چاہتے ہو جبکہ اللہ آخرت پسند کرتا ہے اور اللہ کامل غلبہ والا (اور) بہت حکمت والا ہے۔

یہاں جب خونریز جنگ کی شرط لگا دی تو پھر میدان جنگ میں صرف وہی عورتیں قیدی کے طور پر پکڑی جاتی تھیں جو محاربت کیلئے وہاں موجود ہوتی تھیں۔ اس لئے کہ وہ صرف عورتیں نہیں ہوتی تھیں بلکہ حربی دشمن کے طور پر وہاں آئی ہوتی تھیں۔

پس اسلام انسانوں کو لونڈیاں اور غلام بنانے کے حق میں ہرگز نہیں ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اُس وقت کے مخصوص حالات میں مجبوراً اس کی وقتی اجازت دی گئی تھی لیکن اسلام نے اور آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بڑی حکمت کے ساتھ ان کو بھی آزاد کرنے کی ترغیب دی اور جب تک وہ خود آزادی حاصل نہیں کر لیتے تھے یا انہیں آزاد نہیں کر دیا جاتا تھا، ان سے حسن واحسان کے سلوک کی ہی تاکید فرمائی گئی۔

اور جونہی یہ مخصوص حالات ختم ہوگئے اور ریاستی قوانین نے نئی شکل اختیار کر لی جیسا کہ اب مروج ہے تو اس کے ساتھ ہی لونڈیاں اور غلام بنانے کا جواز بھی ختم ہو گیا۔ اب اسلامی شریعت کی رو سے لونڈی یا غلام رکھنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ بلکہ حکم وعدل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اب موجودہ حالات میں اس کو حرام قرار دیا ہے۔

طلاق کی شرائط یہ ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو پورے ہوش وحواس میں اپنی مرضی سے طلاق دے تو طلاق خواہ زبانی ہو یا تحریری، ہر دو صورت میں مؤثر ہو گی۔

اسی طرح ایک دفعہ زبانی کہی ہوئی طلاق بھی طلاق ہی شمار ہو گی البتہ عدت کے اندر خاوند کو رجوع کا حق ہے بشرطیکہ یہ تیسری طلاق نہ ہو۔ کیونکہ تیسری طلاق کے بعد نہ عدت میں رجوع ہو سکتا ہے اور نہ ہی عدت کے بعد نیا نکاح ہو سکتا ہے، جب تک کہ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ والی شرط پوری نہ ہو یعنی یہ بیوی کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور تعلقات زوجیت کے بعد وہاں سے بغیر کسی منصوبہ بندی کے طلاق یا خلع کے ذریعہ علیحدگی ہو جائے یا اس خاوند کی وفات ہو جائے تو تب یہ عورت اس پہلے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔

البتہ ایک ہی وقت میں تین مرتبہ دی جانے والی طلاق صرف ایک ہی طلاق شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ کتب احادیث میں حضرت رکانہ بن عبد یزیدؓ کا واقعہ ملتا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین طلاقیں دیدیں، جس کا انہیں بعد میں افسوس ہوا۔ جب یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس طرح ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی طلاق سے رجوع کر لیا اور پھر اس بیوی کو حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں دوسری اور حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں تیسری طلاق دی۔

(مسند احمد بن حنبل، من مسند بنی ھاشم، بدایۃ مسند عبد اللہ بن العباس۔ حدیث نمبر 2266)

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ایک احمدی کے کسی غیر احمدی کے جنازہ پڑھنے کے بارہ میں نیز بینک کے ساتھ مختلف معاملات لین دین کے بارہ میں مسائل

دریافت کئے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 جنوری 2020ء میں ان سوالات کے درج ذیل جوابات عطاء فرمائے۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ غیر احمدیوں کی نماز جنازہ پڑھنے کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا مؤقف ہے کہ جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا صریح مکذب اور مکفر تھا اس کا جنازہ پڑھنا تو کسی طرح درست نہیں۔ لیکن جو شخص حضور کے دعاوی کا انکاری نہیں تھا لیکن اس نے حضور کے دعاوی کی تصدیق بھی نہیں کی۔ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنے والے اگر دوسرے لوگ موجود ہوں تو احمدیوں کو اس کی نماز جنازہ سے احتراز کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر کسی جگہ کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اس کا جنازہ پڑھنے والا کوئی موجود نہ ہو تو احمدی اپنے امام کی اقتداء میں اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے کیونکہ کوئی کلمہ گو بغیر نماز جنازہ کے دفن نہیں ہونا چاہیئے۔

غیر حکومتی بینکوں یا مالیاتی اداروں کے ساتھ لین دین کے معاملات میں اگر سود شامل ہو تو یہ ناجائز ہے۔ لیکن اگر لین دین نفع نقصان کی شراکت کے طریق پر ہو تو جائز ہے۔

اسی طرح حکومتی بینکوں یا حکومتی مالیاتی اداروں میں جمع کروائی جانے والی رقوم پر ملنے والی زائد رقم سود شمار نہیں ہوتی۔ کیونکہ حکومتی بینک اور مالیاتی ادارے اپنے سرمایہ کو رفاہی کاموں پر لگاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ملکی باشندوں کی سہولتوں کیلئے مختلف منصوبے بنائے جاتے ہیں، معیشت میں ترقی ہوتی ہے اور افرادِ ملک کیلئے روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسے بینکوں اور مالیاتی اداروں سے ملنے والے منافع کو ذاتی استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال:۔ جرمنی سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ حضور انور نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا ہے کہ ”سچے مومن کو اپنے بیوی بچوں کیلئے بھی دعا کرنی چاہیئے کیونکہ حضرت آدمؑ کو پہلا فتنہ بھی ایک عورت کی وجہ سے پیش آیا۔“ جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ بائبل کا بیان ہے کہ حوّا حضرت آدم کو گمراہی کی طرف

لیکر گئیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 فروری 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضورانور نے فرمایا:

جواب:۔ آپ نے میرے جس خطبہ کا حوالہ دیا ہے، اس میں بھی میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اقتباس پڑھا ہے۔ اس اقتباس میں حضور علیہ السلام نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ توریت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر آنے والے بلعم کے ایمان کے ضائع ہونے کی وجہ بھی اس کی بیوی ہی تھی جسے بادشاہ نے بعض زیورات دکھا کر لالچ دی اور اس نے بلعم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کرنے پر اکسایا اور جس وجہ سے بلعم کا ایمان ضائع ہو گیا۔

علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بعض تصنیفات میں قرآن کریم کے حوالہ سے یہ مضمون بھی بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدم نے عمداً میرے حکم کو نہیں توڑا بلکہ اس کو یہ خیال گذرا کہ حوّا نے جو یہ پھل کھایا اور مجھے دیا شاید اُس کو خدا کی اجازت ہو گئی جو اُس نے ایسا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے اپنی کتاب میں حوّا کی بریت ظاہر نہیں فرمائی مگر آدم کی بریت ظاہر کی اور اس کی نسبت فرمایا ہے کہ لَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا اور حوّا کو سخت سزا دی۔

اسی طرح ایک جگہ حضور علیہ السلام نے اس مضمون کو بھی بیان فرمایا ہے کہ جس طرح چھٹے روز کے آخری حصے میں آدم پیدا ہوا اسی طرح چھٹے ہزار کے آخری حصہ میں مسیح موعود کا پیدا ہونا مقدر کیا گیا اور جیسا کہ آدم نحّاش کے ساتھ آزمایا گیا جس کو عربی میں خنّاس کہتے ہیں جس کا دوسرا نام دجال ہے ایسا ہی اس آخری آدم کے مقابل پر نحّاش پیدا کیا گیا تا وہ زن مزاج لوگوں کو حیات ابدی کی طمع دے جیسا کہ حوّا کو اس سانپ نے دی تھی جس کا نام توریت میں نحّاش اور قرآن میں خنّاس ہے۔

یہ بات بائبل کے حوالہ سے بیان ہو یا قرآنی احکامات کی روشنی میں، اصل میں اس میں مرد اور عورت دونوں کی بعض فطرتی کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا گیا۔ چنانچہ جہاں اس میں عورت کی یہ فطرتی کمزوری بیان کی گئی ہے کہ اس میں طمع اور لالچ کا مادہ پایا جاتا ہے وہاں اس میں اپنی ادا اور چالبازی کے ساتھ مرد کو ورغلانے اور اپنی بات منوانے کا گر بھی پایا جاتا ہے۔ اسی طرح جہاں مرد خود کو بہت ہوشیار اور عقلمند سمجھتا

ہے وہاں اس میں یہ کمزوری بھی ہے کہ وہ بہت جلد عورت کی باتوں میں آجاتا ہے۔ اور اس حقیقت کو آنحضور ﷺ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

مَارَأَيْتُ مِنْ نَّاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ يَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ

(صحیح بخاری)

یعنی اے عورتوں کے گروہ! دین و عقل میں نسبتاً کم ہونے کے باوجود میں نے تم سے بڑھ کر کسی چیز کو نہیں دیکھا جو بڑے بڑے عقلمند اور مضبوط ارادہ والے مرد کی عقل مار دے۔ عورت کے اسی فطرتی نقص اور فطرتی ہنر سے جہاں ماضی کی بعض تنظیمیں اپنا مفاد حاصل کرتی رہی ہیں وہاں آج کے اس ترقی یافتہ زمانہ میں بھی بڑے بڑے ممالک کی اکثر جاسوسی تنظیمیں فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ان تنظیموں میں بہت سی عورتوں کو صرف اس لئے رکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی اداؤں اور چالاکیوں سے کام لے کر مخالف تنظیموں یا اداروں کے مردوں سے ان کے راز نکلوائیں، اور اس میں انہیں کامیابی بھی ہوتی ہے۔

پس یہ وہ امور ہیں جن کا تعلق عورت اور مرد کی اس دنیوی زندگی کے ساتھ ہے لیکن اس کے ساتھ اسلام نے یہ تعلیم بھی دی ہے کہ حقوق و فرائض کے معاملہ میں نیز نیکیوں کے بجالانے پر ثواب کے ملنے میں عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں۔ پس جس طرح مرد کی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق اس کے کچھ حقوق اور کچھ ذمہ داریاں ہیں اسی طرح عورت کی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق اس کے بھی ایسے ہی کچھ حقوق اور کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ ان حقوق و فرائض کے بارہ میں ان میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح جہاں ایک مرد کسی نیکی کے بجالانے پر ثواب کا حقدار ہوتا ہے اسی طرح عورت بھی اس نیکی کے بجالانے پر اسی قدر اور بعض امور میں اپنی صلاحیت اور قابلیت کی بناء پر نسبتاً کم مشقت والی نیکی بجالانے پر مرد کے برابر اور بعض صورتوں میں اس سے زیادہ ثواب کی حقدار قرار پاتی ہے۔ اسلام کی یہ وہ خوبصورت تعلیم ہے جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی اور مذہب یا دنیا کی کوئی اور تعلیم ہرگز نہیں کر سکتی۔

سوال:۔ گلشن وقف نو ناصرات کینیڈا جولائی 2012ء میں ایک بچی نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ایک دفعہ میں نے مینا بازار میں دیکھا تھا کہ مہندی کے سٹال پہ Signs تھے کہ وہ منہ پہ Face Paint کرتے ہیں اور Tattoos بھی لگاتے ہیں۔ تو کیا یہ اسلام میں جائز ہے؟ اس پر حضور انور نے ارشاد فرمایا:

جواب:۔ جو Tattoos لگاتے ہیں اور Face Paint کرتے ہیں، وہ غلط کرتے ہیں۔ مہندی کے سٹال پر صرف مہندی ہونی چاہیئے۔ اگر لجنہ کی صدر نے یہ اس طرح رکھا ہوا تھا تو بالکل غلط کیا ہوا تھا۔ منہ پہ بھی مہندی لگادو، پاگل بنادو، کارٹون بنادو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان بنایا ہے تم اس کو جانور بنادو۔ مہندی کا جو سٹال ہے، اس پہ مہندی صرف ہاتھ پہ لگالو (اس موقعہ پر حضور انور نے ہاتھ کی سیدھی اور الٹی طرف نیز کلائی تک اشارہ کرکے فرمایا کہ) یہاں تک لگالو۔ جو تم عورتوں کا سنگھار ہے، اس میں جائز ہے۔ لیکن منہ پہ مہندی لگانا یا Tattooing کروانا اسلام میں منع ہے۔ (اس موقعہ پر حضور انور نے صدر صاحبہ لجنہ کینیڈا سے بھی جواب طلبی فرمائی کہ ایسا کیوں کیا ہوا تھا۔ اور پھر ان کے جواب پر حضور انور نے مزید فرمایا) Face Painting کس لئے رکھی تھی؟ نہیں ہونی چاہیئے یہاں وہ جو جن بھوت بناتے ہیں، وہ آپ نے بنانا تھا؟ (صدر صاحبہ کے عرض کرنے پر کہ تبلیغ کیلئے کیا تھا اس کے جواب میں حضور انور نے فرمایا) تبلیغ کیلئے کیا تھا تو تبلیغ کیلئے صرف Face Painting ہی رہ گئی ہے۔ چہرے بگاڑنے کا کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اسلام نے اس کا بڑا واضح طور پہ حکم دیا ہوا ہے۔ نئی نئی رسمیں نہ پیدا کریں۔ رسمیں تو آپ لوگ پیدا کر رہے ہیں، بدعات تو آپ لوگ لجنہ والے پیدا کر رہے ہیں۔ تو اصلاح آپ نے کیا کرنی ہے؟ اسی طرح نیکی کے نام پہ بدعات اندر گھستی ہیں۔ حضرت آدم کو جو شیطان نے بھٹکایا تھا، یہ نہیں کہا تھا کہ تم یہ کرو تو اس سے بڑا لطف اٹھاؤ گے۔ پہلے اس نے نیکی کی بات کرکے کہا تھا کہ یہ کرو، یہ بڑی نیکی ہے اور تم ہمیشہ کیلئے نیک بن جاؤ گے۔ شیطان نے آدم کو اسی طرح بھٹکایا تھا ناں؟ ہمیشہ کیلئے نیک بنانے کے وعدہ پہ۔ حالانکہ وہ شیطانی وعدہ تھا۔ تو یہی شیطانی کام آپ لوگ کر رہے ہیں۔ یہ نئی نئی بدعات پیدا کر رہے ہیں۔ لجنہ اور عہدیداروں کا کام یہ ہے کہ خلیفۂ وقت کے منہ کو دیکھیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اپنی اپنی بدعات نہ

پیدا کریں، اپنی اپنی رسمیں نہ پیدا کریں اور بچیو! تم لوگ میری جاسوس بنو اور صحیح صحیح باتیں بتایا کرو۔ ٹھیک ہے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 22جون 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر16

سوال :ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ بعض آزاد خیال اور نام نہاد حقوق نسواں کی علمبر دار خواتین کا اسلام کے خلاف ایک اعتراض یہ ہے کہ قرآن و احادیث میں مردوں کو جنت میں ملنے والی نعماء از قسم شراب، مختلف الانواع کھانے اور عورتوں کے ملنے کا وعدہ ہے، جبکہ اس دنیا میں جو شخص ان چیزوں کو استعمال کرے وہ بُرا انسان کہلاتا ہے۔ اسی طرح یہ وعدے صرف مردوں کیلئے ہیں اور عورتیں اس دنیا میں جو کچھ بھی کر لیں ان کیلئے ایسا کوئی وعدہ نہیں ہے۔ اس بارہ میں تفصیلی جواب کی درخواست ہے۔

جواب : حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 مارچ 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے اعتراضات اسلام کی نہایت خوبصورت تعلیم سے کلیۃً ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے اسلام مخالفین تو اسلام کی تعلیم کو نہ جاننے کی وجہ سے ایسے اعتراضات کرتے ہیں لیکن افسوس اور تکلیف کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمان کہلانے والے لوگ بھی چونکہ صرف نام کے مسلمان ہوتے ہیں اور قرآن و حدیث میں بیان مذہبی تعلیم کا حصول ضروری نہیں سمجھتے اور مادی دنیا ان کے دل و دماغ پر اس طرح حاوی ہوتی ہے کہ اسی کی چمک دمک کے پیچھے اپنی ساری زندگی گنوا دیتے ہیں اور زندگی کے اصل مقصد اور مدعا ''عبودیت خداوندی'' کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور اخروی زندگی کی نہایت مصفیٰ اور پاکیزہ نعماء کو بھی اسی دنیوی زندگی کے میلے کچیلے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے پھر اس قسم کے اعتراضات ان کے دلوں میں جنم لیتے ہیں۔

قرآن کریم میں بیان جنت کی نعماء کو تمثیل کے رنگ میں جہاں اس دنیا کی مختلف اشیاء کے ناموں سے بیان کیا گیا ہے وہاں جنت کی ان نعماء کو ہر قسم کی آلائش اور بد اثر سے پاک بھی قرار دیا گیا۔

چنانچہ قرآن کریم نے جنت میں ملنے والی مختلف اقسام کی شراب ہائے طہور کو کئی ناموں اور کیفیتوں کے ساتھ بیان کیا ہے جو عقل، نشاط اور عشق الٰہی پیدا کرتی ہیں۔ خوشبودار، معطر اور پاک ہیں۔ اور جو لوگ انہیں پیتے ہیں وہ ناقابل بیان روحانی نشہ سے مسرور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الصّافات میں فرمایا ہے کہ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (الصّافات :46-48) یعنی (چشموں کے) پانیوں سے بھرے ہوئے گلاس ان کے پاس لائے جائیں گے۔ نہایت شفّاف، پینے والوں کیلئے سراسر لذت۔ ان (مشروبات) میں نہ کوئی نشہ ہو گا اور نہ وہ ان کے اثر سے عقل کھو بیٹھیں گے۔ سورۃ الواقعہ میں فرمایا ہے کہ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ (الواقعہ:18-20) یعنی ان کے پاس خدمت کیلئے کثرت سے نو عمر لڑکے آئیں گے جو کہ ہمیشہ اپنی نیکی پر قائم رکھے جائیں گے۔ کٹورے اور صراحیاں اور شفاف پانی سے بھرے ہوئے پیالے لئے ہوئے۔ اس کے اثر سے نہ وہ سر درد میں مبتلا کئے جائیں گے، نہ بہکی بہکی باتیں کریں گے۔ سورۃ الدھر میں فرمایا ہے کہ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا (الدھر: 6) نیز فرمایا کہ وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا (الدھر: 18) پھر فرمایا وَ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الدھر: 22) یعنی خدا کے نیک بندے ایسے پیالے پئیں گے جن میں کافور کی خاصیت ملائی گئی ہو گی اور (مومنوں) کو ان (جنتوں) میں ایسے گلاسوں سے پانی پلایا جائے گا جن میں سونٹھ ملی ہوئی ہو گی۔ ان کا رب انہیں پاک کرنے والی شراب پلائے گا۔ سورہ المطففین میں فرمایا ہے کہ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ (المطففین:26-29) یعنی انہیں خالص سر بمہر شراب پلائی جائے گی۔ اس کے آخر میں مشک ہو گا۔ اور چاہیے کہ خواہش رکھنے والے (انسان) ایسی (ہی) چیز کی خواہش کریں۔ اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہو گی۔ (ہماری مراد اس) چشمہ (سے) ہے جس سے مقرب لوگ پئیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جنت کی شراب کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”شراب صافی کے پیالے جو آبِ زُلال کی طرح مصفّٰی ہوں گے بہشتیوں کو دیئے جائیں گے۔ وہ شراب ان سب عیبوں سے پاک ہو گی کہ درد سر پیدا کرے یا بیہوشی اور بدمستی اس سے طاری ہو۔

بہشت میں کوئی لغو اور بیہودہ بات سننے میں نہیں آئے گی اور نہ کوئی گناہ کی بات سنی جائے گی بلکہ ہر طرف سلام سلام جو رحمت اور محبت اور خوشی کی نشانی ہے سننے میں آئے گا...... اب ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ وہ بہشتی شراب دنیا کی شرابوں سے کچھ مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتی بلکہ وہ اپنی تمام صفات میں ان شرابوں سے مبائن اور مخالف ہے اور کسی جگہ قرآن شریف میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ دنیوی شرابوں کی طرح انگور سے یا قند سیاہ اور کیکر کے چھلکوں سے یا ایسا ہی کسی اور دنیوی مادہ سے بنائی جائے گی بلکہ بار بار کلام الٰہی میں یہی بیان ہوا ہے کہ اصل تخم اس شراب کا محبت اور معرفت الٰہی ہے جس کو دنیا سے ہی بندہ مومن ساتھ لے جاتا ہے۔ اور یہ بات کہ وہ روحانی امر کیونکر شراب کے طور پر نظر آجائے گا۔ یہ خدائے تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جو عارفوں پر مکاشفات کے ذریعہ سے کھلتا ہے اور عقلمند لوگ دوسری علامات و آثار سے اس کی حقیقت تک پہنچتے ہیں۔"

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 157)

اسی طرح جنت میں ملنے والے جوڑوں کی پاکیزگی کو بھی صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ وہ نہایت پاک اور نیک ساتھی ہوں گے جنہیں بیش قیمتی موتیوں کی طرح خیموں میں چھپا کر رکھا گیا ہوگا انہیں ان جنتیوں سے پہلے کسی جن و انس نے مَس تک نہیں کیا ہوگا۔ اور سب سے اہم بات یہ بیان فرمائی ہے کہ وَ زَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ (سورۃ الطور: 21) یعنی ہم جنتیوں کو ان نہایت خوبصورت ساتھیوں کے ساتھ بیاہ دیں گے۔

پس جنت صرف عیش و طرب کی جگہ نہیں بلکہ نہایت قابل قدر اور ایک روحانی مقام ہے۔ اگرچہ جنت کی نعمتوں کے نام دنیاوی چیزوں جیسے رکھے گئے ہیں لیکن ان سے مراد روحانی نعمتیں ہیں نہ کہ کوئی جسمانی اشیاء۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی دولتمند شخص کسی عالم سے کہے کہ میرے پاس مال ہے تو وہ عالم اپنے کتب خانہ کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ میرے پاس تم سے بھی بڑھ کر خزانہ ہے۔ اس جواب کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ ان کتابوں میں روپیہ بھرا ہوا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس چیز کو تم خزانہ کہتے ہو اس سے زیادہ فائدہ والی چیز میرے پاس موجود ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ تفسیر کبیر میں اسی قسم کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اوّل تو یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن کریم نے صاف طور پر بیان کر دیا ہے کہ اگلے جہان کے انعامات کا سمجھنا انسانی عقل سے بالا ہے پس اس دنیا کی زندگی سے اُخروی زندگی کا قیاس کرنا درست نہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (السجدہ:18) یعنی کوئی انسان بھی اس کو نہیں سمجھ سکتا کہ ان کیلئے اگلے جہان میں کیا کیا نعمتیں مخفی رکھی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے بارہ میں جو کچھ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے وہ تمثیلی زبان میں ہے اور اس سے وہ مفہوم نکالنا درست نہیں جو اس دنیا میں اسی قسم کے الفاظ سے نکالا جاتا ہے...... جب قرآن کریم نے یہ کہا کہ مومنوں کو وہ جنتیں ملیں گی جن میں سایہ دار درخت اور نہریں اور نہ خراب ہونے والا دودھ اور نہ سڑنے والا پانی اور موم اور آلائش سے پاک شہد اور نشہ نہ دینے والی بلکہ دل کو پاک کرنے والی شراب ہوگی تو اس سے ان کے اعتراض کا جواب اس رنگ میں دیا کہ جن چیزوں کو تم نعمت سمجھتے ہو وہ حقیقی مومنوں کو ملنے والے انعامات سے ادنیٰ ہیں۔ جن نہروں کو تم نعمت سمجھتے ہو ان کا پانی تو سڑ جاتا ہے مومنوں کو وہ نہریں ملیں گی جن کا پانی سڑنے والا نہ ہوگا۔ اور جن باغوں کو تم نعمت خیال کرتے ہو وہ اصل نعمت نہیں اصل نعمت تو وہ باغ ہیں جو کبھی برباد نہ ہوں گے اور مومنوں کو ملیں گے۔ جس شراب کو تم نعمت سمجھتے ہو اس کی مومنوں کو ضرورت نہیں وہ شراب تو گندی اور عقل پر پردہ ڈالنے والی شئے ہے۔ مومنوں کو تو خدا وہ شراب دے گا جو عقل کو تیز کرنے والی اور پاکیزگی بڑھانے والی ہوگی۔ اور جس شہد پر تم کو ناز ہے اس میں تو آلائش ہوتی ہے خدا تعالیٰ مومنوں کو وہ شہد دے گا جو ہر آلائش سے پاک ہوگا اور جن ساتھیوں پر تم کو ناز ہے وہ نعمت نہیں کیونکہ وہ گندے ہیں۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ وہ ساتھی دے گا جو پاک ہوں گے۔ جن پھلوں پر تم کو ناز ہے وہ تو ختم ہو جاتے ہیں مومنوں کو تو وہ پھل ملیں گے جو کبھی ختم نہ ہوں گے اور ہر وقت اور خواہش کے مطابق ملیں گے۔ یہ مضمون ایسا واضح ہے کہ ہر شخص جو تعصب سے خالی ہو کر غور کرے اس کے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے اور اس کے لطیف اشارہ کو پا سکتا ہے مگر جو متعصب ہو یا جاہل۔ اس کا علاج تو کوئی ہے ہی نہیں...... خلاصہ یہ کہ قرآن کریم میں جن باغوں اور نہروں اور پھلوں اور

جس دودھ اور شہد اور شراب کا ذکر آتا ہے وہ اس دُنیا کے باغوں اور نہروں اور پھلوں سے بالکل مختلف ہیں اور وہاں کا دودھ اور شہد اور شراب اس دُنیا کے دودھ اور شہد اور شراب سے بالکل مختلف ہے اور قرآن کریم نے ان امور کی خود ایسی تشریح فرمادی ہے کہ اس کے بعد اس امر میں شک کرنا محض تعصب کا اظہار ہے اور یہ محاورات چونکہ پہلی کتب میں بھی موجود ہیں اس لئے ان آیات میں کوئی ایسی بات نہیں جس کا سمجھنا لوگوں کیلئے مشکل ہو۔"

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 241 تا 246)

پھر اُخروی زندگی کی ان نعمتوں کو یہ دنیاوی نام بھی لوگوں کو سمجھانے اور ان کی طرف انہیں راغب کرنے کیلئے دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ مذہب ہر قسم کے لوگوں کیلئے ہوتا ہے۔ اس لئے ایسی چیزوں کو جن کا سمجھنا لوگوں کیلئے مشکل ہو ضروری ہوتا ہے کہ انہیں ایسے الفاظ میں بیان کیا جائے کہ انہیں ہر سطح کے لوگ سمجھ جائیں اور ہر درجہ کے لوگ ان سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ اس حکمت کو مدنظر رکھ کر قرآن کریم نے اُخروی زندگی کی نعماء کیلئے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو ہر قسم کے لوگوں کیلئے ان کی عقل اور درجہ کے مطابق تشفی کا موجب ہوں۔ پھر کفار چونکہ مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ یہ لوگ خود بھی ہر قسم کی نعمتوں سے محروم ہیں اور ہم سے بھی یہ سب نعمتیں چھڑوانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُخروی زندگی کی نعمتوں کو ان کے ذہن کے قریب کرنے کیلئے ان دنیوی اشیاء کا نام دیدیا جن کو وہ نعمت سمجھتے تھے اور انہی چیزوں کے نام لے کر بتایا کہ مومنوں کو یہ سب کچھ حاصل ہوگا۔ ورنہ قرآن و حدیث میں یہ مضمون خوب کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ جنت میں ایسی نعماء ہوں گی جنہیں پہلے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے ان کے بارہ میں سنا ہوگا اور نہ کسی کے دل میں ان کے متعلق کبھی کوئی خیال گزرا ہوگا۔ ہاں صرف وہ نیک اور پارسا لوگ جو اس دنیا میں رہتے ہوئے ان دنیوی آلائشوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے روحانی پروازیں کرنے والے ہوں گے انہیں اسی دنیا میں ان نعمتوں کا مزا چکھا دیا جائے گا اور ایسے لوگ جب جنت میں ان نعماء کو اپنی پوری کیفیت کے ساتھ پائیں گے تو برملا پکار اُٹھیں گے کہ هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (البقرہ:26) یعنی یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں اس سے پہلے بھی دیا گیا تھا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُخروی زندگی کی اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''خدا فرماتا ہے فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ یعنی کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اس کیلئے مخفی ہیں۔ سو خدا نے ان تمام نعمتوں کو مخفی قرار دیا جن کا دنیا کی نعمتوں میں نمونہ نہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں ہیں اور دودھ اور انار اور انگور وغیرہ کو ہم جانتے ہیں۔ اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اور ہیں اور ان کو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے۔ پس جس نے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا۔ اس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا۔

اس آیت کی شرح میں جو ابھی میں نے ذکر کی ہے ہمارے سید و مولیٰ نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں کہ بہشت اور اسکی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں۔ حالانکہ ہم دنیا کی نعمتوں کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور کانوں سے بھی سنتے ہیں اور دل میں بھی وہ نعمتیں گزرتی ہیں۔ پس جبکہ خدا اور رسول اس کا ان چیزوں کو ایک نرالی چیزیں بتلاتا ہے تو ہم قرآن سے دور جا پڑتے ہیں۔ اگر یہ گمان کریں کہ بہشت میں بھی دنیا کا ہی دودھ ہوگا جو گائیوں اور بھینسوں سے دوہا جاتا ہے۔ گویا دودھ دینے والے جانوروں کے وہاں ریوڑ کے ریوڑ موجود ہوں گے اور درختوں پر شہد کی مکھیوں نے بہت سے چھتے لگائے ہوئے ہوں گے اور فرشتے تلاش کر کے وہ شہد نکالیں گے اور نہروں میں ڈالیں گے کیا ایسے خیالات اس تعلیم سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جس میں یہ آیتیں موجود ہیں کہ دنیا نے ان چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا اور وہ چیزیں روح کو روشن کرتی ہیں اور خدا کی معرفت بڑھاتی ہیں اور روحانی غذائیں ہیں۔ گو ان غذاؤں کا تمام نقشہ جسمانی رنگ پر ظاہر کیا گیا ہے مگر ساتھ ساتھ بتایا گیا ہے کہ انکا سرچشمہ روح اور راستی ہے۔''

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 397-398)

حضور علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

”اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور عمل کا ایک ظل ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے اور ہر ایک کی بہشت اسی کا ایمان اور اسی کے اعمال صالحہ ہیں جن کی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں۔ اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہوں گے۔ خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی بتلاتی ہے کہ سچا اور پاک اور مستحکم اور کامل ایمان جو خدا اور اس کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت خوش نما اور بارور درخت ہے اور اعمال صالحہ اس بہشت کی نہریں ہیں۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 390)

باقی جہاں تک آپ کے سوال کے اس حصہ کا تعلق ہے کہ اخروی زندگی میں صرف مردوں سے انعامات کا وعدہ کیا گیا ہے عورتوں سے ایسا کوئی وعدہ نہیں۔ یہ سوال بھی اسلامی تعلیمات سے لاعلمی کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے کیونکہ قرآن وحدیث میں جگہ جگہ جہاں نیک اور صالح مردوں کو ان اُخروی انعامات کا وارث قرار دیا گیا ہے وہاں نیک اور صالحہ خواتین کو بھی ان انعامات کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (النساء:125) یعنی اور جو لوگ خواہ مرد ہوں یا عورتیں مومن ہونے کی حالت میں نیک کام کریں گے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے سوراخ کے برابر (بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح فرمایا مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ (المؤمن:41) یعنی جو برا عمل کرے گا۔ اس کو اسی کے مطابق نتیجہ ملے گا اور جو کوئی ایمان کے مطابق عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ ایمان میں سچا ہو وہ اور اس کے ہم مشرب لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کو اس میں بغیر حساب کے انعام دیا جائے گا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اسی امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پہلی قوموں نے مردوں کے متعلق بے شک قوانین تجویز کئے تھے مگر عورتوں کے حقوق کا انہوں نے کہیں ذکر نہیں کیا تھا۔ رسول کریم ﷺ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے یہ تعلیم دی کہ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمہ ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمہ ہیں۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ جس طرح عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، اسی طرح عورتوں کے بھی بہت سے حقوق ہیں جو مردوں کو ادا کرنے چاہئیں۔ پھر ہر شعبۂ زندگی میں عورت کی ترقی کے راستے آپ نے کھولے۔ اسے جائداد کا مالک قرار دیا۔ اس کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھا۔ اس کی تعلیم کی نگہداشت کی۔ اس کی تربیت کا حکم دیا۔ اور پھر فیصلہ کر دیا کہ جس طرح جنت میں مرد کیلئے ترقیات کے غیر متناہی مراتب ہیں اسی طرح جنت میں عورتوں کیلئے بھی غیر متناہی ترقیات کے دروازے کھلے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ مؤرخہ 26 نومبر 1937ء، مطبوعہ الفضل 4 دسمبر 1937ء صفحہ 5)

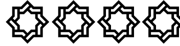
ایک اور موقعہ پر حضورؓ نے فرمایا:

"قرآن کریم کو شروع سے آخر تک پڑھ کر دیکھ لو تمام مسائل، احکام اور انعامات میں عورت اور مرد دونوں کا ذکر ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جاتا ہے کہ نیک مرد تو ساتھ ہی کہا جاتا ہے نیک عورتیں۔ اگر کسی جگہ ذکر ہے کہ عبادت کرنیوالے مرد تو ساتھ ہی یہ ذکر ہو گا کہ عبادت کرنیوالی عورتیں۔ پھر اگر یہ ذکر ہے کہ جنت میں مرد جائیں گے تو ساتھ ہی یہ ذکر ہو گا کہ جنت میں عورتیں بھی جائیں گی۔ مرد کی اگر اعلیٰ درجہ کی نیکیاں ہیں اور وہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام پر رکھا جاتا ہے تو اُس کی بیوی جس کی نیکیاں اُس مقام کے مناسب حال نہیں اپنے خاوند کی وجہ سے اسی مقام میں رکھی جائیں گی۔ اسی طرح اگر عورت اعلیٰ نیکیوں کی مالک ہے اور ان کی وجہ سے وہ جنت میں اعلیٰ مقام پر رکھی جاتی ہے تو اس سے ادنیٰ نیکیاں رکھنے والا خاوند بھی اس کی وجہ سے اُسی مقام پر رکھا جائے گا۔"

(خطاب ارشاد فرمودہ مؤرخہ 31 جولائی 1950ء، مطبوعہ الفضل 14 نومبر 1962ء صفحہ 4)

اسلام کی رو سے خواتین کی ذمہ داریاں اور ان کے اس دنیا میں حقوق اور اُخروی زندگی میں ملنے والے انعامات کے موضوع پر میں نے بھی مختلف جلسوں میں مستورات سے خطابات کئے ہیں۔ جلسہ سالانہ جرمنی 2019ء میں بھی میں نے مستورات سے اسی موضوع پر خطاب کیا تھا، اسے بھی دیکھ لیں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 16 جولائی 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر17

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ ’’طارق میگزین‘‘ میں شائع ہونے والے ایک انٹرویو میں جنوں کا ذکر کیا گیا ہے جس میں انٹرویو دینے والے نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا بظاہر یہ موقف بیان کیا ہے کہ جنات کا وجود موجود ہے، جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے موقف کے برعکس ہے۔ اس پر مخالفین اعتراض کرتے ہیں۔ اس کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے؟

جواب: حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 18 مارچ 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

قرآن کریم اور حدیث میں جنّ کا لفظ کثرت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنیٰ مخفی رہنے والی چیز کے ہیں۔ جو خواہ اپنی بناوٹ کی وجہ سے مخفی ہو یا اپنی عادات کے طور پر مخفی ہو اور یہ لفظ مختلف صیغوں اور مشتقات میں منتقل ہو کر بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور ان سب معنوں میں مخفی اور پس پردہ رہنے کا مفہوم مشترک طور پر پایا جاتا ہے۔

چنانچہ جنّ والے مادہ سے بننے والے مختلف الفاظ مثلاً جَنَّ سایہ کرنے اور اندھیرے کا پردہ ڈالنے، جنین ماں کے پیٹ میں مخفی بچہ، جنون وہ مرض جو عقل کو ڈھانک دے، جنان سینہ کے اندر چھپا دل، جَنَّۃ باغ جس کے درختوں کے گھنے سائے زمین کو ڈھانپ دیں، مِجَنَّۃ ڈھال جس کے پیچھے لڑنے والا اپنے آپ کو چھپالے، جانٌّ سانپ جو زمین میں چھپ کر رہتا ہو، جَنَن قبر جو مردے کو اپنے اندر چھپالے اور جُنَّۃ اوڑھنی جو سر اور بدن کو ڈھانپ لے کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

پھر جنّ کا لفظ باپردہ عورتوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ نیز ایسے بڑے بڑے رؤسا اور اکابر لوگوں کیلئے بھی بولا جاتا ہے جو عوام الناس سے اختلاط نہیں رکھتے۔ نیز ایسی قوموں کے لوگوں کیلئے بھی

استعمال ہوتا ہے جو جغرافیائی اعتبار سے دور دراز کے علاقوں میں رہتے اور دنیا کے دوسرے حصوں سے کٹے ہوئے ہیں۔

اسی طرح تاریکی میں رہنے والے جانوروں اور بہت باریک کیڑوں مکوڑوں اور جراثیم کیلئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے رات کو اپنے کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھنے کا ارشاد فرمایا اور ہڈیوں سے استنجا سے منع فرمایا اور اسے جنّوں یعنی چونٹیوں، دیمک اور دیگر جراثیم کی خوراک قرار دیا۔

علاوہ ازیں جن ّ کا لفظ مخفی ارواح خبیثہ یعنی شیطان اور مخفی ارواح طیبہ یعنی ملائکہ کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ

(الجنّ:12)

جماعتی لٹریچر بالخصوص حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے احمدیت کی تحریر و تقاریر میں جن ّ کا لفظ عموماً اسی مفہوم میں بیان ہوا ہے۔ اور اس سارے کلام میں عوام الناس کے ذہنوں میں پائے جانے والے جنّات کے بارہ میں ہر ایسے تصور اور مفہوم کی نفی کی گئی ہے جو انسانوں پر قبضہ کر لیں، عورتوں کو چمٹ جائیں، لوگوں کو ستائیں یا ان کے قابو میں آجائیں اور انہیں ان کی من پسند کی چیزیں لا لا کر دیں۔ ایسے جنّ وہمی لوگوں کے دماغوں کی تخلیق ہے، جنہیں اسلامی تعلیم تسلیم نہیں کرتی۔ چنانچہ جنّات کے وجود کی بابت ایک سوال کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

”اس پر ہمارا ایمان ہے مگر عرفان نہیں نیز جنّات کی ہمیں اپنی عبادت، معاشرت، تمدن اور سیاست وغیرہ امور میں ضرورت ہی کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کیا عمدہ فرمایا ہے۔ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ انسانی عمر بہت تھوڑی ہے سفر بڑا کڑا اور لمبا ہے اس واسطے زادراہ لینے کی تیاری کرنی چاہئے ان بیہودہ محض اور لغو کاموں میں پڑے رہنا مومن کی شان سے بعید ہے خدا کے ساتھ ہی صلح کرو اور اسی پر بھروسہ کرو اس سے بڑھ کر کوئی قادر نہیں۔ طاقتور نہیں۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 403 مطبوعہ 2016ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ ان تصوراتی جنّوں کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہاں ایک لڑکا رہتا تھا۔ اس کا نام عبد العلی تھا۔ اس کے باپ کو جنّات کے حاضر کرنے کا بڑا دعویٰ تھا۔ وہ میرے ساتھ اکثر رہا۔ لیکن کبھی بھی میرے سامنے تو وہ جنّات کو حاضر نہ کر سکا۔“

(مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نورالدین صفحہ 249، مطبوعہ فروری 2002ء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنی مختلف تصانیف، خطبات اور خطابات میں جنّوں کے مسئلہ کو مختلف پیرایوں میں بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں بیان تعلیمات کی روشنی میں اس قسم کے جنّوں کے وجود کا کلیۃً ردّ فرمایا جو عوام کے ذہنوں میں موجود ہے کہ وہ لوگوں کے سروں پر چڑھ جاتے ہیں یا بعض لوگوں کے قبضہ میں آجاتے ہیں جو پھر ان جنّوں سے اپنی حسب منشاء کام کرواتے ہیں۔ چنانچہ جنّوں کے بارہ میں ایک سوال کے جواب میں حضور نے لکھوایا:

”میں جنّات کی ہستی کا قائل ہوں مگر اس امر کا قائل نہیں کہ وہ کسی کے سر پر چڑھتے ہیں یا میوہ لا کر دیتے ہیں۔ جیسے فرشتے کسی کے سر پر نہیں چڑھتے جنّات بھی نہیں۔ جس طرح فرشتے انسانوں سے ملاقات کرتے ہیں اسی طرح جنّات بھی ملاقات کرتے ہیں لیکن جس طرح ان کا وجود ان کو اجازت دیتا ہے۔ رسول کریمؐ کی تعلیم کی نسبت میں سمجھتا ہوں کہ انسان اور جنّ سب کیلئے ہے اور آپ پر ایمان لانا جنّات کیلئے بھی ضروری ہے۔ آپ کی وحی پر عمل کرنا بھی۔ مگر میرا یہی عقیدہ اس بات کا بھی باعث ہوا ہے کہ میں یہ اعتقاد بھی رکھوں کہ وہ نہ کسی کے سر پر چڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی میوہ لا کر دے سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ پر ایمان لانیوالوں کا فرض تھا کہ وہ آپ کی مدد اور نصرت کریں۔ اگر جنّات میں طاقت ہوتی کہ انسان کی مدد کر سکتے یا نصرت کر سکتے تو کیوں وہ ابوجہل وغیرہ کے سر پر نہ چڑھے۔ ان کو کوئی قربانی بھی نہ کرنی پڑتی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ جنّ مٹھائی لا کر دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پر میں ایسے جنّوں کا قائل نہیں ہو سکتا جو زید و بکر کو تو مٹھائی لا لا کر کھلاتے ہیں۔ لیکن وہ شخص جس پر ایمان لانا ضروری اور فرض تھا اور بعض جنّ آپ پر ایمان بھی لائے تھے۔ تین تین دن تک فاقہ کرتا رہتا ہے اور اس کو روٹی بھی لا کر نہیں دیتے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ان کیلئے ضروری نہ ہوتا تو شبہ ہوتا کہ وہ انسان کو ضرر پہنچا سکتے ہیں یا نہیں لیکن اب یقینی ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ باقی رہا یہ کہ عورتوں کے سر پر جنّ چڑھتے ہیں یہ سب بیماریاں ہیں یا وہم ہیں یا سائنس کے نتائج ہوتے ہیں۔ جیسے فاسفورس رات کو

چمکتی ہے یہ اکثر قبرستانوں میں دکھلائی دیتی ہے۔ کیونکہ ہڈیوں سے فاسفورس نکلتی ہے اور وہ چمکتی ہے اور عوام اس کو جنّوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔"

(اخبار الفضل قادیان دالامان نمبر 82 جلد 8۔ مؤرخہ 2 مئی 1921ء صفحہ 7)

اسی طرح فضائل القرآن کے نام پر طبع ہونے والے اپنے ایک خطاب میں حضور جنّوں کے بارہ میں ایک اور پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جن ّ غیر از انسان وجود ہیں جو رسول کریم ﷺ حضرت موسیٰؑ اور حضرت سلیمانؑ پر ایمان لائے تھے مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان معنوں کو قرآن کریم تسلیم کرتا ہے۔ اگر یہ ایک استعارہ ہے تو یقیناً قرآن کریم نے اس کو اپنی کسی دوسری آیت میں حل کیا ہوگا اور استعارہ تسلیم نہ کرنے کی صورت میں قرآن کریم کی دو آیتیں باہم ٹکرا جائیں گی اور اس طرح قرآن میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ پس ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اس کو استعارہ تسلیم نہ کرنے سے قرآن میں اختلاف پیدا ہوتا ہے یا استعارہ تسلیم کر کے۔ جو لوگ استعارہ نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ یہ ایسا ہی لفظ ہے جیسے شیطان کا لفظ آتا ہے۔ جس طرح شیطان سے مراد ایک ایسی مخلوق ہے جو انسانوں سے علیحدہ ہے اسی طرح جن ّ بھی ایک ایسی مخلوق ہے جو انسانوں سے الگ ہے حالانکہ وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ میں مفسرین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ اس جگہ شیاطین سے مراد یہودی اور ان کے بڑے بڑے سردار ہیں۔ پس اگر انسان شیطان بن سکتا ہے تو انسان جن ّ کیوں نہیں بن سکتا؟

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَ الۡجِنِّ یُوۡحِیۡ بَعۡضُہُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا

(الانعام:113)

یعنی ہم نے ہر نبی کے دشمن بنائے ہیں شیطان آدمیوں میں سے بھی اور جنّوں میں سے بھی جو لوگوں کو مخالفت پر اکساتے اور انہیں نبی اور اس کی جماعت کے خلاف برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بتادیا ہے کہ انسان بھی شیطان ہوتے ہیں۔ پس اگر شیاطین الانس ہو سکتے ہیں تو

جنّ الانس کیوں نہیں ہو سکتے۔ یعنی جس طرح انسانوں میں سے شیطان کہلانے والے پیدا ہو سکتے ہیں اسی طرح ان میں سے جنّ کہلانے والے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ پس قرآن سے ہی پتہ لگ گیا کہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں ہی جنّ نہیں تھے بلکہ حضرت موسیٰؑ اور رسول کریم ﷺ پر بھی جنّ ایمان لائے تھے۔

(فضائل القرآن نمبر 6 صفحہ 387-388)

اسی طرح تفسیر کبیر میں جنّوں کے بارہ میں سیر حاصل بحث فرمانے کے بعد اس بحث کا خلاصہ تحریر فرماتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:

"خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کریم میں جنّ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (1) جنّ وہ تمام مخفی مخلوق جو غیر مرئی شیطان کی قسم سے ہے یہ مخلوق اسی طرح بدی کی تحریک کرتی ہے جس طرح ملائکہ نیک تحریکات کرتے ہیں۔ ہاں یہ فرق ہے کہ ملائکہ کی تحریک وسیع ہوتی ہے اور ان کی تحریک محدود ہوتی ہے۔ یعنی ان کو زور انہی پر حاصل ہوتا ہے جو خود اپنی مرضی سے بدخیالات کی طرف جھک جائیں۔ انہیں شیاطین بھی کہتے ہیں۔ (2) جنّ سے مراد قرآن کریم میں Cave men بھی ہے۔ یعنی انسان کے قابل الہام ہونے سے پہلے جو بشر زیر زمین رہا کرتے تھے اور کسی نظام کے پابند نہ تھے۔ ہاں آئندہ کیلئے قرآن کریم نے یہ اصطلاح قرار دے لی کہ جو لوگ اطاعت کا مادہ رکھتے ہیں ان کا نام انسان رکھا اور جو لوگ ناری طبیعت کے ہیں اور اطاعت سے گریز کرتے ہیں ان کا نام جنّ رکھا۔ (3) شمالی علاقوں کے وہ لوگ یعنی یورپ وغیرہ کے جو ایشیاء کے لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھتے تھے اور جن کیلئے آخر زمانہ میں حیرت انگیز دنیوی ترقی اور مذہب سے بغاوت مقدر تھی۔ ان کا ذکر سورۂ رحمٰن میں کیا ہے۔ (4) غیر مذہب کے لوگوں کو اور اجنبیوں کو جنہیں بعض اقوام جیسے ہندو اور یہود کوئی نئی مخلوق سمجھتے تھے۔ ان کو عام محاورہ کے طور پر جنّ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جیسے حضرت سلیمان کے جنّ یا رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے والے لوگ۔

میرے نزدیک دوزخ میں جانے والے جن جنّات کا ذکر آتا ہے ان سے مراد یا تو وہی ناری طبیعت والے لوگ ہیں جو اطاعت سے باہر رہتے ہیں۔ اور کسی مذہب یا تعلیم کو قبول نہیں کرتے اور انسان

دوزخیوں سے مراد وہ کفار ہیں جو کسی نہ کسی مذہب سے اپنے آپ کو وابستہ کرتے ہیں۔ یا پھر اقوام شمال مغرب کو جنّ قرار دیاہے۔ اور جنوبی دنیا اور مشرق کے لوگوں کو انس قرار دیا ہے۔ جیسا کہ عرف عام میں یہ لوگ ان ناموں سے مشہور تھے......

یہ تعلیق ختم کرنے سے پہلے میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ کئی پرانے بزرگ کم سے کم اس خیال میں میرے ساتھ شریک ہیں کہ وہ جنّ کوئی نہیں ہوتے جو انسانوں سے آکر ملیں اوراس پر سوار ہو جائیں اور ان سے مختلف کام لیں......اگر کہا جائے کہ بعض بزرگوں نے جنّات کا ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روحانی نظارے ہیں۔ اور عالم مثال میں ایسی باتیں نظر آجاتی ہیں۔ انہوں نے کشف سے بعض امور دیکھے اور چونکہ عوام میں جنّات کا عقیدہ تھا اور قرآن کریم میں بھی لفظ جنّ کا استعمال ہوا ہے انہوں نے ان مثالی وجودوں کو اصلی وجود سمجھ لیا۔

میرا اپنا ذاتی تجربہ اس بارہ میں یہ ہے کہ کئی مختلف وقتوں میں لوگوں نے مجھے ایسے خطوط لکھے ہیں کہ جنّات ان کے گھر میں آتے اور فساد کرتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ اپنے خرچ پر اس مکان کا تجربہ کرنا چاہا لیکن ہمیشہ ہی یا تو یہ جواب ملا کہ اب ان کی آمد بند ہو گئی ہے۔ یا یہ کہ آپ کے خط آنے یا آپ کا آدمی آنے کی برکت سے وہ بھاگ گئے ہیں۔ میرا اپنا خیال ہے کہ جو کچھ ان لوگوں نے دیکھا ایک اعصابی کرشمہ تھا۔ میرے خط یا پیغامبر سے چونکہ انہیں تسلی ہوئی وہ حالت بدل گئی۔

اگر اس تفسیر کے پڑھنے والوں میں سے کسی صاحب کو اس مخلوق کا تجربہ ہو۔ اور وہ مجھے لکھیں تو میں اپنے خرچ پر اب بھی تجربہ کرانے کو تیار ہوں۔ ورنہ جو کچھ میں متعدد قرآنی دلائل سے سمجھا ہوں یہی ہے کہ عوام الناس میں جو جنّ مشہور ہیں اور جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں سے تعلق رکھتے اور ان کو چیزیں لاکر دیتے ہیں۔ یہ محض خیال اور وہم ہے۔ یا مداریوں کے تماشے ہیں جن کے اندرونی بھید کے نہ جاننے کی وجہ سے لوگوں نے ان کو جنّات کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اس علم کا بھی میں نے مطالعہ کیا ہے۔ اور بہت سی باتیں ان ہتھکنڈے کرنے والوں کی جانتا ہوں۔"

(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ 69-70)

علاوہ ازیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اپنی مجالس عرفان اور مجالس سوال وجواب میں جنّوں کے متعلق ہونے والے سوالات کے جواب میں ہمیشہ یہی موقف بیان فرمایا کہ قرآن و حدیث میں ایسے

جنّوں کا کہیں ذکر نہیں ملتا جو مولویوں کے دماغوں کے جنّ ہیں اور جو ان کے کہنے پر راتوں رات کسی شخص کو اٹھا کر ان کے سامنے حاضر کر دیں۔ چنانچہ حضور اپنی معرکتہ الآراء تصنیف ”الہام، عقل، علم اور سچائی“ میں فرماتے ہیں:

”اب ہم سائنسی تناظر میں ازمنۂ قدیم کے قصّے کہانیوں میں مذکور جنّ کی حقیقت کا جائزہ لیتے ہیں..... جنّ کا لفظ کسی پوشیدہ، غیر مرئی، الگ تھلگ اور دور کی چیز پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں گہرے اور گھنے سائے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے جَنَّۃ کے لفظ کو (جو اسی مادہ سے نکلا ہے) جنت کیلئے استعمال کیا ہے جو ایسے گھنے باغات پر مشتمل ہے جن کے سائے بہت ہی گہرے ہیں۔ جنّ کے لفظ کا اطلاق سانپوں پر بھی ہوتا ہے جو فطرتاً پوشیدہ اور چھپ کر رہنا پسند کرتے ہیں جس کیلئے وہ الگ تھلگ بلوں اور چٹانوں میں موجود سوراخوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ جنّ کا لفظ باپردہ عورتوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے اور ایسے سرداروں اور بڑے لوگوں کیلئے بھی جو عوام سے دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح دور دراز اور دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں بسنے والے لوگوں پر بھی جنّ کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ المختصر عام انسانی نگاہ سے اوجھل اور پوشیدہ ہر چیز پر جنّ کا لفظ اطلاق پاتا ہے۔

جنّ کے لفظ کا مذکورہ بالا مفہوم آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کے عین مطابق ہے جس میں آپ ﷺ نے لوگوں کو خشک گوبر اور ہڈیوں سے استنجا کرنے سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ یہ جنّوں کی خوراک ہے۔ جس طرح آج کل صفائی کیلئے ٹائلٹ پیپر استعمال کئے جاتے ہیں اسی طرح پرانے زمانہ میں لوگ صفائی کیلئے مٹی کے خشک ڈھیلے، پتھر یا قریب پڑی کوئی اور خشک چیز استعمال کیا کرتے تھے۔ پس ہم بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں جس جنّ کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد کوئی غیر مرئی مخلوق ہی ہے جس کا گزارہ ہڈیوں اور فضلہ وغیرہ پر ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اس وقت دنیا میں بیکٹیریا اور وائرس کا کوئی تصور موجود نہیں تھا اور کوئی شخص اس قسم کی غیر مرئی اور خوردبینی مخلوق کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس مخلوق کی طرف آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے، عربی زبان میں اس کیلئے جنّ سے بہتر اور کوئی لفظ نہیں ہے۔“

(الہام، عقل، علم اور سچائی صفحہ 311-312)

اس سوال پر کہ جنّات کے متعلق اسلام کا کیا تصور ہے، قرآن میں یا حدیث میں سے اس کا کیا ثبوت ملتا ہے یا آنحضرت ﷺ کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے جس سے ثابت ہو کے جنّات کا بھی وجود ہے یا جس طرح آج کل کے لوگوں میں تصورات ہیں کہ جن چمٹ جاتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ حضورؒ نے فرمایا:

”میں تو جنّوں پہ بہت بول چکا ہوں۔ جنّ تو ایسی بلا ہے کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔ جس مجلس میں جاؤ، جس ملک میں جاؤ جنّ ضرور آجاتے ہیں۔ یعنی جنّ کا سوال آجاتا ہے۔ بہت دفعہ بتا چکا ہوں، خدام الاحمدیہ کے اجتماعوں میں بھی جنّ آیا کرتا تھا۔ انصار اللہ میں بھی اس نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ ابھی بھی جہاں کراچی جاؤ وہاں سوال ہو جاتا ہے۔ پنڈی جاؤ وہاں سوال ہو جاتا ہے۔ انگلستان میں یورپ میں ہر جگہ پاکستانیوں کو جنّ کے ساتھ بڑی دلچسپی ہے۔

جنّ کا لفظ قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر مختلف رنگ میں آیا ہے۔ مختصراً جن سے مراد عربی زبان میں مخفی چیزیں ہیں۔ یعنی عربی میں جنّ لفظ ان چیزوں پر اطلاق پاتا ہے جو کسی پہلو سے بھی مخفی ہوں۔ اور سانپ کو بھی اسی لئے جنّ یا جانّ کہا جاتا ہے اور عورتوں کو بھی جنّ کہا جاتا ہے جو پردہ دار ہوں۔ بڑے لوگ جو عوام الناس سے الگ رہیں، چھپ کے رہیں ان کو بھی جنّ کہا جاتا ہے۔ پہاڑی قومیں جو عموماً Plain میں بسنے والے لوگوں سے، عام زمین پہ بسنے والے لوگوں سے بے تعلق رہتی ہیں، مخفی رہتی ہیں ان کو بھی جنّ کہا جاتا ہے۔ غاروں کے بسنے والے لوگوں کو بھی جنّ کہا جاتا ہے۔ Hardy، جفاکش اس کیلئے بھی جنّ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ Bacteria کیلئے بھی جنّ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا کہ یہ جن کی خوراک ہے۔ اس زمانہ میں تو Bacteria کا کوئی تصور نہیں تھا نہ یہ پتہ تھا کہ کسی چیز کی خوراک ہے۔ مگر بعد کے زمانوں میں تحقیق ہوئی تو پتہ چلا کہ واقعی ہڈی کے ساتھ Bacteria چمٹے ہوتے ہیں اور وہ مضر ہیں اور اس سے استنجاء نہیں کرنا چاہئے۔ تو جنّ کا ایک معنی تو ہے مخفی۔ ان معنوں میں جنّ کے سارے معنی ہیں۔ ایک اور معنی ہے آگ سے پیدا ہوا ہوا۔ جس میں ناری صفات پائی جاتی ہوں، جس میں بغاوت کی روح پائی جاتی ہو۔ تو ہر وہ قوم جو آتشیں مزاج رکھتی ہو، جو Volatile ہو، غصہ جلدی آتا ہو اور لڑاکا اور فسادی، بغاوت کرنے والی ان سب کو جن کہا

جاتا ہے۔ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد کے جو غلام بنائے گئے تھے جنّ وہ ایسی قومیں تھیں جن پر فتح ہوئی اور ان میں جفاکشی بھی ساتھ تھی اور بغاوت کا مادہ بھی تھا۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے ان کو زنجیروں میں جکڑا گیا تھا اوران سے Forced Labour لی جاتی تھی۔ اگر وہ اس قسم کے جنّ ہوں جیسے مولویوں کے دماغ میں پیدا ہوتے ہیں وہ زنجیروں میں تو نہیں جکڑے جاسکتے۔ صاف پتہ چل گیا کہ وہ جنّ جو ہیں وہ کوئی مادی مخلوق ہے۔ چنانچہ بڑے لوگوں اور Capitalist System کیلئے بھی قرآن کریم نے جنّ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چوٹی کے لوگ خواہ وہ Capitalist ہوں خواہ وہ عوامی حکومتوں کے نمائندے ہوں، ان کو سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ مخاطب کر کے فرماتا ہے:

يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

(الرحمٰن:34-35)

معشر الجن اے جنّوں میں سے چوٹی کے لوگو والانس اور اے عوام الناس میں سے چوٹی کے لوگو۔ یہ مراد ہے وہاں پہ۔ تو جنّ کا لفظ ان ساری جگہوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے بڑا وسیع لفظ ہے۔ آنحضرت ﷺ سے بھی پہاڑی علاقہ کے کچھ لوگ، جفاکش قوموں کے نمائندے ملنے کیلئے آئے اور آپ نے ان کے ساتھ، وہ چاہتے تھے کہ علیحدہ گفتگو ہو۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے باہر ان سے وقت مقرر کیا جہاں ڈیرا ڈالا تھا، وہاں ان سے ملنے گئے اور گفتگو ہوئی۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے اور سورۃ جن میں اس کا ذکر آتا ہے۔ اور اس کے بعد وہ ایمان بھی لے آئے۔ اور ساتھ ہی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں جب صحابہ وہاں گئے تو دیکھا کہ وہاں ان کے چولہوں کے نشان تھے جہاں کھانا پکایا جاتا تھا۔ تو جنّوں کی خوراک اگر وہ جنّ تھے جو مولوی سمجھتے ہیں تو وہ تو آگ پہ کھانا نہیں پکایا کرتے ان کی تو خوراک ہی اور چیزیں ہیں وہ تو آتشیں مادہ ہے یا ہوائی سا وجود ہے۔ تو صاف پتہ چلا کہ جو جنّ رسول اکرم ﷺ سے ملنے آئے تھے وہ انسانوں میں سے تھے۔ پھر انبیاء کا تصور وہاں پایا جاتا ہے وہ کہتے ہیں ہم لوگ بڑے جاہل ہوتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ خدا اب کبھی کسی نبی کو نہیں بھیجے گا۔ لیکن دیکھ لو پھر نبی آگیا۔ تو انبیاء تو انسانوں کیلئے آتے ہیں۔ قرآن کریم میں رسول کریم ﷺ کو ہمیشہ انسانوں کو مخاطب کر کے پیغام پہنچانے

کیلئے فرمایا ہے، جنوں کو مخاطب کر کے کہیں نہیں فرمایا۔ تو اس لئے وہ جو ایمان لائے ذکر کرتے ہیں کہ ہم نبیوں کا انکار کر گئے تھے کہ آئندہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا، صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ انسانوں میں سے کچھ لوگ تھے۔ تو قرآن کریم نے ان معنوں میں، ان سے ملتے جلتے معنوں میں جو میں نے بیان کئے ہیں کئی جگہ جنوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ایسے جنّ کا ذکر نہیں کیا جو مولوی صاحب کو لوگوں کے مرغے چرا کے لا کے دے۔ یا آپ کی خواہش ہو کہ فلاں آدمی کو پکڑ کے لے آئے تو جن رات و رات پکڑ کے لے آئے۔ ایسا کوئی ذکر قرآن کریم میں نہیں ملتا یا رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زندگی میں بھی نہیں ملتا۔"

(مجلس سوال جواب مؤرخہ 29 دسمبر 1984ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی جنّوں کے متعلق نہایت عمدہ مضامین تحریر فرمائے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:

"جنّ کے لفظ سے بہت سی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں لیکن بہر حال یہ بالکل درست نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسے جنّ بھی پائے جاتے ہیں جو یا تو لوگوں کیلئے خود کھلونا بنتے ہیں یا لوگوں کو قابو میں لا کر انہیں اپنا کھلونا بناتے ہیں یا بعض انسانوں کے دوست بن کر انہیں اچھی اچھی چیزیں لا کر دیتے ہیں اور بعض کے دشمن بن کر تنگ کرتے ہیں یا بعض لوگوں کے سر پر سوار ہو کر جنون اور بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں اور بعض کے لئے صحت اور خوشحالی کا رستہ کھول دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کمزور دماغ لوگوں کے توہمات ہیں جن کی اسلام میں کوئی سند نہیں ملتی اور سچے مسلمانوں کو اس قسم کے توہمات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

ہاں لغوی معنے کے لحاظ سے (نہ کہ اصطلاحی طور پر) فرشتے بھی مخفی مخلوق ہونے کی وجہ سے جنّ کہلا سکتے ہیں اور یہ بات اسلامی تعلیم سے ثابت ہے کہ فرشتے مومنوں کے علم میں اضافہ کرنے اور ان کی قوتِ عملیہ کو ترقی دینے اور انہیں کافروں کے مقابلہ پر غالب کرنے میں بڑا ہاتھ رکھتے ہیں جیسا کہ بدر کے میدان میں ہوا۔ جب کہ تین سو تیرہ (313) بے سر و سامان مسلمانوں نے ایک ہزار ساز و سامان سے آراستہ جنگجو کفار کو خدائی حکم کے ماتحت دیکھتے دیکھتے خاک میں ملا دیا تھا۔ (صحیح بخاری) پس اگر سوال کرنے والے دوست کو مخفی روحوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا شوق ہے تو وہ کھلونا بننے والے یا کھلونا بنانے والے

جنّوں کا خیال چھوڑ دیں اور فرشتوں کی دوستی کی طرف توجہ دیں جن کا تعلق خدا کے فضل سے انسان کی کایا پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔"

(مطبوعہ الفضل 13 جون 1950ء)

اسی طرح حیات قدسی میں بیان حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کے بارہ میں بیان بعض اس قسم کے واقعات کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:

"جہاں تک کسی کے آسیب زدہ ہونے کا سوال ہے، میرا نظریّہ یہ ہے کہ یہ ایک قسم کی ہسٹیریا کی بیماری ہے۔ جس میں بیمار شخص اپنے غیر شعوری یعنی سب کانشنس خیال کے تحت اپنے آپ کو بیمار یا کسی غیر مرئی روح سے متاثر خیال کرتا ہے اور اس تاثر میں اس شخص کی سابقہ زندگی کے حالات اور اس کی خواہشات اور اس کے خطرات غیر شعوری طور پر اثر انداز ہوتے ہیں یہ بھی ایک قسم کی بیماری ہے مگر یہ احساسِ بیماری ہے حقیقی بیماری نہیں۔ اسلام ملائکہ اور جنّات کے وجود کا تو قائل ہے اور قرآن کریم میں اس کا ذکر موجود ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت نظامِ عالم کو چلاتے اور لوگوں کے دلوں میں نیکی کی تحریک کرتے اور بدیوں کے خلاف احساس پیدا کرتے ہیں لیکن یہ درست نہیں اور نہ اس کا کوئی شرعی ثبوت ملتا ہے کہ جنّات لوگوں کو چمٹ کر اور ان کے دل و دماغ پر سوار ہو کر لوگوں سے مختلف قسم کی حرکات کرواتے ہیں۔ یہ نظریہ اسلام کی تعلیم اور انسان کی آزادیٔ ضمیر کے سراسر خلاف ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے جنّات کا مفہوم ایسا وسیع بیان کیا ہے کہ اس میں بعض خاص مخفی ارواح کے علاوہ نہ نظر آنے والے حشرات اور جراثیم بھی شامل ہیں۔ چنانچہ حدیث میں جو یہ آتا ہے کہ اپنے کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھو ورنہ ان میں جنات داخل ہو جائیں گے۔ اس سے یہی مراد ہے کہ بیماریوں کے جراثیم سے اپنی خورد و نوش کی چیزوں کو محفوظ رکھو۔

بہرحال جنات کا وجود تو ثابت ہے اور خدا تعالیٰ کے نظام میں حقیقت تو ضرور ہے مگر کھیل نہیں۔ اس لئے میں اس بات کو نہیں مانتا خواہ اس کے خلاف بظاہر غلط فہمی پیدا کرنے والی اور دھوکا دینے والی باتیں موجود ہوں کہ کوئی جنّات ایسے بھی ہیں جو انسانوں کو اپنے کھیل تماشے کا نشانہ بناتے ہیں لہٰذا میرے نزدیک جو چیز آسیب کہلاتی ہے وہ ہسٹیریا کی بیماری ہے۔ اور جو چیز آسیب کے تعلق میں معمول

کہلاتی ہے وہ خود نام نہاد آسیب زدہ شخص کا اپنے ہی وجود کا دوسرا پہلو ہے جو غیر شعوری طور پر آسیب زدہ شخص کی زبان سے بول رہا ہوتا ہے اور چونکہ آسیب زدہ شخص لازماً کمزور دل کا مالک ہوتا ہے۔ اس لئے جب کوئی زیادہ مضبوط دل کا انسان یا زیادہ روحانی اس پر اپنی توجہ ڈالتا ہے تو وہ اپنی قلبی اور دماغی یا روحانی طاقت کے ذریعہ آسیب کے طلسم کو توڑ دیتا ہے۔ مادی لوگ تو محض قلبی توجہ سے یہ تغیر پیدا کرتے ہیں لیکن روحانی لوگوں کے عمل میں روح کی توجہ اور دعا کا اثر بھی شامل ہوتا ہے اور توجہ کا علم بہر حال حق ہے۔"

(حیات قدسی مصنفہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ صفحہ 617-618)

باقی طارق میگزین میں شائع ہونے والے انٹرویو میں بیان باتیں ایک سنے ہوئے واقعہ پر مبنی ہیں، جس میں سننے والے کو بھی غلطی لگ سکتی ہے، کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے حضورؒ نے یہ کہیں بیان نہیں فرمایا کہ آپ نے کسی جنّ کو بلیڈ لگاتے ہوئے دیکھا تھا بلکہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگلی صبح دیکھا تو بلیڈ لگا کے رکھا ہوا تھا۔ پھر حضورؒ نے اس سلسلہ میں اس رات کا جو واقعہ بیان فرمایا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی کشفی نظارہ ہو۔ کیونکہ حضورؒ کا اپنی تحریرات اور دیگر مجالس عرفان میں جنّات کے بارہ میں بیان موقف اس قسم کے جنّات کے وجود کے خلاف ہے۔

پس جنّ کے لفظ سے بہت سی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں لیکن یہ درست نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسے جنّ بھی پائے جاتے ہیں جو لوگوں کیلئے کھلونا بنتے ہوں یا لوگوں کو قابو میں لا کر انہیں اپنا کھلونا بناتے ہوں۔ یا وہ کچھ لوگوں کے دوست بن کر انہیں میوے اور مٹھائیاں لا کر دیتے ہوں اور بعض کے دشمن بن کر ان کے سروں پر چڑھ کر اور انہیں چمٹ کر انہیں تنگ کرتے ہوں۔ اس قسم کے خیالات مولویوں کی ایجادات ہیں جو کمزور دماغ اور وہمی خیال لوگوں کو اپنے ہتھکنڈوں سے شکار کر کے ان سے فائدے اٹھاتے ہیں۔ اسلام میں اس قسم کے جنّات کی کوئی سند نہیں ملتی اور سچے مسلمانوں کو اس قسم کے توہمات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

اگر ایسے کوئی جنّ ہوتے تو ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ وہ وجود باجود تھے جن کی ان جنّات کو لازماً مدد اور آپ کے دشمنوں کے سروں پر چڑھ کر انہیں تباہ و برباد کرنے کی سعی کرنی

چاہیئے تھی، خصوصاً جبکہ قرآن و حدیث میں آپ ﷺ پر ایک قسم کے جنّوں کے ایمان لانے کا ذکر بھی موجود ہے۔ پس عملاً ایسا نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ ان تصوراتی جنّوں کا اس دنیا میں کوئی وجود نہیں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 31 جولائی 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 18

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں ایک حدیث جس میں حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ ''کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے'' کی صحت کے بارہ میں دریافت کیا نیز لکھا ہے کہ یہ حدیث ہمارے جماعتی لٹریچر میں نہیں ملتی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 اپریل 2019ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب:۔ آپ نے اپنے خط میں جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ احادیث کی مختلف کتب میں روایت ہوئی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام مسلمؒ نے بھی اس حدیث کو اپنی کتب میں درج کیا ہے۔ اور اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ

(صحیح بخاری، کتاب المرضی باب تَمَنِّي الْمَرِيضِ الْمَوْتَ)

یعنی حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے جو اسے پہنچی ہو، موت کی تمنا نہ کرے۔ اور اگر اس کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو پھر وہ یہ کہے کہ اے اللہ! جب تک میرا زندہ رہنا میرے لئے بہتر ہے، اس وقت تک مجھے زندہ رکھ اور جب مر جانا میرے لئے بہتر ہو تو مجھے موت دیدے۔

جماعتی لٹریچر میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے صحیح بخاری کی جو شرح لکھی ہے اس میں بھی اس حدیث کا ذکر موجود ہے۔ اور میں نے بھی 17 اگست 2012ء کے خطبہ جمعہ میں اس

حدیث کو بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔ ''کوئی شخص موت کی خواہش نہ کرے۔''کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو نیکیوں میں بڑھے گا اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہو گا اور اگر بد ہے تو توبہ کی توفیق مل جائے گی۔

سوال:۔ نکاح کے ایک معاملہ میں دولہن کے والد کی وفات کی صورت میں دولہن کی طرف سے اس کے تایازاد بھائی کے ولی مقرر ہونے پر شعبہ رشتہ ناطہ کی طرف سے اعتراض اٹھانے پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 جنوری 2020ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایت عطاء فرمائی۔ حضور نے فرمایا:

جواب:۔ محترم امیر صاحب کینیڈا نے نکاح کی رجسٹریشن کا ایک معاملہ مجھے بھجوایا ہے جس میں لڑکی کے والد فوت ہو چکے ہیں اور اس کا کوئی بھائی بھی نہیں ہے اور لڑکی نے اپنے نکاح کیلئے اپنے تایازاد بھائی کو ولی مقرر کیا ہے۔ لیکن آپ نے یہ کہتے ہوئے کہ تایازاد بھائی ولی نکاح نہیں ہو سکتا، اس نکاح کی رجسٹریشن کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

مجھے بتائیں کہ آپ نے کس فقہ کے مطابق تایا زاد بھائی کے ولی نکاح بننے پر اس نکاح کی رجسٹریشن کرنے سے منع کیا ہے، جبکہ اس بچی کے نہ والد زندہ ہیں اور نہ کوئی بھائی ہے۔

فقہ احمدیہ کے مطابق تو والد کے بعد بچی کے عصبی رشتہ داروں میں سے جو قریبی رشتہ دار موجود ہو وہ لڑکی کا ولی بن سکتا ہے اور تایازاد بھائی کا شمار عصبی رشتہ داروں میں ہوتا ہے اور وہ لڑکی کا ولی بن سکتا ہے بشرطیکہ اس سے پہلے عصبی رشتہ داروں میں سے کوئی رشتہ دار زندہ نہ ہو۔ لہٰذا اس نکاح کو رجسٹرڈ کر لیں۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ اگر جنت اور دوزخ کا ظاہری تصور درست نہیں ہے تو پھر جنت اور دوزخ کیا ہے؟ اور جب قیامت آئے

گی تو جنت اور دوزخ کیسی لگیں گی؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 فروری 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب:۔ جنت اور دوزخ کے بارہ میں جس طرح دوسرے مذاہب میں طرح طرح کے تصورات پائے جاتے ہیں مسلمانوں نے بھی قرآن کریم اور احادیث میں بیان جنت و دوزخ کے بارہ میں بیان امور کو نہ سمجھنے اور انہیں ظاہر پر محمول کر دینے کی وجہ سے غلط قسم کے خیالات اپنے ذہنوں میں پیدا کر لئے ہیں۔ حالانکہ قران و حدیث نے انسان کو سمجھانے کیلئے جنت و دوزخ کے بارہ میں یہ تمثیلی نقشہ بیان فرمایا ہے۔ اور ان کے بارہ یہ الفاظ بطور استعارہ استعمال فرمائے ہیں اور ان کے پیچھے ایک اور حقیقت مخفی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس تمثیلی نقشہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان فرمایا ہے فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ یعنی کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کیلئے ان کے اعمال کے بدلہ کے طور پر کیا کیا آنکھیں ٹھنڈی کرنے والی چیزیں چھپا کر رکھی گئی ہیں۔ اسی طرح حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت کی نعماء ایسی ہیں مَا لَا عَيْنٌ رَّأَتْ وَلَآ أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ۔ کہ انہیں نہ کبھی کسی انسانی آنکھ نے دیکھا، نہ کبھی کسی انسانی کان نے ان کا حال سنا اور نہ کبھی کسی انسان کے دل میں ان کے بارہ میں کوئی تصور گزرا۔

دراصل جنت اور دوزخ اسی دنیا کے ایمان اور عمل کا ایک ظلّ ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے اور اسی کے ایمان اور اعمال صالحہ ہیں جن کی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں۔ اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہوں گے۔ اسی لئے قرآن کریم جنتیوں کے بارہ میں فرماتا ہے کُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا۔ کہ جب بھی وہ اُن (باغات) میں سے کوئی پھل بطور رزق دیئے جائیں گے تو وہ کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی دیا جا چکا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے ان کے پاس محض اس سے ملتا جلتا (رزق) لایا گیا تھا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام جنت و دوزخ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قرآن شریف کی رو سے دوزخ اور بہشت دونوں اصل میں انسان کی زندگی کے اظلال اور آثار ہیں۔ کوئی ایسی نئی جسمانی چیز نہیں ہے کہ جو دوسری جگہ سے آوے۔ یہ سچ ہے کہ وہ دونوں جسمانی طور سے متمثل ہوں گے مگر وہ اصل روحانی حالتوں کے اظلال و آثار ہوں گے۔ ہم لوگ ایسی بہشت کے قائل نہیں کہ صرف جسمانی طور پر ایک زمین پر درخت لگائے گئے ہوں اور نہ ایسی دوزخ کے ہم قائل ہیں جس میں درحقیقت گندھک کے پتھر ہیں۔ بلکہ اسلامی عقیدہ کے موافق بہشت دوزخ انہی اعمال کے انعکاسات ہیں جو دنیا میں انسان کرتا ہے۔''

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد10 صفحہ 413)

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں اپنے بیٹے کی بیماری کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ جب سب کچھ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو وہ میرے بیٹے کو ٹھیک کیوں نہیں کر دیتا۔ اگر کہا جائے کہ انسان کو اس کے اعمال کی سزملتی ہے۔ تو میرا بیٹا تو پیدا ہی ایسا ہوا تھا، اس نے کونسا گناہ کیا ہے؟ یہ سب میری سمجھ سے باہر ہے۔ مجھے یہ سب سمجھائیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 فروری 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب:۔ خدا تعالیٰ جو کامل علم والی ہستی ہے، اس کے مقابلہ پر انسان کا علم بہت ہی ناقص اور نامکمل ہے۔ اس لئے انسان کیلئے خدا تعالیٰ کے ہر فعل کی حکمت سمجھنا ناممکن ہے۔ لہٰذا انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارہ میں ایسا اعتراض کرنا زیب نہیں دیتا۔ اس سے اس کے احسانات کی ناشکری کا اظہار ہوتا ہے۔ کیونکہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطاء فرمائی ہیں وہ ان گنت ہیں اور اگر ان کا انسان شکر ادا کرنا چاہے تو ناممکن ہے۔ اسی لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے جسم کے ہر جوڑ پر ہر روز ایک صدقہ واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ جوڑ نہ ہوں تو اس کا سارا جسم بے کار ہو جائے۔ پھر ایک اور نصیحت حضور ﷺ نے ہمیں یہ فرمائی کہ تم میں سے کوئی جب ایسے شخص کو دیکھے جو مال یا جسمانی ساخت میں اس سے بہتر ہے تو

اسے اس شخص پر بھی نظر ڈالنی چاہیئے جو مالی لحاظ سے یا جسمانی لحاظ سے اس سے کمزور ہے۔ ان نصائح پر عمل کرنے سے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے احسانوں کا حقیقی شکر پیدا ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان کاموں میں بھی انسان کی ہی ترقی کے بہت سے راز مضمر ہیں۔ اگر یہ دکھ، تکالیف اور بیماریاں نہ ہوتیں تو انسان میں سوچنے اور ترقی کرنے کی تحریک ہی پیدا نہ ہوتی اور وہ ایک پتھر کی طرح جامد چیز بن کر رہ جاتا۔ یہ تکالیف ہی ہیں جو انسان میں تحقیق اور جستجو کے مادہ کو متحرک رکھتی ہیں۔ چنانچہ اکثر سائنسی تحقیقات اور ایجادات کے پیچھے انسانی تکالیف اور بے آرامی سے چھٹکارا پانے کی ایک مستقل جدوجہد کارفرما نظر آتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو تکالیف انسان کو پہنچتی ہیں وہ انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو چلانے کیلئے ایک قانون قدرت بنایا اور دنیا میں بہت سی چیزیں پیدا کر کے انسان کو ان پر حاکم بنا دیا ہے۔ اب اگر انسان بعض چیزوں سے فائدہ نہ اٹھائے یا ان چیزوں کا غلط استعمال کر کے نقصان اٹھائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ چنانچہ میڈیکل سائنس سے ثابت ہے کہ ماں باپ کی بعض کمزوریوں کا ان کی اولاد پر اثر پڑتا ہے۔ حمل میں اگر پوری طرح احتیاط نہ برتی جائے تو بعض اوقات اس کا پیدا ہونے والے بچہ کی صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے، جو مائیں ڈائٹنگ کرتی ہیں ان کے بچے بعض اوقات کمزور پیدا ہوتے ہیں، جن بچیوں کو بچپن میں مٹی چاٹنے کی عادت ہو بعض اوقات ان کی اولاد معذور پیدا ہوتی ہے۔ پس تکالیف خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ نہیں ہیں بلکہ اس قانون قدرت کے غلط استعمال یا اس میں کمی بیشی کرنے کے سبب سے ہیں جو انسانوں کے فائدہ کیلئے بنایا گیا تھا۔ البتہ اللہ تعالیٰ انسان کی بہت سی غلطیوں سے درگزر فرماتے ہوئے اسے ان کے بد نتائج سے بچاتا رہتا ہے۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ”اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس سبب سے ہے جو تمہارے اپنے ہاتھوں نے کمایا۔ جبکہ وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔“ (سورۃ الشوریٰ:31)

پھر خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون قدرت میں ایک بات یہ بھی شامل ہے کہ ہر چیز دوسرے سے اثر قبول کرتی ہے۔ اسی قانون کے تحت بچے اپنے والدین سے جہاں اچھی باتیں قبول کرتے ہیں وہاں بُری باتیں بھی قبول کرتے ہیں، صحت بھی ان سے لیتے ہیں اور بیماری بھی ان سے لیتے ہیں۔ اگر

بیماریاں یا تکالیف ان کو ماں باپ سے ورثہ میں نہ ملتیں تو اچھی باتیں بھی نہ ملتیں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو انسان ایک پتھر کا وجود ہوتا جو بُرے بھلے کسی اثر کو قبول نہ کرتا اور اس طرح انسانی پیدائش کی غرض باطل ہو جاتی اور انسان کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتی۔

چوتھی بات یہ ہے کہ دنیوی زندگی دراصل عارضی زندگی ہے اور اس کی تکالیف بھی عارضی ہیں۔ اور جن لوگوں کو اس عارضی زندگی میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں ایسے شخص کی اخروی زندگی جو دراصل دائمی زندگی ہے، کی تکالیف دور فرما دیتا ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک مومن کو اس دنیا میں رستہ چلتے ہوئے جو کانٹا بھی چبھتا ہے اس کے بدلے میں بھی اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں اجر لکھتا ہے یا اس کی خطائیں معاف کر دیتا ہے۔

اس دنیوی زندگی کے مصائب میں اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو سب سے زیادہ ڈالتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے انبیاء پر سب سے زیادہ آزمائشیں آتی ہیں پھر رتبہ کے مطابق درجہ بدرجہ باقی لوگوں پر آزمائش آتی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کسی آدمی کو حضور ﷺ سے زیادہ درد میں مبتلا نہیں دیکھا۔

چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے کئی بچے فوت ہوئے، حالانکہ صرف ایک بچہ کی وفات کا دکھ ہی بہت بڑا دکھ ہوتا ہے۔

پس دنیوی تکالیف اور آزمائشوں میں بہت سی الٰہی حکمتیں مخفی ہوتی ہیں، جن تک بعض اوقات انسانی عقل کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ پس انسان کو صبر اور دعا کے ساتھ ان کو برداشت کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"بعض وقت مصلحت الٰہی یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں انسان کی کوئی مراد حاصل نہیں ہوتی۔ طرح طرح کے آفات، بلائیں، بیماریاں اور نامرادیاں لاحق حال ہوتی ہیں مگر ان سے گھبرانا نہ چاہئے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 23، ایڈیشن 2016ء)

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ نیشنل عاملہ لجنہ اماء اللہ بنگلا دیش کی Virtual ملاقات مؤرخہ 14 نومبر 2020ء میں لجنہ اور ناصرات کی تربیت کے بارہ میں حضور انور نے فرمایا:

جواب:۔ لجنہ کی تربیت اس طرح کریں کہ لجنہ کو عادت ڈالیں کہ ایک تو ان کا باقاعدہ حیادار لباس ہو، وہ پردہ کرتی ہوں اور گھر سے باہر نکلیں تو ان کا لباس ایسا نہ ہو کہ غلط قسم کے مردوں کی اس پر نظریں پڑیں، اور پردہ کر کے باہر نکلا کریں۔ اس بات کا خیال رکھیں کہ احمدی لڑکی اور احمدی عورت کا دوسروں سے ایک فرق ہونا چاہیئے۔ اور عادت ڈالیں کے ہر لجنہ ممبر جو ہے وہ روزانہ پانچ وقت نمازیں پڑھنے والی ہو۔ یہ کوشش کریں کہ ہر لجنہ ممبر جو ہے وہ قرآن کریم کی روزانہ تلاوت کرنے والی ہو اور یہ بھی کوشش کریں کہ آپ کی جو نوجوان لڑکیاں ہیں ان کو اپنے احمدیوں میں ہی رشتے کرنے کی طرف زیادہ توجہ ہو بجائے اس کے کہ باہر رشتے کریں۔ اور جو نوجوان لڑکیاں کام کرتی ہیں یا جو عورتیں کام کرتی ہیں ان کو یہ عادت ڈالیں کہ وہ اپنے کام کی جگہ پر اپنا ایسا لباس پہنیں جو حیادار لباس ہو اور پردہ میں رہ کر کام کیا کریں۔ اسی طرح تربیت کے سیمینار بھی کیا کریں اور ان سیمینار میں نوجوانوں کو بلایا کریں اور ان کو سمجھایا کریں کہ اللہ اور رسول کے کیا حکم ہیں اور اس کے مطابق اپنی تربیت کریں۔

اسی ملاقات میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ناصرات کی تربیت کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

ان کیلئے تربیت کے پروگرام ایسے بنائیں کہ ناصرات کی تربیت اچھی طرح کر دیں، ان کو نمازیں پڑھنے کی عادت پڑھ جائے، ان کو قرآن کریم پڑھنے کی عادت پڑھ جائے، ان کو دعائیں کرنے کی عادت پڑھ جائے، ان کو میرا ایم ٹی اے پہ جو خطبہ آتا ہے اس کو سننے کی عادت پڑھ جائے، ناصرات کی اگر اچھی طرح تربیت کر دیں گی تو وہی ناصرات لجنہ میں جا کے پھر زیادہ اچھا کام کریں گی۔ اگر ناصرات کی آپ ٹریننگ کر دیں گی تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی لجنہ بھی بڑی اچھی ہو جائے گی۔ اس لئے کوشش کریں کہ ناصرات کی زیادہ سے زیادہ اچھی تربیت کر سکیں۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک ممبر لجنہ اماء اللہ نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ بے حد مصروف رہتے ہیں کیا آپ کی ہفتہ وار چھٹی کا کوئی انتظام ہے اور آپ اپنے دوستوں اور اہل و عیال کیلئے کس طرح وقت نکالتے ہیں؟ اس کے جواب میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جواب:۔ بس اسی طرح گزار لیتے ہیں۔ اس وقت بھی میں آپ کے ساتھ میٹنگ کر کے ہفتہ وار چھٹی منا رہا ہوں۔ یہ میری ہفتہ وار چھٹی ہے۔

سوال:۔ ایک ممبر لجنہ نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضور جب خلافت سے پہلے افریقہ تشریف لے گئے تب کے حالات اب جیسے نہیں تھے اس وقت آپ کو کام کرتے ہوئے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ حضور سے درخواست ہے کہ اس وقت کا کوئی تجربہ ہمیں بتائیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کا درج ذیل الفاظ میں جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب:۔ بات یہ ہے کہ مشکلات کا سامنا تو کرنا پڑتا ہے۔ اور اس وقت بڑے مشکل حالات تھے، اب تو بڑے اچھے حالات ہیں۔ تو یہی تھا کہ جس کام کیلئے ہم آئے ہیں اس کام کو کرنا ہے اور اس مقصد کو پورا کرنا ہے۔ مشکلات تو کام کے رستہ میں سامنے آتی ہیں لیکن دین کے کام میں مشکلات روک نہیں بنی چاہئیں۔ اس لئے ہماری، میری بھی اور میری بیوی کی بھی اس وقت یہی کوشش ہوتی تھی کہ ہمارے جو کام ہیں وہ چلتے رہیں اور کوئی روک نہ ہمیں بنے۔ اور ایسے حالات میں، مشکل حالات میں عورتوں کو بھی خاوندوں کا ساتھ دینا چاہئے اور خاوندوں کو بھی عورتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور جو دینی کام ہیں وہ چلتے رہنے چاہئیں۔ باقی اللہ تعالیٰ پہ توکل کرتے ہوئے جب آپ کام کرتے ہیں تو چاہے مشکل حالات بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان کے حل کا کوئی نہ کوئی ذریعہ نکال دیتا ہے۔ اور اسی طرح کام کرنے کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرتے رہنا چاہیئے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت بھی ڈال دیتا ہے۔ بس یہی تھا کہ محنت کرو اور دعا کرو تو اللہ تعالیٰ حل کر دیتا ہے۔ کسی بات سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 22 ستمبر 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 19

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اگر ہم اچھے کام کریں گے تو جنت کا وعدہ ہے اور اگر بُرے کام کریں گے تو جہنم میں جانا پڑے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا کیا فائدہ ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 فروری 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب:۔ بنیادی طور پر یہ سوال ہی درست نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام کی ہر گز یہ تعلیم نہیں کہ انسان جنت کی لالچ سے نیکیاں بجالائے یا جہنم کے خوف سے بُرائیوں سے بچے۔ ایسا ایمان جو کسی لالچ یا کسی خوف سے ہو وہ کمزور ایمان ہوتا ہے۔ مخلوق کا اپنے خالق سے ایسا مضبوط تعلق ہونا چاہیئے جو بہشت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے پاک ہو۔ بلکہ اگر فرض کر لیا جائے کہ نہ بہشت ہے اور نہ دوزخ ہے تب بھی انسان اپنے رب کی عبادت میں، اس کی محبت اور اطاعت میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آنے دے۔ اسی لئے قرآن وحدیث میں خالق اور مخلوق کے تعلق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کو اختیار کر کے اس کا حقیقی عبد بنے اور اس کے ہر قول و فعل میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول پیش نظر ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس مضمون کو کئی جگہوں پر بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں:

”ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 21)

پس اللہ اور بندے کا تعلق، عاشق اور معشوق والا تعلق ہے۔ کوئی عاشق اپنے معشوق سے یہ نہیں کہتا کہ میں تجھ پر اس لئے عاشق ہوں کہ تو مجھے اتنا روپیہ یا فلاں فلاں شے دیدے۔ ہر گز نہیں۔ اس کا عشق تو ہر قسم کے طمع اور لالچ سے پاک ہوتا ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ان باتوں سے اللہ تعالیٰ کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ ہر قسم کے فائدہ یا نقصان سے پاک ذات ہے۔ اس نے انسان کو یہ تعلیم انسان ہی کے فائدہ کیلئے دی ہے۔ اسی لئے وہ فرماتا ہے کہ ”جو شخص شکر کرتا ہے اس کے شکر کا فائدہ اسی کی جان کو پہنچتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو یقیناً اللہ بے نیاز ہے (اور) بہت صاحب تعریف ہے۔“

(سورۃ لقمان:13)

یہ سوال ایسا ہی ہے، جیسے کوئی کہے کہ ایک ماں کے اپنے بچہ کو دودھ پلانے اور بچہ کے بیمار ہونے پر اسے کڑوی دوائی پلانے میں اس ماں کا کیا فائدہ ہے؟ یا ایک استاد کے پڑھائی کرنے والے شاگرد کو پاس کرنے اور پڑھائی نہ کرنے والے شاگرد کو فیل کرنے میں اس استاد کا کیا فائدہ ہے؟

پس جس طرح ان امور میں ماں اور استاد کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں بلکہ اس بچہ اور شاگرد کا فائدہ اور نقصان ہے اسی طرح اللہ اور بندہ کے معاملہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں بلکہ الٰہی احکامات کی بجاآوری میں انسان کا فائدہ اور ان احکامات کی حکم عدولی میں انسان ہی کا نقصان ہے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتابوں میں Complicated باتیں کیوں بیان کی ہیں اور سب کچھ آسان اور واضح انداز میں کیوں نہیں بتادیا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ بعد میں اختلافات ہونے ہیں؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 فروری 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل الفاظ میں جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب:۔ اصل میں اعلیٰ درجہ کے ایمان کیلئے آزمائش شرط ہوتی ہے۔ اسی لئے سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں ہدایت پانے والے اور کامیابی حاصل کرنے والے متقیوں کی ایک نشانی یہ بیان فرمائی کہ

وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ پس ایمان ہمیشہ اسی صورت میں مفید ہوتا ہے جب اس میں کوئی اخفاء کا پہلو ہو۔ تاکہ مومن اور غیر مومن کا فرق واضح ہو سکے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس اخفاء کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''پیشگوئی میں کسی قدر اخفاء اور تشابہات کا ہونا بھی ضروری ہے اور یہی ہمیشہ سے سنت الٰہی ہے ...... اگر آنحضرت ﷺ کے متعلق جو پیشگوئیاں تورات اور انجیل میں ہیں وہ نہایت ظاہر الفاظ میں ہوتیں ..... تو پھر یہودیوں کو آپ کے ماننے سے کوئی انکار نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے کہ ان میں متقی کون ہے جو صداقت کو اس کے نشانات سے دیکھ کر پہنچانتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے۔''

(ملفوظات جلد نہم صفحہ 283 ایڈیشن 1984ء)

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ نیشنل عاملہ لجنہ اماء اللہ بنگلا دیش کی Virtual ملاقات مؤرخہ 14 نومبر 2020ء میں ایک ممبر لجنہ نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ چھوٹے بچوں والی ماؤں کو نماز کے وقت بچہ کو ساتھ لے کر یا گود میں اٹھا کر نماز پڑھنا پڑتی ہے۔ اس وقت فطرتاً نماز سے زیادہ بچہ کی طرف توجہ رہتی ہے۔ اس سے ہم نماز کی فضیلت سے محروم تو نہیں ہو رہی ہوتیں؟ حضور نے فرمایا:

جواب:۔ نہیں محروم نہیں ہو رہی ہوتیں۔ لیکن آپ یہ کیا کریں کہ جب بچہ روتا ہے تو اس کو گود میں اٹھا لیا اور نماز پڑھ لی اور پھر جب سجدہ میں گئے تو بچہ کو ایک سائیڈ پر بٹھا دیا پھر نماز پڑھ لی۔ یہ تو اضطراری حالت ہے اللہ تعالیٰ دلوں کا حال جانتا ہے۔ کیونکہ آپ نیک نیتی سے نماز پڑھ رہی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب دیتا ہے۔ لیکن نماز کا وقت آپ کے پاس کافی ہوتا ہے۔ فجر کے وقت تو بچے عموماً سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یا فیڈر یا دودھ دے کے، یا فیڈ دے کے اس کو سُلا کے آپ آرام سے فجر کی نماز پڑھ سکتی ہیں۔ عام طور پہ کوشش یہ کریں کہ بچہ کو سلانے کے بعد یا بچہ کو فیڈ دیدی ہے تو پھر اس کے بعد اس کو لٹا کے اگر وقفہ ہے تو پھر آرام سے نماز پڑھیں اور اگر وقفہ تھوڑا ہے مثلاً سورج ڈوب رہا ہے یا فجر کی نماز پہ سورج نکل رہا ہے تو پھر مجبوری ہے کہ جلدی جلدی نماز پڑھ لینی ہے۔ یا آپ کی عصر کی نماز سورج ڈوبنے کی وجہ سے ضائع ہو رہی ہے تو جلدی سے پڑھ لیں۔ لیکن عموماً کوشش یہ کریں کہ بچہ سے فارغ ہونے کے بعد اس کو

سلا کے، لٹا کے آپ اپنی نماز پڑھ لیں۔ لیکن اگر مجبوری میں آپ کو بچہ کو گود میں لے کے پڑھنی بھی پڑھتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس میں کوشش کریں کہ جتنی زیادہ توجہ آپ نماز کی طرف قائم کر سکتی ہیں قائم رکھیں، نماز کے جو الفاظ ہیں ان پہ غور کرتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ثواب دینے والا ہے، اللہ تعالیٰ رحمٰن رحیم ہے اور بخشش کرنے والا بھی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ یہ ظلم نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کو ساری صورت حال پتا ہے۔ لیکن اگر ساری کوششوں کے باوجود کسی عورت کے پاس وقت نہیں رہتا اور اس کو بچہ کو گود میں لے کے نماز پڑھنا مجبوری ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب دینے والا ہے، دیتا ہے۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک ممبر لجنہ نے دریافت کیا کہ کئی دفعہ شادی کے بعد لڑکیاں اپنا نام بدل کر خاوند کے نام کے ساتھ ملا کر رکھ لیتی ہیں۔ اسلامی نظریہ کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے؟ حضور انور اس سوال کے جواب میں نے فرمایا:

جواب:۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ رکھ لیتی ہیں تو کیا ہو گیا؟ اب ان کی جو پہچان ہے سرکاری کاغذوں میں، تو مجبوری ہے۔ بعض دفعہ سرکاری کاغذوں میں ایک نام مثلاً عطیہ بابر کسی نے اپنے باپ کے نام سے نام رکھا ہوا ہے۔ تو جب اس کی شادی ہو جائے گی، اس کی رجسٹریشن ہو جائے گی تو رجسٹریشن میں، اس کے نکاح فارم یا سرکاری کاغذوں میں اس کا نام عطیہ مبشر کے نام سے اگر آ جائے گا، بابر کی جگہ مبشر آ جائے گا تو اس میں کیا حرج ہے؟ کوئی حرج نہیں اس میں۔ اسلام میں اس کی بالکل اجازت ہے کہ خاوند کے نام سے نام رکھ لیا جائے۔ اصل نام اس کا عطیہ ہے۔ دوسرا نام تو پہچان کیلئے رکھا ہوا ہے، پہلے باپ اس کی پہچان تھا اب شادی کے بعد خاوند اس کی پہچان ہو گیا۔ بلکہ اچھی بات ہے جو خاوند کی پہچان کے ساتھ نام رکھیں گے تو خاوند کو اپنی بیوی کی عزت کا خیال رہے گا اور بیوی کو اپنے خاوند کی عزت کا خیال رہے گا اور دونوں میں اس سے پیار اور تعلق زیادہ قائم ہو گا۔ اس لئے خاوند کے نام سے نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک ممبر لجنہ کا سوال پیش ہوا کہ ان Pandemic حالات میں ہم پہلے کی طرح تبلیغ نہیں کر پا رہی ہیں۔ اب ان حالات میں ہم کس طرح اپنے کام کو جاری رکھ سکتی ہیں۔ حضور اس معاملہ میں ہماری راہنمائی فرما دیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کے جواب میں فرمایا:

جواب:۔ اب مجبوری ہے باہر تو نکل نہیں سکتے۔ بعض ملکوں میں حکومت کی طرف سے کووڈ کی وجہ سے Social Distancing اور بعض دوسری چیزوں کی بعض پابندیاں ہیں۔ لیکن اس میں آن لائن اپنے ذاتی رابطے کئے جا سکتے ہیں۔ جنہوں نے کام کرنا ہوتا ہے انہوں نے سوشل میڈیا پہ آن لائن تبلیغ کیلئے پروگرام بنا لئے ہیں۔ اگر آپ کا تبلیغ ڈپارٹمنٹ سوشل میڈیا پہ کوئی ویب سائٹ بنا لیتا ہے تو اس پہ لجنہ تبلیغ کر سکتی ہیں، ساری لجنہ شامل ہو سکتی ہیں۔ پھر اپنے Contacts کو فون کر کے یا سوشل میڈیا کے ذریعہ سے Message بھیج کے تبلیغ کر سکتی ہیں۔ اسلام کی تعلیم کے بارہ میں کوئی اچھا Message، کوئی اچھا Quote بھیج دیا۔ اس سے پھر آہستہ آہستہ رستے کھلتے ہیں۔ تو ان حالات میں بھی تبلیغ کرنے کے نئے نئے رستے Explore ہو سکتے ہیں، وہ تو خود کوشش کر کے Explore کرنے چاہئیں۔ ٹھیک ہے؟

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک ممبر لجنہ نے حضور سے دریافت کیا کہ شادی کے معاملہ میں دین کو ترجیح دینے کی بات کی گئی ہے۔ مگر آجکل لوگ خوبصورتی اور دوسری خصوصیات کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں جس وجہ سے جماعت کی کافی نیک اور دینی لڑکیوں کی شادی نہیں ہو رہی، اس بارہ میں حضور سے راہنمائی کی درخواست ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

جواب:۔ دیکھیں ہم نے تو کوشش کرنی ہے اور میں تو کوشش کرتا رہتا ہوں۔ لڑکوں کو بھی سمجھاتا رہتا ہوں۔ یہ بالکل صحیح بات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا ہے کہ تم لوگ جو کسی سے شادی کرتے ہو تو اس کی خصوصیات کی بنا پر کرتے ہو یا اس کا خاندان دیکھتے ہو یا اس کی شکل دیکھتے ہو یا اس کی دولت دیکھتے ہو۔ لیکن ایک مومن جو ہے اس کو ہمیشہ عورت کا دین دیکھنا چاہیئے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر لڑکوں میں دین نہیں ہو گا تو وہ لڑکیوں کا دین کس طرح دیکھیں گے؟ تو جو جماعتی نظام ہے اور خدام

الاحمدیہ ہے، میں ان کو بھی کہتا ہوں کہ لڑکوں میں دینداری پیدا کرو۔ جب لڑکوں میں دینداری پیدا ہو گی تو پھر وہ یقیناً ایسی لڑکیوں سے شادی کرنے کی کوشش کریں گے جو دیندار ہوں۔ تو یہ تربیت کا معاملہ ہے اور اس طرف میں جماعت کو بھی توجہ دلاتا رہتا ہوں اور خدام الاحمدیہ کو بھی توجہ دلاتا رہتا ہوں اور انصار اللہ کو بھی توجہ دلاتا رہتا ہوں۔ لیکن لجنہ کا کام یہی ہے کہ وہ خود بھی کوشش کریں، جو بڑی عمر کی لجنہ ممبرات ہیں، مائیں ہیں وہ بھی اپنے بچوں اور لڑکوں کی تربیت کریں، ان کو توجہ دلائیں کہ تم نے نیک اور دیندار لڑکی سے شادی کرنی ہے۔ اگر مائیں اپنا کردار ادا کریں گی تو یقیناً ان کے لڑکے بھی دیندار لڑکیوں سے شادی کریں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب لڑکے کی شادی کا معاملہ آتا ہے تو مائیں کہتی ہیں کہ ہمارا بچہ جو ہے ہم اس کی شادی اپنی مرضی سے کریں گے۔ اور جب لڑکیوں کی عمر گزر رہی ہوتی ہے اور لڑکیوں کے رشتے نہیں ملتے، جب وہ بڑی ہو جاتی ہیں، تو پھر مائیں اور باپ کہتے ہیں کہ جماعت ان کی شادی کروادے۔ حالانکہ دونوں کو جماعت کے سپرد کرنا چاہیئے اور کہنا چاہیئے کہ دیندار لڑکے اور دیندار لڑکیاں آپس میں مل کر شادیاں کریں تاکہ جماعت کے اندر ہی لڑکے اور لڑکیاں رہیں اور آئندہ بھی نیک اور دیندار نسل پیدا ہوتی رہے۔ تو یہ تو کوشش ہے، مردوں کی بھی اور عورتوں کی بھی مشترکہ کوشش ہے، جو مل کے کرنی چاہیئے۔ اس میں ماؤں کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہئے اور باپوں کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ اس کیلئے میں کوشش بھی کرتا ہوں، میں توجہ بھی دلاتا ہوں، دعا بھی کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق دے۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک سوال حضور انور کی خدمت اقدس میں یہ پیش ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا امر سب سے پسندیدہ اور کونسا امر سب سے ناپسندیدہ ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس بارہ میں فرمایا:

جواب:۔ بات یہ ہے کہ ہر ایک کے حالات کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا کہ کونسی نیکی ہے جو میں اختیار کروں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنے ماں باپ کی خدمت کرو جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ ایک دوسرا شخص آیا اس نے کہا کونسی نیکی ہے جو میں کروں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم مالی قربانی کرو، یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ تیسرا شخص آیا اس نے کہا

بتائیں کونسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے جو میں کروں۔ آپؐ نے کہا اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اسی طرح چوتھا شخص آیا اس کو ایک اور بات بتائی۔ تو آنحضرت ﷺ ان کے حالات جانتے تھے اور پتا تھا کہ کس کس میں کون کون سی کمزوریاں ہیں۔ کچھ ان کے حالات جاننے کی وجہ سے پتا ہوں گی، کچھ اللہ تعالیٰ بھی راہنمائی کرتا ہوگا۔ تو ہر ایک کے حالات کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ یہ انسان کو خود جائزہ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سات سو احکام دیئے ہیں۔ نیکیاں بھی بتائی ہیں، نواہی بھی بتائے ہیں۔ یہ بھی بتایا ہے کہ کیا کام کرنے ہیں اور کیا منع ہیں۔ اوامر کیا ہیں اور نواہی کیا ہیں۔ کرنے والے کام کیا ہیں اور نہ کرنے والے کام کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی لسٹ بتا دی۔ اب خود انسان کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ میرے میں کونسی کمزوری ہے جس کو میں دور کروں اور کونسی نیکی ہے جو میں نہیں کرتا اس کو میں کروں۔ تو اگر ہر ایک اپنا جائزہ لے کر خود یہ کرے تو اصلاح پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اپنے نفس سے فتویٰ لینا چاہیئے۔ ہر ایک فتویٰ Black and White میں ظاہر نہیں ہو جاتا۔ اصولی طور پر یہی حکم ہے کہ اپنی کمزوریوں کو تلاش کرو اور ان کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ اور نہ صرف کمزوریاں دور کرو بلکہ نیکی بھی کرو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جو بنیادی اصول بتا دیا وہ یہ بتا دیا کہ تمہارے دو کام ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو، اس کی عبادت کا حق ادا کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق صحیح طرح ادا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ پھر انسان کو توفیق دیتا ہے کہ وہ نیکیاں ہی کرتا رہے۔ کیونکہ اس کی عبادت کا حق ادا ہو رہا ہوتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کے بندوں کا حق ادا کرو۔ جب انسان اس کے بندوں کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر کسی سے برائی نہیں کرتا اور پھر مزید نیکیوں کی بھی توفیق ملتی چلی جاتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ تو بنیادی چیز یہی ہے کہ اللہ کا حق ادا کرو اور بندوں کا حق ادا کرو۔ باقی انسان تفصیلات میں جائے تو اپنا خود جائزہ لے، اپنے ضمیر سے دیکھے، پوچھے کہ کیا برائیاں ہیں جو میں نے چھوڑنی ہیں اور کیا نیکیاں ہیں جو میں نے کرنی ہیں۔ باقی یہ بھی ہے کہ ایک شخص آیا اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ میں اتنا نیک نہیں ہوں، میرے میں بہت ساری برائیاں ہیں۔ آپ مجھے ایک برائی بتا دیں جو میں چھوڑ دوں، باقی میں ابھی نہیں چھوڑ سکتا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا تم یہ عہد کر لو کہ تم نے جھوٹ نہیں بولنا، ہمیشہ سچ بولنا ہے۔ جب اس نے ہمیشہ سچ بولنے کا ارادہ کیا تو ہر دفعہ جب کوئی برائی کرنے لگتا تھا تو اسے خیال آتا تھا

کہ اگر آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ تم نے یہ برائی کی ہے تو اگر میں سچ بولوں گا تو شرمندگی ہوگی، جھوٹ بولوں گا تو میں نے وعدہ کیا ہے کہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس کی ساری برائیاں ختم ہوگئیں۔ تو انسان کو خود دیکھنا چاہیئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کو شرک کے برابر قرار دیا ہے۔ اس لئے انسان کو جائزہ لینا چاہیئے کہ میں نے چھوٹی سے چھوٹی بات پہ بھی جھوٹ نہیں بولنا کیونکہ یہ شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کو شرک ناپسند ہے۔ تو یہ بہت ساری باتیں ہیں جو ہر ایک کے حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہیں۔ اس لئے خود جائزہ لے لیں کہ کیا کمی ہے۔ لیکن بنیادی اصول یہی ہے کہ اللہ کا حق ادا کرو اور بندوں کا حق ادا کرو اور جب کوئی کام کرنے لگو تو یہ دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ جب یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے، میرے ہر کام کو دیکھ رہا ہے تو پھر انسان برائی سے رُکے گا اور نیکیاں کرے گا۔

سوال:۔ اسی Virtual ملاقات مؤرخہ 14 نومبر 2020ء میں صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ بنگلا دیش نے حضور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضور بنگلہ دیش کی لجنہ اور ناصرات کیلئے کوئی پیغام ارشاد فرما دیں جو اس میٹنگ کے بعد وہ سب کو پہنچا دیں۔ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جواب:۔ سب کو میرا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پہنچا دیں اور ساتھ یہ بھی کہہ دیں کہ اپنے ایمان پہ قائم رہنا۔ مشکل حالات آتے ہیں، پریشانیاں آتی ہیں، تکلیفیں آتی ہیں، اس کو کبھی اپنے دین پہ حاوی نہ ہونے دینا۔ اور ہمیشہ ہر مشکل اور ہر تکلیف کے وقت اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنا اور کسی انسان سے کسی قسم کی امید نہ رکھنا اور اپنی اور اپنے بچوں کی اور اپنی نسل کی تربیت کیلئے عہد کرو کہ ہم نے انہیں نیک اور صالح بنانا ہے اور صحیح مومن بنانا ہے اور اگر یہ دعا کریں گی اور اپنے بچوں کیلئے کوشش کریں گی تو ظاہر ہے کہ خود بھی اس کیلئے کوشش کرنی پڑے گی۔ اس لئے اپنی اصلاح کی طرف بھی بہت زیادہ توجہ دیں تاکہ آئندہ نیک نسلیں پیدا ہوتی رہیں اور ہمیشہ یاد رکھیں کہ اگر ہماری عورتوں کی اصلاح ہو جائے اور ہماری عورتیں نیک ہو جائیں، ہماری عورتیں تقویٰ کے معیاروں کو حاصل کرنے لگیں تو ہماری نسلیں ان

شاء اللہ تعالیٰ محفوظ ہو جائیں گی، پھر ہمیں کوئی فکر نہیں ہو گی۔ یہی لجنہ اماء اللہ کا کام ہے اور یہی میرا پیغام سب لجنہ اماء اللہ کو اور سب ناصرات کو ہے جنہوں نے آئندہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ مائیں بننا ہے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 28 ستمبر 2021ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر20

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ایک خطبہ جمعہ میں بیان جمعۃ المبارک کے دن قبولیت دعا کی خاص گھڑی کے وقت کے بارہ میں حضور انور کے ارشاد، اسی طرح جلسہ سالانہ یوکے کے آخری دن کے خطاب میں نماز تراویح میں پورا سپارہ پڑھنے کی بجائے چھوٹی سورتیں پڑھنے کے بارہ میں حضور انور کے ارشاد کے بارہ میں مزید وضاحت چاہی؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 فروری 2020ء میں ان دونوں امور کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

جواب:۔ میں نے اپنے خطبہ جمعہ میں جمعہ کے روز آنے والی قبولیت دعا کی خاص گھڑی کے بارہ میں احادیث اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشادات کی روشنی میں بیان کیا تھا کہ ایک تو یہ بہت مختصر گھڑی ہوتی ہے اور دوسرا اس کے مختلف وقت بیان ہوئے ہیں۔ علمائے حدیث اور فقہاء نے بھی اس گھڑی کا وقت زوال آفتاب سے لیکر سورج غروب ہونے تک مختلف وقتوں میں بیان کیا ہے۔

میرے نزدیک اس گھڑی کے مختلف وقت بیان ہونے میں حکمت یہ ہے کہ جمعہ کا سارا دن ہی بہت برکت والا ہے اس لئے یہ سارا دن ہی انسان کو دعاؤں میں گزارنا چاہئے۔

جہاں تک نماز کو مختصر کرنے کی بات ہے تو اس بارہ میں آپ نے میری دو باتوں کو آپس میں الجھا دیا ہے۔ حدیث کے حوالہ سے ایک بات میں نے یہ بتائی تھی کہ حضور ﷺ کی خدمت میں کسی نے ایک امام کی شکایت کی جو بہت لمبی نماز پڑھاتا تھا۔ اور اس پر حضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

پھر میں نے یہ بات کی تھی کہ نماز کے مختصر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ جلدی جلدی ٹکریں مار کر نماز پڑھی جائے اور اس ضمن میں بطور مثال میں نے سوشل میڈیا پر دکھائی جانے والی ایک نماز تراویح کا ذکر کیا تھا جس میں امام چند منٹوں میں نماز تراویح کی ساری رکعتیں پڑھا دیتا ہے۔

پس اصل بات یہ تھی کہ نہ نماز کو اتنا لمبا کرنا چاہئے کہ مقتدی اکتا جائیں اور ان کے دل میں نماز کیلئے نفرت پیدا ہو اور نہ ہی نماز کو اس قدر مختصر کرنے کی اجازت ہے کہ وہ نماز نہیں بلکہ ٹکریں مارنا دکھائی دے۔

پھر اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ حضور ﷺ نے جس نماز کے مختصر کرنے کی ہدایت فرمائی ہے وہ فرض نماز ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فرض نمازیں تمام مردوں پر باجماعت ادا کرنا لازم ہیں۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ چونکہ مقتدیوں میں بیمار، بوڑھے، کمزور اور کام کاج پر جانے والے بھی ہوتے ہیں، اس لئے امام کی ذمہ داری ہے کہ ان سب کا خیال رکھتے ہوئے نماز کو مناسب وقت میں پڑھائے۔

لیکن نماز تراویح چونکہ نفلی نماز ہے اور اس کیلئے کوئی ایسی شرط نہیں کہ تمام لوگ ضرور اس میں شامل ہوں۔ بلکہ جو آسانی سے اس میں شامل ہو سکے اسے شامل ہونا چاہئے اور جسے کوئی عذر ہو وہ بے شک شامل نہ ہو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرا نماز تراویح کا آغاز حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوا اور آپ نے خاص طور پر قرآن کریم کی قرأت کیلئے ہی اس کو جاری فرمایا تھا۔ اس لئے اس میں نسبتاً لمبی قرأت ہونی چاہئے اور اگر ممکن ہو تو رمضان المبارک میں نماز تراویح میں قرآن کریم کی تکمیل کرنی چاہئے۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں اپنے بھائی کی وفات کا ذکر کر کے بیوہ کے سوگ نیز باقی لوگوں کے سوگ خصوصاً بھائی کی وفات پر بہن کے سوگ کے بارہ میں اسلامی احکامات دریافت کئے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 فروری 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اسلام نے اپنے متبعین کی خوشی و غمی کے ہر معاملہ میں راہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ کسی پیارے کی وفات پر صبر کرنے کی تلقین کے ساتھ اس کی جدائی کے غم کے اظہار کی بھی اجازت دی اور تمام عزیزوں کو جن میں وفات پانے والے کے والدین، بہن بھائی اور اولاد وغیرہ سب شامل ہیں، زیادہ سے

زیادہ تین دن تک سوگ کی اجازت دی ہے۔ جبکہ بیوی کو اپنے خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کی ہدایت فرمائی ہے، جس کا قرآن کریم کی سورۃ البقرہ میں ذکر ہے۔ نیز احادیث میں بھی حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر اس کا ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ (جو حضور ﷺ کی ربیبہ تھیں) سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہؓ کے پاس گئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی ایسی عورت کیلئے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کی وفات کے کہ اس پر وہ چار مہینے دس دن سوگ کرے گی۔ (راویہ کہتی ہیں) پھر جب حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی کی وفات ہوئی تو میں ان کے پاس گئی۔ (اور جب ان کے بھائی کی وفات پر تین دن گزر گئے تو) انہوں نے خوشبو منگوائی اور اسے اپنے پر لگایا اور پھر کہا کہ مجھے خوشبو کی حاجت نہیں تھی مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے خود یہ سنا ہے کہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کیلئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ کرے۔ سوائے اپنے شوہر کی وفات پر، کہ اس پر وہ چار ماہ دس دن تک سوگ کرے گی۔

(بخاری کتاب الجنائز باب إِحْدَادِ الْمَرْأَةِ عَلَى غَيْرِ زَوْجِهَا)

پس بیوہ کے علاوہ باقی تمام عزیزوں کیلئے خواہ وہ والدین ہوں، اولاد ہو یا بہن بھائی ہوں، سب کو صرف تین دن تک سوگ کی اجازت ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

جہاں تک بیوہ کے (چار ماہ دس دن کے) سوگ کی حدود کا تعلق ہے تو اسلام نے اس میں نہ تو کسی قسم کا کوئی استثناء رکھا اور نہ ہی اس حکم میں عمر کی کوئی رعایت رکھی ہے۔ پس بیوہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ عدت کا یہ عرصہ حتی الوسع اپنے گھر میں گزارے۔ اس دوران اسے بناؤ سنگھار کرنے، سوشل پروگراموں میں حصہ لینے اور بغیر ضرورت گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں۔

عدت کے عرصہ کے دوران بیوہ اپنے خاوند کی قبر پر دعا کیلئے جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ قبر اسی شہر میں ہو جس شہر میں بیوہ کی رہائش ہے۔ نیز اگر اسے ڈاکٹر کے پاس جانا پڑے تو یہ بھی مجبوری کے تحت آتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی بیوہ کے خاندان کا گزارا اس کی نوکری پر ہے جہاں سے اسے رخصت ملنا ممکن

نہیں، یا بچوں کو سکول لانے لے جانے اور خریداری کیلئے اس کا کوئی اور انتظام نہیں تو یہ سب امور مجبوری کے تحت آئیں گے۔ ایسی صورت میں اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ سیدھی کام پر جائے اور کام مکمل کر کے واپس گھر آکر بیٹھے۔ مجبوری اور ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے کی بس اتنی ہی حد ہے۔ کسی قسم کی سوشل مجالس یا پروگراموں میں شرکت کی اسے اجازت نہیں۔

سوال:۔ اکیلی عورت کے حج پر جانے کے بارہ میں محترم ناظم صاحب دارالافتاء کے جاری کردہ ایک فتویٰ کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 فروری 2020ء میں درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ میرے نزدیک حج اور عمرہ کیلئے عورت کے ساتھ محرم کی شرط ایک وقتی حکم تھا بالکل اسی طرح جس طرح اُس زمانہ میں اکیلی عورت کیلئے عام سفر بھی منع تھا، کیونکہ اُس وقت ایک تو سفر بہت مشکل اور لمبے ہوتے تھے، راستوں میں کسی قسم کی سہولتیں میسر نہیں تھیں اور الٹا سفروں میں راہزنی کے خطرات بہت زیادہ تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جب حضور ﷺ کی خدمت میں راہزنی کی شکایت کی گئی تو آپ نے آئندہ زمانہ کے پر امن سفروں کی بشارت دیتے ہوئے حضرت عدی بن حاتم کو فرمایا فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنْ الْحِيرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ یعنی اگر تمہاری زندگی زیادہ ہوئی تو یقیناً تم دیکھ لوگے کہ ایک ہودج نشیں عورت حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کرے گی، اللہ کے علاوہ اس کو کسی کا خوف نہ ہو گا۔

اسی حدیث کے آخر پر حضرت عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں فَرَأَيْتُ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنْ الْحِيرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ إِلَّا اللّٰهَ یعنی میں نے ہودج نشین عورت کو دیکھا ہے کہ وہ حیرہ سے سفر شروع کرتی ہے اور کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب)

حیرہ اس زمانہ میں ایرانی حکومت کے تحت ایک شہر تھا جو کوفہ کے قریب واقع تھا۔ اس لحاظ سے اُس زمانہ میں یہ کئی دنوں کا سفر بنتا ہے۔ پس اگر اُس زمانہ میں ایک عورت حیرہ سے چل کر کئی دنوں کا

سفر کر کے مکہ خانہ کعبہ کا طواف کرنے آ سکتی ہے تو اِس زمانہ میں چند گھنٹوں کا ہوائی جہاز کا سفر کر کے ایک عورت عمرہ اور حج وغیرہ کیلئے کیوں نہیں جا سکتی؟

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا ہے کہ میں نے پڑھا ہے کہ ایک مومن کیلئے ہمیشہ بھلائیاں ہی آتی ہیں لیکن دوسری طرف یہ بھی ہے کہ یہ دنیا مومن کیلئے جہنم ہے۔ اس میں کونسی بات ٹھیک ہے۔ نیز یہ کہ کیا یہ درست ہے کہ اگر ایک نماز رہ جائے تو پچھلی چالیس سال کی نمازیں ضائع ہو جاتی ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 فروری 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ درحقیقت ایک سچے مومن کو دنیاوی چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، وہ انہیں اللہ کے حکم پر صرف عارضی سامان کے طور پر ضرورت کی حد تک استعمال کرتا ہے۔ اور ہر وقت اس کی نظر اللہ تعالیٰ کے رضا اور اس کی خوشنودی پر ہوتی ہے۔ پس ایک مومن چونکہ دنیوی چیزوں کے پیچھے نہیں بھاگتا کہ وہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد کو محو نہ کر دیں اس لئے دنیاوی لحاظ سے اس پر بظاہر تنگی آتی ہے لیکن وہ اس سے تکلیف محسوس نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر وہ اس دنیاوی تنگی کو بھی خوشی سے برداشت کر لیتا ہے۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے ربّ! قید خانہ مجھے ان دنیاوی آسائشوں اور آلائشوں سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ خواتین مجھے بلاتی ہیں۔ (یوسف:34)

اس کے مقابلہ پر ایک کافر چونکہ اس دنیا کو ہی اپنا سب کچھ خیال کرتا اور ہر وقت اسی کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے اور دنیاوی سامانوں سے خوب حظ اٹھاتا اور وہی اس کا اوڑھنا بچھونا ہوتے ہیں۔ پس اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے۔

نماز کے بارہ میں آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر بھول کر کوئی نماز رہ جائے تو حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب وہ نماز یاد آئے اسی وقت اسے پڑھ لیا جائے یہی اس نماز کے بھولنے کا کفارہ ہے۔ لیکن اگر جان بوجھ کر کوئی نماز چھوڑ دی جائے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی معافی توبہ، استغفار اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرنے کے عہد سے ہی ہو سکتی ہے۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ مربیان سلسلہ جرمنی کی Virtual ملاقات مؤرخہ 15 نومبر 2020ء میں اس سوال پر کہ ہم کس طرح حضور انور کے سلطان نصیر بن سکتے ہیں؟ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ خلیفۂ وقت کا اگر سلطان نصیر بننا ہے تو دعاؤں کے بغیر نہیں بنا جا سکتا۔ اور دعاؤں کیلئے، سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کیلئے نفل ہیں۔ فرائض تو آپ لوگ ادا کرتے ہی ہیں۔ اگر نہیں ادا کریں گے تو پھر ایک مسلمان کی جو ایک بنیادی Category ہے اس میں بھی نہیں آتے۔ لیکن فرائض ادا کرنے کے بعد جو نوافل ہیں وہ اصل چیز ہیں جو آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب بھی دلائیں گے اور خدمت کے موقعے بھی زیادہ میسر آئیں گے اور ان میں برکت بھی پڑے گی اور خلیفۂ وقت کے سلطان نصیر بننے کی بھی توفیق ملے گی۔ اس لئے ہر مربی کا فرض ہے کے کم از کم (ایک گھنٹہ تہجد پڑھے) آج کل تو ویسے بھی ایک گھنٹہ تہجد پڑھنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آجکل تو دو گھنٹے بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن عام حالات میں بھی ہر ایک کو کم از کم ایک گھنٹہ تو تہجد پڑھنی چاہئے۔ سوائے اس کے کہ کوئی مجبوری ہو، کوئی بیمار ہے، کوئی بوڑھا ہو گیا ہے اس کی تو اور بات ہے ناں۔ باقی تو اس کے بغیر گزارا ہی نہیں ہے۔ اس طرف خاص توجہ دیں۔ ذکر الٰہی کی طرف بھی زیادہ توجہ ہونی چاہئے۔ بجائے اس کے کہ یہ سوچتے رہیں کہ آج ہم نے فلاں سٹور میں جانا ہے، فلاں جگہ فلاں اچھی چیز آئی ہوئی ہے۔ یا میں نے فلاں دنیاوی کام کرنا ہے۔ یا فلاں جگہ مجلس جمی ہوئی ہے وہاں بیٹھنا ہے۔ اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنی روحانیت کو بڑھانے کی طرف توجہ دیں۔ اور یہ بڑھے گی تو تبھی آپ انقلاب لا سکتے ہیں۔ نرے ترانے پڑھنے سے اور نعرے لگانے سے کبھی دنیا میں انقلاب نہیں آیا کرتے اور نہ آپ کے کاموں میں برکت پڑ سکتی ہے۔ اس لئے پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنی روحانی حالت کو بہتر بنائیں اور آپ لوگ جو مربیان ہیں اپنی جماعت کے افراد کیلئے نمونہ بننے کی کوشش کریں اور ایک Role Model ہوں۔ ہر ایک آپ کو دیکھ کر کہہ سکے کہ ہاں واقعی مربی صاحب کا تعلق باللہ بھی ہے، اور توجہ بھی ہے، اور ہمدردی خلق بھی ہے، اور افراد جماعت سے پیار اور محبت کا سلوک بھی ہے۔ یہ چیزیں پیدا کریں گے تو تبھی آپ لوگوں کو کامیابیاں ملیں گی۔ اپنے لوگوں کی تربیت

کرلیں تو آپ کو جماعت میں ایسے ایسے کام کرنے والے مل جائیں گے جو آپ کے مددگار ہوں گے، معاون ہوں گے اور پھر آپ کے کام میں آسانیاں پیدا ہوں گی۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک مربی صاحب نے عرض کیا کہ حضور نے شروع میں نماز تہجد کا ذکر فرمایا ہے۔ سردیوں میں تو انسان آسانی سے تہجد کیلئے اٹھ سکتا ہے لیکن مستقل طور پر اور ان ممالک میں گرمیوں میں اس کی عادت ڈالنے کا بہترین ذریعہ کیا ہے؟ حضور انور نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:۔

جواب:۔ یہ تو Depend کرتا ہے کہ کتنا اللہ تعالیٰ سے آپ کا تعلق ہے۔ کتنی اللہ سے محبت ہے۔ باقی کاموں کیلئے وقت نکال لیتے ہیں ناں؟ اگر جرمنی میں رہتے ہوئے رات کو دس بجے عشاء کی نماز ہوتی ہے یا ساڑھے دس بجے ہوتی ہے اور صبح ڈھائی بجے، پونے تین بجے یا تین بجے ہوتی ہے۔ (یہاں بلکہ یوکے میں اس سے جلدی سحری ہو جاتی ہے۔ وہاں پھر ایک گھنٹہ لیٹ سحری ہوتی ہے۔ آدھا پونا گھنٹے کا فرق ہوتا ہے۔) تو دو گھنٹے سوئیں، ڈیڑھ گھنٹہ سوئیں۔ پھر اٹھ کے نماز پڑھیں۔ اس کے بعد نماز فجر کے بعد پھر ایک دو گھنٹے سو جائیں۔ یہ تو اپنا پروگرام خود بنانا پڑتا ہے۔ اگر کسی کام کے کرنے کی دل میں تڑپ ہو تو سب رستے نکل آتے ہیں۔ جب جامعہ میں آپ کے امتحان ہو رہے ہوتے تھے اور پڑھنے کا شوق ہوتا تھا تو رات کو اٹھ کے پڑھتے تھے ناں؟ یا کوئی فکر پیدا ہوئی ہو تو تہجد پڑھتے ہیں ناں؟ یہ تو سوچ کی بات ہے۔ اگر آپ سوچ کو اس طرح ڈھال لیں گے کہ میں نے یہ کام کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے۔ تو لوگ تو رات کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سوتے ہیں۔ اس کے بعد اٹھ کے تہجد پڑھ لیتے ہیں۔ پھر صبح نماز فجر کے بعد جب باقی وقت ہوا سو گئے۔ یہ تو وقت نکالنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد سارا دن بھی تو آپ کو مل جاتا ہے۔ دوپہر کو نیند پوری کرنے کیلئے ایک گھنٹہ سو لیا کریں۔ یہ تو کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ جوانی میں ہی عبادت ہوتی ہے جو ہوتی ہے۔ آپ تو نوجوان لوگ ہیں آپ لوگوں کا ہی وقت ہے۔ یہی وقت ہے اس وقت سے فائدہ اٹھا لیں اور عبادات کا جتنا حق ادا کر سکتے ہیں کرنے کی کوشش کریں۔

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیز گار

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک مربی صاحب نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ دیکھنے میں آتا ہے کہ نوجوان نسل کا زیادہ وقت باہر کے معاشرہ کے زیر اثر گزرتا ہے، انہیں ہم جماعت کے قریب کیسے لا سکتے ہیں؟ حضور انور نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:۔

جواب:۔ تو ٹھیک ہے نوجوان مربیان جو ہیں یہ ان کا کام ہے۔ آپ لوگ یہیں پلے ہیں، یہیں بڑھے ہیں، یہیں آپ نے گریجویشن کی ہے یا جو بھی تعلیم حاصل کی ہے، سیکنڈری سکول کی جو تعلیم حاصل کی ہے یا Abitur کیا یا جو بھی کیا تو آپ لوگوں کو اس ماحول کا پتہ ہے۔ آپ بھی یہاں رہتے ہیں۔ اس کے مطابق دیکھیں کہ کس طرح ان لوگوں کی تربیت کر سکتے ہیں۔ اور اسی لئے میں کہتا ہوں کہ دوستیاں بنائیں، اسی لئے ذیلی تنظیمیں بھی ہیں۔ ذیلی تنظیموں کا بھی کام ہے کہ اپنے لڑکوں کو اپنے ساتھ Involve کریں۔ اور نوجوان مربیان جتنے بھی ہیں ان کا کام ہے کہ ان کی مدد کریں۔ اس طرح کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ تو کوشش ہے، ٹھیک ہے ماحول یہ ہے۔ ماحول ہی تو ہمارے لئے چیلنج ہے۔ اس ماحول میں ہی ہم نے ان کے حالات کے مطابق کوشش کرنی ہے۔ کوئی نئی چیز تو نہیں ہے، کوئی نیا فارمولا تو نہیں ایسا بن جائے گا کہ آپ اس کو اپلائی کریں گے تو سارے لوگوں کی اصلاح ہو جائے گی اور وہ ولی اللہ بن جائیں گے، کوئی نہیں بنے گا۔ نہ ایک دن میں آپ لوگ اپنے سارے ٹارگٹ Achieve کر سکتے ہیں۔ یہ تو ایک مسلسل کوشش ہے تا کہ ان کا جماعت کے افراد کے ساتھ تعلق پیدا رہے اور ان کو یہ احساس ہوتا رہے کہ ہاں ہماری ایک اور ذمہ داری بھی ہے کہ جو ہم نے دین کو دنیا پہ مقدم رکھنے کا عہد کیا ہوا ہے اس کو بھی ہم نے پورا کرنا ہے۔ یہ احساس آہستہ آہستہ دلاتے رہیں۔ آپ کی تنظیموں کا افراد جماعت سے یا ذیلی تنظیموں کے ممبران جو ہیں، خدام سے، لجنہ سے، انصار سے، ان کا جتنا رابطہ ہو گا، اتنا زیادہ اثر ہو گا۔ مربیان ان سے تعلق رکھنے کا اپنے آپ کو جتنا زیادہ وقت دیں گے اتنا زیادہ اثر ہو گا۔ یہ تو ایک مسلسل کوشش ہے اور یہ جاری رکھنی ہے۔ اس کیلئے کوئی Hard and fast فارمولا نہیں بنایا

جا سکتا۔ ہر ایک کے حالات کے مطابق، ہر ایک شخص کی نفسیات کے مطابق یہ فیصلے کرنے ہوں گے۔ اور آپ نوجوان مربیان پہ یہی Trust کیا گیا ہے کہ آپ لوگ جو وہاں کے پڑھے لکھے ہیں وہ زیادہ بہتر طور پہ یہ تربیت کا کام کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کی اپنی تربیت صحیح ہو جائے گی اور جیسا کہ میں نے شروع میں کہہ دیا تھا کہ تعلق باللہ پیدا ہو جائے گا تو پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ لوگ انقلاب لانے والے بھی بن جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ نوجوان مربیان اگر ایک عزم سے اٹھیں گے تو ایک انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آپ لوگ یہاں کے ماحول میں پلے بڑھے ہیں۔ پہلے تو ہوتا تھا کہ کوئی پاکستان سے آیا، کوئی باہر سے مربیان آئے، ان کو صحیح طرح سے پتہ نہیں تھا، زبان پہ پوری طرح گرفت نہیں تھی۔ آپ کو تو زبان پہ بھی پوری طرح Grasp ہے، Comprehension ہے اور اس کو آپ اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں۔ یہاں کے ماحول میں رہے ہوئے ہیں، ماحول کا بھی پتہ ہے۔ اسی طرح آپ لوگ خود نئے نئے راستے Explore کریں کہ کس طرح ہم نے ان کی تربیت کرنی ہے، کس طرح ان کو Attach کرنا ہے، کس طرح ہم نے نئی نسل کو ضائع ہونے سے بچانا ہے۔

سوال:۔ اسی Virtual ملاقات مؤرخہ 15 نومبر 2020ء میں ایک مربی صاحب نے حضور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ بعض دوسری قومیں جو جماعت میں شامل ہو رہی ہیں، وہ جماعت کے علم الکلام سے تو بہت متاثر ہوتی ہیں لیکن جماعتی نظام اور خصوصاً مالی قربانی میں وہ پوری طرح شامل نہیں ہو پاتیں اور مقامی جماعت کے ساتھ بھی ان کے مستحکم رابطے نہیں ہو پاتے، اس بارہ میں حضور انور کی خدمت میں راہنمائی کی درخواست ہے؟ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:۔

جواب:۔ بات یہ ہے کہ جماعتی نظام کو بھی ان کیلئے اتنا مشکل نہ کریں۔ اسی لئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے شروع میں یہی کہا تھا، اور ان سے پہلے بھی خلفاء یہی کہتے رہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ جو نئے آنے والے نو مبائعین ہیں وہ جب آتے ہیں اور آپ کے ساتھ شامل ہوتے ہیں تو ان کو پہلے تین سال کے عرصہ میں سمجھائیں کہ سسٹم کیا ہے نہ کہ ان سے اس طرح سلوک کریں کہ وہ کوئی ولی اللہ ہیں یا صحابہ کی اولاد میں سے ہیں یا پیدائشی احمدی ہیں۔ پیدائشی احمدی تو بلکہ کم جانتے ہیں وہ جو نئے آنے والے

ہیں وہ دینی علم بھی آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ اکثر میں نے دیکھا ہے جو صحیح طرح سوچ سمجھ کے جماعت میں شامل ہوتا ہے وہ نمازوں کی طرف بھی توجہ دینے والا زیادہ ہوتا ہے، وہ استغفار کرنے والا بھی ہوتا ہے، وہ تہجد پڑھنے والا بھی ہوتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کو سمجھنے کی کوشش بھی کرنے والا ہوتا ہے۔ تو بہرحال ہمارا یہ کام نہیں کہ جو بھی شامل ہوتا ہے اس کو پہلے دن سے ہی (تمام چیزوں کا پابند) کریں۔ اسی لئے تین سال کیلئے ان کے اوپر چندہ کا نظام لاگو نہیں کیا جاتا ہے۔ تین سال کا عرصہ ان کی ٹریننگ کا ہوتا ہے تاکہ اس میں تربیت ہو جائے۔ ان کو بتائیں کہ یہ جماعت کا نظام ہے لیکن تم ابھی نئے ہو تم اس کو پہلے غور سے دیکھو، سمجھو۔ لیکن پھر مثلاً مالی قربانی ہے، اللہ تعالیٰ نے کیونکہ مالی قربانی کی طرف توجہ دلائی ہے تو تم وقف جدید اور تحریک جدید کا چندہ جو ہے اس میں جتنا تمہاری حیثیت ہے تم دے سکتے ہو چاہے سال کا ایک یورو دو تاکہ تمہیں احساس پیدا ہو کہ جماعت سے تمہاری کوئی Attachment ہے۔ اسی طرح نمازوں کے بارہ میں ان کو بتائیں کہ نماز سیکھو۔ اب جب غیر مسلموں سے ایک مسلمان ہوتا ہے، احمدی مسلمان ہوتا ہے۔ اس کو سورۃ فاتحہ سکھانی شروع کریں۔ جب اس کو سورۃ فاتحہ آجائے، یاد ہو جائے۔ تو جب نماز اس نے پڑھنی ہے تو نماز کے فرائض اس کو بتائیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کی ہے۔ پہلی بنیادی چیز تو نماز ہے ناں؟ تو نماز اللہ تعالیٰ نے جب فرض کی ہے تو اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے۔ نماز کی جو بنیادی چیز ہے وہ سورۃ فاتحہ ہے اور سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اس لئے اس کو پہلے سورۃ فاتحہ یاد کرائیں۔ پھر اس کو کہیں کہ اچھا تم ترجمہ یاد کرو۔ یا اسے کہہ دیں کہ تم ترجمہ یاد کر لو تاکہ جو بالجہر نمازیں ہیں ان میں جب امام سورۃ فاتحہ پڑھ رہا ہے تو ساتھ ساتھ تمہیں دل میں پتہ لگتا رہے کہ امام کیا پڑھ رہا ہے۔ پھر اس کو خود شوق پیدا ہو گا کہ سورۃ فاتحہ یاد کر لے۔ یہاں کئی انگریز احمدی ہوئے ہیں میں نے ان کو دیکھا ہے کہ انہوں نے بڑے شوق سے اسے یاد کیا۔ یا کسی بھی ملک کے میرے سے جو کوئی بھی ملتے ہیں ان کو جب میں کہتا ہوں تو وہ سورۃ فاتحہ یاد کرتے ہیں اور بڑی اچھی طرح اللہ کے فضل سے یاد کر لیتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں۔ تو تین سال کا عرصہ ان کو ایک ٹریننگ دینے کا عرصہ کا ہے۔ جب ان کی تین سال میں وہ ٹریننگ ہو جائے گی تو پھر ان کو جماعت کے سسٹم میں Integrate ہونا مشکل نہیں لگے گا۔

اگر آپ پہلے دن سے ان سے توقع رکھیں کہ وہ ولی اللہ بن جائیں تو وہ نہیں ہو سکتا۔ (یہ توقع رکھنا) پھر آپ لوگوں کا قصور ہے۔ تین سال کا عرصہ رکھا ہی اس لئے گیا ہے کہ نہ ان سے چندہ لینا ہے، نہ ان کو زیادہ زور دینا ہے۔ ان کی صرف تربیت کرنی ہے کہ جماعت کا نظام کیا ہے۔ اور نہ ان کی Harshly تربیت کرنی ہے بلکہ پیار سے، محبت سے سمجھانا ہے کہ نماز کیا چیز ہے؟ نماز کیوں فرض ہے؟ نماز پڑھو۔ تم ایک نماز پڑھو گے، دو پڑھو گے، تین پڑھو گے چار پڑھو گے۔ جو پکا مومن ہے اس پر پانچ نمازیں فرض ہیں اور اس کی وجوہات کیا ہیں؟ نماز جب پڑھتے ہیں اس کی حکمت کیا ہے؟ تو علم الکلام سے جو متاثر ہوتے ہیں ان کو پھر نماز کی حکمت سمجھائیں۔ اگر اس میں اتنی عقل ہے کہ اس کو علم الکلام کی باتیں پتہ لگ گئیں۔ فلسفہ پتہ لگ گیا۔ گہرائی پتہ لگ گئی۔ تو پھر اس کو یہ کہنا کہ نماز نہیں پڑھو گے تو جہنم میں چلے جاؤ گے۔ یہ نہیں کہنا اس کو۔ اس کو پیار سے یہ کہیں کہ نماز کی حکمت کیا ہے۔ پانچ نمازیں کیوں فرض کی گئی ہیں۔ جب اس کو حکمت سمجھ آجائے گی تو آپ سے زیادہ نمازیں پڑھنے لگ جائے گا۔ میں نے تو تجربہ کر کے یہی دیکھا ہے۔ اسی طرح چندہ ہے۔ چندہ کی حکمت کیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ پہ ایمان کی حکمت کیا ہے؟ تو صرف علم الکلام سے متاثر ہونا بات نہیں ہے اس علم الکلام کو ہی لے کے آگے اس کو حکمت سمجھائیں۔ جس علم الکلام سے وہ متاثر ہوئے ہیں اسی علم الکلام کو ذریعہ بنائیں۔ مثلاً اسلامی اصول کی فلاسفی ہے۔ لوگ متاثر ہو کر اسے پڑھتے ہیں۔ اب اسلامی اصول کی فلاسفی سے ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کا پتہ لگ جاتا ہے۔ اسلامی اصول کی فلاسفی سے ہی عبادت کی حقیقت پتہ لگ جاتی ہے۔ اسلامی اصول کی فلاسفی سے ہی قربانی کا معیار پتہ لگ جاتا ہے۔ اسلامی اصول کی فلاسفی سے ہی جنت اور دوزخ کا نظریہ پتہ لگ جاتا ہے۔ تو یہ ساری چیزیں جب ان کے علم الکلام سے ہی ان کو سمجھائیں گے تو ان کو سمجھ آجائے گی۔ تو آپ جو بات کر رہے ہیں اس کی دلیل تو آپ کے پاس خود موجود ہے اسی دلیل کو استعمال کریں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 3 جون 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات
قسط نمبر 21

سوال:۔ ایک مربی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھاہے کہ حضور ﷺ کو زہر دینے والی عورت کے بارہ میں حضور نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایاہے کہ حضور ﷺ نے اسے معاف کر دیا تھا جبکہ ایک حدیث میں آتاہے کہ حضور ﷺ نے اسے قتل کروادیا تھا، اس بارہ میں مزید راہنمائی کی درخواست ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 فروری 2020ء میں اس بارہ میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

جواب:۔ اس مسئلہ میں علماء حدیث میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ مستند اور ثقہ کتب احادیث میں بیان احادیث کے مطابق یہی مسلک درست ہے کہ اس عورت کے حضور ﷺ کے قتل کی کھلی کھلی سازش کرنے کے باوجود حضور ﷺ نے اسے معاف فرمادیا تھا۔ اور باوجود اس کے کہ اس زہر کی کاٹ آخری عمر تک آپ کے گلے میں محسوس ہوتی رہی لیکن آپ ﷺ نے اپنی خاطر اس عورت کو کوئی سزا نہیں دی۔ جبکہ دنیا میں زمانہ قدیم میں بھی اور آج کے ترقی یافتہ زمانہ میں بھی کسی بادشاہ یا سربراہ حکومت کے قتل کی صرف منصوبہ بندی پر موت کی سزائیں دی جاتی ہیں۔

بعض محدثین نے اس اختلاف کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے پہلے اس عورت کو کوئی سزا نہیں دی تھی لیکن جب حضرت بشر بن براءؓ کی اس زہر آلودہ گوشت کے کھانے سے وفات ہو گئی تو آپ ﷺ نے قصاص کے طور پر اس عورت کو قتل کروادیا۔ اگر یہ توجیہہ درست بھی ہو تو حضور ﷺ کی سیرت کا یہ پہلو جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایاہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات کیلئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، اس واقعہ میں بھی بہت نمایاں طور پر سامنے آتاہے۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا ہے کہ بچے اکثر سوال کرتے ہیں کہ جب ہم اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوئے تو خدا تعالیٰ کے احکامات کی پیروی ہم پر کیوں لازم ہے؟ نیز لکھا کہ دعائے قنوت میں جو یہ فقرہ ہے کہ ”ہم چھوڑتے ہیں تیرے نافرمان کو“ تو کیا اس مراد نافرمان اولاد اور افراد جماعت بھی ہو سکتے ہیں؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 فروری 2020ء میں ان سوالات کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ ایک بچہ کو اس کے والدین کی خواہش کے مطابق پیدا کرتا ہے۔ پھر والدین کو نصیحت کرتا ہے کہ اولاد کے نیک اور صالح ہونے کیلئے دعا کرو اور اس غرض کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دعا بھی سکھائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیکر اسے سوچنے کیلئے ذہن اور زندگی گزارنے کیلئے مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ پھر اسے اچھے اور بُرے کی پہچان کروا کر آزاد چھوڑ دیا اور اسے کہا کہ اگر اس دنیا کی عارضی زندگی میں اچھے کام کرو گے تو آخرت کی دائمی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے مختلف قسم کے انعامات کے وارث قرار پاؤ گے لیکن اگر بُرے کام کرو گے تو شیطان کے قبضہ میں چلے جاؤ گے جس کی وجہ سے ایک تو قسما قسم کے ان انعامات سے محروم رہو گے اور دوسرا شیطان کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے جن روحانی بیماریوں کا شکار ہو گے ان کے علاج کیلئے اخروی زندگی کی جہنم میں جو کہ وہاں کا ہسپتال ہے طرح طرح کے تکلیف دہ علاجوں سے گزارنا پڑے گا۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ اور شیطان کے جس مقالمہ کو ہمارے لئے بیان کیا ہے اس میں بھی یہی مضمون ہے کہ جب شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں انسانوں کو تیری راہ سے بہکاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے تیری بات ہرگز نہیں مانیں گے اور میں اپنے ان بندوں کو جنت جیسے انعامات سے نوازوں گا اور جو تیری بات مانیں گے تو میں ان سے جہنم کو بھروں گا۔

پس اب یہ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ خود سوچے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کر کے اس کے انعامات کا وارث بننا ہے یا شیطان کی راہ اختیار کر کے جہنم کی سزاؤں کا حقدار بننا ہے۔

جہاں تک دعائے قنوت کے فقرہ کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ فاسق و فاجر کفار ہیں جنہوں نے منافقت اور دھوکہ کے ساتھ مسلمانوں کا قتل و غارت کیا اور انہیں طرح طرح کے نقصان پہنچائے۔ چنانچہ بئر معونہ اور رجیع جیسے واقعات کے بعد ہی حضور ﷺ نے قنوت فرمایا۔ پس والدین کی نافرمان اولاد یا نظام جماعت سے انتظامی سزا پانے والے افراد جماعت اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔

البتہ انتظامی سزا پانے والے ایسے افراد جماعت جن پر ان سزاؤں کا بظاہر کوئی اثر نہیں ہوتا، ان کی جھوٹی اناؤں نے انہیں اپنے قبضہ میں لیا ہوتا ہے اور وہ بھول جاتے ہیں کہ نظام جماعت کی اطاعت کرنی ہے۔ ایسے لوگوں کو اس سزا کا احساس دلانے کیلئے باقی افراد جماعت کا فرض بنتا ہے کہ ان کے ساتھ مجلسوں میں نہ بیٹھیں، انہیں اپنی دعوتوں میں نہ بلائیں اور نہ انہیں اپنی خوشیوں میں شامل کریں۔ کیونکہ جماعتی تعزیر ایک معاشرتی دباؤ کیلئے دی جاتی ہے۔ تاہم بیوی بچوں اور والدین کو ان کے ساتھ تعلقات رکھنے کی اس لئے اجازت دی جاتی ہے کہ وہ انہیں سمجھائیں اور نظام جماعت کا مطیع و فرمانبردار اور صحت مند فرد بنانے کی کوشش کریں۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ کیا کسی کی موت کا انجام اس کے مذہبی عقائد پر منحصر ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 فروری 2020ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کو اس لئے مبعوث کرتا ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور لوگ اس دنیا کی عارضی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق گزار کر اخروی زندگی کے دائمی انعامات کے وارث بنیں اور شیطانی راستوں کو ترک کر کے اخروی عذاب سے بچیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ قرآن کریم نے اس مضمون کو مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے۔

لیکن کسی کے جنت یا دوزخ میں جانے کے فیصلہ کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ اور وہ فرماتا ہے کہ میں شرک کے سوا تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں۔ پس کسی عام انسان کو اختیار نہیں کہ وہ دوسروں کے جنت یا دوزخ میں جانے کا فتویٰ دے۔ البتہ خدا کے نبی اور

فرستادے چونکہ خدا سے غیب کا علم پاتے ہیں اس لئے جب کوئی نبی یا فرستادہ کسی کے بارہ میں کوئی بات کہتا ہے تو وہ بات دراصل خدا تعالیٰ کے ہی علم پر مبنی اور عین صداقت ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزارہ لوگوں نے مرنے والے کا ذکر خیر کیا تو آپؐ نے فرمایا اس کیلئے جنت واجب ہو گئی۔ پھر ایک دوسرا جنازہ گزار تو لوگوں نے مرنے والے کی برائیوں کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا اس کیلئے جہنم واجب ہو گئی۔ اور پھر فرمایا کہ مومن لوگ زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔

پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ وہ کسی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا بھی اجر ضرور اسے دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے کفر کی حالت میں محض خدا تعالیٰ کے خوش کرنے کیلئے بہت کچھ مال مساکین کو دیا تھا۔ کیا اس کا ثواب بھی مجھے ملے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہی صدقات ہیں جو تجھے اسلام کی طرف کھینچ لائے ہیں۔

پس کسی کی موت پر اس کے مذہبی عقائد کی بناء پر اس کیلئے جنت یا جہنم کا فیصلہ کرنا کسی عام انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے یا اس کی نیابت میں اس کے نبیوں اور فرستادوں کا ہے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ جلسہ جرمنی میں ایک تقریر میں دجال کو ایک شخص کی بجائے استعارہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا لیکن گزشتہ دنوں ایک ویڈیو میں صحیح مسلم کی ایک حدیث کا ذکر تھا جس میں دجال کو ایک مجسم انسان قرار دیا گیا ہے۔ کیا یہ حدیث Authentic ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 فروری 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ دراصل آخری زمانہ میں اسلام نے جن مصائب اور فتنوں سے دوچار ہونا تھا، ان میں دجال اور یاجوج ماجوج کا خاص طور پر ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں مختلف پیرایوں میں ان فتنوں کا ذکر موجود ہے اور آنحضور ﷺ نے بھی مختلف انداز میں ان فتنوں سے اپنی امت کو آگاہ فرمایا ہے، جس

کا ذکر کئی احادیث میں بیان ہوا ہے۔ انہیں میں سے ایک حدیث صحیح مسلم کی بھی ہے جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث بھی اس مضمون سے تعلق رکھنے والی دیگر احادیث کی طرح کشفی نظارہ اور استعارات پر مشتمل ہے۔ اگر اس حدیث میں بیان امور حقیقت پر مبنی ہوتے تو اس راوی کے علاوہ بھی کئی اور لوگوں نے اس حدیث میں بیان اس جساسہ اور دیو ہیکل دجال کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہوتا۔ پس کسی اور کا اس حدیث میں بیان امور کے بارہ میں اپنا ظاہری مشاہدہ بیان نہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ یہ ایک کشفی نظارہ تھا۔

باقی جہاں تک دجال اور جاجوج ماجوج کی حقیقت کا تعلق ہے تو یہ ایک ہی فتنہ کے مختلف مظاہر ہیں۔ دجال اس فتنہ کے مذہبی پہلو کا نام ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ گروہ آخری زمانہ میں لوگوں کے مذہبی عقائد اور مذہبی خیالات میں فساد پیدا کرے گا۔ اور اس زمانہ میں جو گروہ سیاسی حالات کو خراب کرے گا اور سیاسی امن و امان کو تباہ و برباد کرے گا اس کو یاجوج ماجوج کا نام دیا گیا ہے۔ اور ہر دو سے مراد مغربی عیسائی اقوام کی دنیوی طاقت اور ان کا مذہبی پہلو ہے۔

لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے ذریعہ ہمیں یہ خبر دی کہ جب دجال اور یاجوج ماجوج کے فتنے برپا ہوں گے اور اسلام کمزور ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسلام کی حفاظت کیلئے مسیح موعود کو مبعوث فرمائے گا۔ اس وقت مسلمانوں کے پاس مادی طاقت نہ ہو گی لیکن مسیح موعود کی جماعت دعاؤں اور تبلیغ کے ساتھ کام کرتی چلی جائے گی۔ جس کی بدولت اللہ تعالیٰ ان فتنوں کو خود ہلاک کر دے گا۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ اطفال الاحمدیہ جرمنی کی Virtual ملاقات مؤرخہ 29 نومبر 2020ء میں ایک طفل کے اس سوال پر کہ آجکل کے حالات کی وجہ سے غیر مسلم، مسلمانوں سے ڈرتے ہیں۔ہم انہیں کیسے تسلی دے سکتے ہیں؟حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

جواب:۔ ہم تو ہمیشہ سے ہی کوشش کر رہے ہیں، پچھلے کئی سالوں سے کوشش کر رہے ہیں۔ اسی لئے میں Peace Symposium بھی کرتا ہوں۔ تم لوگوں کو بھی کہتا ہوں کہ Peace Symposium کرو۔ Peace کے پمفلٹ تقسیم کرو۔ لوگوں کو بتاؤ کہ اسلام کی اصل تعلیم کیا ہے۔ اسلام کی اصل تعلیم تو پیار اور محبت کی تعلیم ہے۔ لوگوں کو بتاؤ گے تو ان کا ڈر دور ہو گا۔ ہماری کوشش جتنی زیادہ ہو گی اتنی لوگوں میں Awareness زیادہ پیدا ہو گی، لوگوں کو اسلام کے بارہ میں صحیح حالات کا علم ہو گا۔ اس لئے ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بتائیں، اپنے دوستوں کو بتائیں۔ سکول میں تمہارے دوست ہوں گے۔ ان کو بتاؤ کہ اسلام کی اصل تعلیم کیا ہے۔ اصل تعلیم تو یہ ہے کہ پیار اور محبت۔ اور اسلام کسی قسم کی جنگ اور جہاد کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اسلام نے جہاں جنگ کی اجازت دی ہے یا جہاد کی اجازت دی ہے، وہاں جب جہاد کرنے کا پہلا حکم اترا تو اللہ میاں نے قرآن کریم میں لکھا کہ تمہیں جہاد کی اس لئے اجازت دی جا رہی ہے کہ یہ لوگ تم پہ ظلم کر رہے ہیں اور اگر ان کے ظلم کو نہیں روکو گے تو پھر نہ کوئی چرچ باقی رہے گا اور نہ کوئی یہودیوں کا Synagogue باقی رہے گا، نہ کوئی ٹیمپل باقی رہے گا اور نہ کوئی مسجد باقی رہے گی۔ تو اسلام نے اگر جہاد کی اجازت دی ہے تو مذہب کو Secure کرنے کیلئے دی ہے، مذہب کو محفوظ کرنے کیلئے دی ہے۔ اسلام نے کہیں یہ اجازت نہیں دی کہ مذہب پھیلانے کیلئے تمہیں جہاد کرنے اور قتل کرنے کی اجازت ہے۔ اسلام تو کہتا ہے کہ اگر تم دیکھو کہ عیسائیوں کے چرچ پہ کوئی حملہ کر رہا ہے تو مسلمان کا فرض ہے کہ جائے اور عیسائیوں کے چرچ کو بچائے۔ اسلام کہتا ہے کہ اگر یہودیوں کے Synagogue پہ کوئی حملہ کر رہا ہے تو تم جاؤ اور یہودیوں کے Synagogue کو بچاؤ۔ اسلام کہتا ہے کہ ہندوؤں کے ٹیمپل پہ کوئی حملہ کر رہا ہے تو تم جاؤ اور اس کو بچاؤ اور اس طرح تم اپنی مسجد کو بھی بچاؤ۔ اسلام تو سب کی حفاظت کرتا ہے۔ اس لئے لوگوں کو یہ کھل کے بتانا پڑے گا، اپنے دوستوں کو بتاؤ کہ قرآن کریم میں یہ لکھا ہوا ہے۔ لوگوں کو یہ بتاؤ کہ یہ لوگ جو مسلمان بنے پھرتے ہیں، جو Jihadist ہیں یا جو Extremists ہیں، یہ جو شدت پسند ہیں یہ غلط باتیں پھیلا رہے ہیں یہ اسلام کی تعلیم نہیں پھیلا رہے۔ جب تم بتاؤ گے تو لوگوں کو پتہ لگ جائے گا کہ اسلام کتنا امن قائم کرنے والا اور پیار کرنے والا مذہب ہے۔ ٹھیک ہے؟

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک اور طفل نے عرض کیا کہ جب کوئی مسلمان فوت ہوتا ہے تو ہم اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھتے ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم فوت ہو تو کیا ہم اس کیلئے بھی یہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:۔

جواب:۔ اگر ہمیں اس کا افسوس ہے۔ یا وہ تعلق والا ہے تو ظاہر ہے اسی طرح پڑھنا ہے کہ ہم سارے اللہ کے پاس ہی جانے والے ہیں۔ جانا تو سب نے اللہ کے حضور ہی ہے۔ آگے اللہ نے ان سے کیسا سلوک کرنا ہے یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی غیر مسلم بھی ہو لیکن اس کی کوئی نیکی اللہ کو پسند آجائے تو اس کو اللہ تعالیٰ بخشنے کا سامان کر دے۔ یا جو بھی اس سے سلوک کرنا ہے وہ کرے۔ اِنَّا لِلّٰہِ اس لئے پڑھا جاتا ہے کہ اگر کوئی بھی نقصان ہو تو اس کا مداوا کرنا، اس کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تو ہم یہ پڑھتے ہیں کہ ہم اللہ کیلئے ہیں اور اسی کی طرف ہر نقصان پہ اور ہر معاملہ میں رجوع کرتے ہیں۔ اگر ہمارا کوئی دوست ہے یا ہمارا کوئی ایسا ہمدرد ہے جس نے ہمارے ساتھ نیکی کی ہو اس پہ اگر ہم یہ دعا دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کے پاس گیا اور ہم نے بھی اللہ کے پاس جانا ہے۔ اس کی وجہ سے ہمیں جو نقصان ہوا وہ اللہ تعالیٰ پورا کرے اور اس کی کسی بھی حرکت یا بات پہ کوئی نیک سلوک ہو سکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اس سے کر دے۔ اصل چیز تو یہ ہے کہ اِنَّا لِلّٰہِ اس لئے پڑھی جاتی ہے کہ ہم اللہ سے یہ مانگتے ہیں کہ ہمارا نقصان پورا ہو جائے۔ اس کے مرنے سے ہمیں جو افسوس ہے، ہمارا صدمہ ہے وہ اللہ تعالیٰ دور فرمائے کیونکہ ہم اللہ کیلئے ہیں اور ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کوئی بھی نقصان ہو۔ جان کا نقصان ہو یا مال کا نقصان ہو یا کسی بھی قسم کا نقصان ہو۔ کسی کے مرنے پہ ضروری نہیں ہے۔ کسی کو کوئی مالی نقصان بھی ہو۔ تمہارے پیسے ضائع ہو جائیں تب بھی تم اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتے ہو۔ اس لئے کہ ہم نے ہر معاملہ میں اللہ کی طرف ہی جانا ہے۔ کسی پر انحصار نہیں کرنا۔ تو اس لئے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جس کو تم جانتے ہو اور وہ تمہارا قریبی ہے اور اس سے تمہیں فائدہ بھی پہنچتا ہے اس کے فوت ہونے سے تم اگر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ لو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ویسے بھی ہر ایک کیلئے اللہ تعالیٰ سے رحم مانگ لینا چاہئے، سوائے اس کے کہ وہ مشرک ہو۔ مشرک یعنی شرک کرنے والا جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ پر شرک کرتا ہے اس کیلئے

دعا نہیں کرنی۔ باقی جو مذہب کو مانتے ہیں ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے رحم کی دعا بھی کی جاسکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال:۔ اسی Virtual ملاقات مؤرخہ 29 نومبر 2020ء میں ایک اور طفل نے حضورانور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ جب ہماری تقدیر لکھ دیتا ہے تو پھر ہم دعا کیوں کرتے ہیں، ہمیں دعا کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:۔

جواب:۔ بعض تقدیریں ایسی ہیں جو ٹل نہیں سکتیں اور بعض تقدیریں ایسی ہیں جو ٹل جاتی ہیں۔ اس لئے ہم دعا کرتے ہیں۔ مثلاً موت ہے۔ ہر ایک نے مرنا ہے، یہ تو ثابت شدہ ہے۔ کوئی انسان ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے۔ لیکن ایک شخص بیمار ہوتا ہے۔ اور ایسی حالت میں وہ پہنچ جاتا ہے جہاں ڈاکٹر جواب دیدیتے ہیں کہ مرنے کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن ہم دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دعا قبول کرلیتا ہے اور اس کو اس موت کے منہ سے واپس لے آتا ہے، زندہ کر دیتا ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی تقدیر ہے جو دعا سے ٹل گئی۔ Ultimately اس نے ایک لمبی عمر ستر سال، اسی سال، نوے سال پاکے مرنا ہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔

؎ گر سو برس رہا ہے آخر کو پھر جدا ہے

سو سال بھی کوئی زندہ رہے گا آخر کو مرنا ہی ہے۔ لیکن ایک ایسی عمر ہے مثلاً جوانی میں اگر کسی کی اس وقت ایسی مرنے کی حالت ہو جاتی ہے اور ہم دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو ٹال دیتا اور اس کو عمر لمبی دیدیتا ہے۔ اور کئی ایسے واقعات ہوتے ہیں۔ لوگ مجھے بھی دعا کیلئے لکھتے ہیں۔ میں ان کو جواب دیتا ہوں۔ اور اللہ کے فضل سے وہ دعا قبول بھی ہو جاتی ہے۔ لوگ بھی اپنی دعا کے واقعات لکھتے ہیں۔ انہوں نے بھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے دعا سے وہ نقصان جو ان کو ہونا تھا اس سے وہ ٹال دیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہی یہ کام ہو رہا ہے۔ لیکن اگر ہم دعا نہیں کریں گے، کوشش نہیں کریں گے تو پھر جو اس تقدیر کا نتیجہ نکلنا ہے وہ نکلے گا۔ اس لئے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جو تقدیریں ٹلنے والی ہیں وہ ٹل جائیں اور ان کے بہتر نتائج پیدا ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں رکھی ہیں۔ ایک فائدہ والی، ایک نقصان والی۔ اب اگر

ہم اللہ تعالیٰ کی بات مان لیتے ہیں تو ہمیں فائدہ والی تقدیر فائدہ دیدے گی۔ تو کوشش بھی کرتے ہیں اور دعا بھی کرتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی بات نہیں مانتے۔ اور اس کے بارہ میں صحیح کام بھی نہیں کرتے اور دعا بھی نہیں کرتے تو اس تقدیر کا جو منفی پہلو ہے وہ ظاہر ہو جائے گا۔ تو دو تقدیریں ہوتی ہیں ایک ٹلنے والی تقدیر اور ایک نہ ٹلنے والی تقدیر۔ نہ ٹلنے والی تقدیر اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں کہ یہ ہونا ہی ہونا ہے۔ اس کیلئے اللہ تعالیٰ دعا نہیں سنتا اور وہ تقدیر نہیں ٹلتی۔ اور جو ٹلنے والی تقدیر ہے اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ دعاؤں سے، انسان کی کوشش سے اس کو ٹال دیتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ تم دعا کرو تو تمہارا میرے سے تعلق بھی پیدا ہو گا، تمہارا مجھ پہ ایمان بھی زیادہ ہو گا اور پھر اس کے نتیجہ میں تم مزید ایمان میں اور روحانیت میں بڑھو گے اور اس سے پھر تمہیں فائدہ ہو گا۔ ٹھیک ہے؟

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 10 جون 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر22

سوال:۔ ایک خاتون نے اپنی بچی کی قبل از پیدائش وفات پر بعض سوالات حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں بغرض استفسار تحریر کئے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 فروری 2020ء میں ان سوالات کے درج ذیل جوابات ارشاد فرمائے۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ جو بچی پیدائش سے پہلے فوت ہو گئی ہے اس کی تصویر گھر میں لگا کر اپنے آپ کو مزید تکلیف دینے والی بات ہے۔ اور ویسے بھی چونکہ وہ بچی پیدا ہونے سے پہلے فوت ہو گئی تھی اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس کی تصویر اتنی صاف نہ ہو اور دوسرے بچوں کو خوفزدہ کرنے کا باعث ہو۔ اس لئے اس بچی کی تصویر گھر میں لگانے اور اپنے پاس رکھنے کی ضرورت نہیں۔

پیدائش سے پہلے فوت ہونے والے بچوں کو عموماً نہ غسل دیا جاتا ہے اور نہ ان کا جنازہ ہوتا ہے لیکن اگر کوئی والدین اپنی دلی تسکین کیلئے ایسا کر لیں تو اس میں حرج بھی کوئی نہیں۔

جہاں تک روزانہ قبرستان جانے کی بات ہے تو اگر آپ بچی کی قبر پر جا کر صبر کر سکتی ہیں اور آپ کے روزانہ قبرستان جانے میں آپ اور باقی گھر والوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تو کچھ دن روزانہ قبرستان جا کر دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر وہاں جانے سے آپ کی طبیعت پر بُرا اثر پڑتا ہو اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہو تو پھر روزانہ قبرستان جانے کی بجائے گھر میں ہی رہ کر دعا کریں اور یاد رکھیں کہ یہ بچی دراصل آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی ایک امانت تھی جو اس نے آپ کو اتنے ہی وقت کیلئے عطاء فرمائی تھی اور جب یہ وقت ختم ہوا تو اس نے اپنی امانت واپس لے لی۔ لہٰذا اسے اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھ کر آپ کو اس پر صبر کرنا چاہئے۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ غیر احمدی مسلمان جن میں میرے خاندان والے بھی شامل ہیں اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود لکھا ہے کہ جس نے میری ساری کتب تین دفعہ نہیں پڑھیں اسے میرے دعویٰ کی سمجھ نہیں ہے۔ اور پھر وہ پوچھتے ہیں کہ کیا سب احمدیوں نے یہ کتب تین دفعہ پڑھی ہیں؟ اس کا کیا جواب دیا جائے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 فروری 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ جس نے میری ساری کتب تین دفعہ نہیں پڑھیں اسے میرے دعویٰ کی سمجھ نہیں ہے۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ

”اور وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ۔“

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 403)

حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب ہے کہ جن لوگوں کی دنیاوی کتب اور علوم کی طرف توجہ رہتی ہے اور دینی کتب اور علوم کی طرف توجہ نہیں کرتے ان میں ایک طرح کا تکبر پایا جاتا ہے کیونکہ وہ دنیاوی علوم کو ہی کافی سمجھتے ہیں حالانکہ انسان کی نجات کیلئے دینی علوم کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور دینی علوم دینی کتب کے پڑھنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

ایک جگہ حضور علیہ السلام نے اپنی تصنیف حقیقۃ الوحی کے بارہ میں تاکید کرتے ہوئے فرمایا:۔

”ہمارے دوستوں کو چاہئے کہ حقیقۃ الوحی کو اوّل سے آخر تک بغور پڑھیں بلکہ اس کو یاد کر لیں۔ کوئی مولوی ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا کیونکہ ہر قسم کے ضروری امور کا اس میں بیان کیا گیا ہے اور اعتراضوں کے جواب دیئے گئے ہیں۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 235 ایڈیشن 1988ء)

پس اگر یہ بات درست ہوتی کہ جو شخص حضور علیہ السلام کی تمام کتب کو تین تین مرتبہ نہیں پڑھتا اسے دعویٰ کی سمجھ نہیں آسکتی تو حضور علیہ السلام حقیقۃ الوحی کے بارہ میں ایک دفعہ غور سے پڑھنے کی تاکید نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ اسے بھی باقی کتب کی طرح تین تین دفعہ پڑھیں۔

حضور علیہ السلام نے خود ایسا کہیں نہیں تحریر فرمایا البتہ سیرت المہدی میں ایک روایت ہے کہ

"حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ہماری کتابوں کو کم از کم تین دفعہ نہیں پڑھتا اس میں ایک قسم کا کبر پایا جاتا ہے۔"

(سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ 365 روایت نمبر 410)

اور اس روایت کا بھی وہی مطلب ہے جو اوپر میں نے بیان کر دیا ہے کہ دینی کتب کو چھوڑ کر صرف دنیوی کتب پڑھنا اور دینی علوم کو چھوڑ کر صرف دنیوی علوم حاصل کرنا انسان میں کبر کے پائے جانے کی عکاسی کرتا ہے۔ پس ہر احمدی کو زیادہ سے زیادہ ان روحانی خزائن سے استفادہ کرنا چاہیئے۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ خطبہ جمعہ کے آخر پر امام نیچے بیٹھتا ہے اور پھر اٹھ کر خطبہ ثانیہ پڑھتا ہے، وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 23 فروری 2020ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ یہ آنحضور ﷺ کی سنت ہے۔ چنانچہ کتب احادیث میں حضور ﷺ کا خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے کا یہ طریق بیان ہوا ہے کہ آپ پہلے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اور جب وعظ و نصیحت وغیرہ سے فارغ ہوتے تو چند لمحوں کیلئے خاموشی سے نیچے بیٹھ جاتے اور پھر اٹھ کر خطبہ ثانیہ ارشاد فرماتے۔ اس کی وجہ جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے شاید یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دونوں خطبوں میں فرق واضح کیا جاسکے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر کوئی امام کسی تکلیف کی وجہ سے بیٹھ نہ سکے تو وہ پہلا خطبہ دیکر چند لمحے خاموشی سے کھڑے رہ کر خطبہ ثانیہ پڑھ سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ

المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کیا کرتے تھے، جب آپ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے نیچے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ اس وقت آپ پہلا خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد چند لمحوں کیلئے خاموشی سے کھڑے رہتے اور پھر خطبہ ثانیہ پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح جب میرا اپنڈ کا آپریشن ہوا تھا تو اس کے بعد جو پہلا جمعہ آیا تھا اس کے خطبہ کے دوران میں نے بھی یہی طریق اختیار کیا تھا کہ چند لمحے خاموشی سے کھڑے رہ کر خطبہ ثانیہ پڑھا تھا۔

سوال:۔ ایک جماعتی عہدیدار نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں احمدی لڑکیوں کو غیر احمدی اور غیر مسلم مردوں سے شادی کی اجازت ملنے پر فکر مندی اور پریشانی کا اظہار کر کے اس بارہ میں راہنمائی چاہی؟ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 29 فروری 2020ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات سے نوازا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اسلام کے بعض احکامات انتظامی نوعیت کے ہیں جن میں خدا تعالیٰ نے عامۃ المسلمین کو تو ان میں کسی قسم کی تبدیلی کا اختیار نہیں دیا لیکن اپنے نبی اور اس کی نیابت میں خلفاء کو ان میں تبدیلی کرنے اور حالات کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

میرے نزدیک مسلمان مرد اور عورت کا غیر مسلموں کے ساتھ نکاح کا معاملہ بھی اسی قسم کے انتظامی معاملات میں سے ہے۔ پس احمدی مرد ہو یا عورت اس کا کسی غیر احمدی یا غیر مسلم سے نکاح کی اجازت کا معاملہ خلیفۂ وقت کی صوابدید پر ہے، کسی اور کے پاس اس کا اختیار نہیں۔ خلیفۂ وقت ہر کیس میں حالات کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ لہٰذا جب میرے سے اجازت کیلئے رابطہ کیا جاتا ہے تو آپ کا کام ہے کہ آپ اپنی رائے کے ساتھ مجھے رپورٹ بھجوائیں۔ آپ لوگوں کا اس سے زیادہ کام نہیں ہے۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ اطفال الاحمدیہ جرمنی کی Virtual ملاقات مؤرخہ 29 نومبر 2020ء میں ایک طفل کے اس سوال پر کہ کرونا وائرس کیلئے جو آجکل ٹیکہ آیا ہوا ہے کیا وہ ہمیں لگوانا چاہئے یا نہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

جواب:۔ اگر ثابت ہو جائے کہ وہ اچھا علاج ہے اور اگر گورنمنٹ کہتی ہے کہ لگواؤ تو لگوا لو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن پہلے اس کا لوگوں کو تجربہ تو ہو جائے کہ جن کو لگا ہے ان کو فائدہ بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ صرف سوئی چبھونے کیلئے نہ ٹیکہ لگوا لو۔ اگر فائدہ ہوتا ہے تو ضرور لگوانا چاہئے، کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک اور طفل نے عرض کیا کہ حضور اتنے سارے کام اکٹھے کس طرح کر لیتے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:۔

جواب:۔ ایک یہ کہ جب وقت ملے اپنا روز کا کام روز کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ دوسرا یہ کہ بعض دو دو کام ایک وقت میں بھی ہو جاتے ہیں۔ اب میں کسی کی باتیں سن رہا ہوں اور ساتھ کوئی خط بھی پڑھ لوں تو دو کام ایک وقت میں کر سکتا ہوں۔ اس طرح پھر تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کہ انسان کا ارادہ ہو کہ میں نے اپنا کام ختم کرنا ہے۔ جب کام ختم کرنے کا ارادہ ہو تو پھر انسان توجہ سے کام کرتا ہے تو کام ختم ہو جاتا ہے۔ تم لوگ بھی محنت کرو گے تو تمہارا کام بھی ختم ہو جایا کرے گا۔ اگر تم محنت کی عادت ڈال لو تو تم بھی اسی طرح کر لو گے، یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک اور طفل نے عرض کیا کہ حضور اپنے خطبات جمعہ کی تیاری کس طرح کرتے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:۔

جواب:۔ بعض ریسرچ والے مضامین ہوتے ہیں۔ مثلاً آج کل میں صحابہ کی ہسٹری بیان کر رہا ہوں۔ اس میں جو ریسرچ والی ٹیم میرے ساتھ ہے وہ حوالے وغیرہ نکال کے مجھے دیتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے خطبات جو عموماً تحریک جدید پہ، وقف جدید پہ یا تربیت پہ میں دیتا ہوں اس کیلئے میں خود کوئی نہ کوئی قرآنی آیت لے کے اور پھر اس کی تشریح اور تفسیر کرنے کیلئے میں خود اپنے ہاتھ سے سارے حوالے تیار کر لیتا ہوں۔ اس میں بھی اگر کوئی حوالے لینے ہوں تو یہ ریسرچ ٹیم میری مدد کر دیتی ہے۔ بعض دفعہ میں خود ہی سارے حوالے نکال لیتا ہوں اور بعض دفعہ میں اپنی ٹیم سے کہتا ہوں کہ مجھے فلاں فلاں ریفرنس نکال کے دیدو۔ پھر میں خطبہ جمعہ تیار کر لیتا ہوں۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک اور طفل نے حضورانور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتا ہے کہ ہم جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں، اور اگر وہ جانتا ہے تو پھر ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:۔

جواب:۔ دیکھو ایک اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور ایک ہمارا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں شخص دوزخ میں جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ ہر شخص کو رستہ بتاتا ہے کہ تم یہ نیک کام کروگے تو جنت میں جاؤ گے۔ یہ بُرے کام ہیں، یہ کروگے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے انجام بخیر ہونے کی دعا مانگنی چاہئے کہ جب ہمارا مرنے کا وقت آئے تو اس وقت ہم اللہ کی باتوں پہ ایمان لانے والے ہوں تا کہ ہم جنت میں جائیں۔ یا ہماری ایسی کوشش ہو۔ قرآن شریف نے بھی ہمیں یہ دعا سکھائی ہے کہ ہم اس وقت مریں جب اللہ تعالیٰ ہمارے سے راضی ہو۔ تو مقصد یہی ہے کہ ہم اُس وقت جنت میں جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے ہوں۔ باقی اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہے وہ کسی کو بخش بھی دیتی ہے۔ ایک شخص کے بارہ میں روایت میں آتا ہے کہ وہ بہت گناہ گار تھا، اس نے بے شمار قتل کئے ہوئے تھے، ننانوے قتل کئے ہوئے تھے۔ اس کو خیال آیا کہ میں بڑا بُرا آدمی ہوں، میں اپنی اصلاح کرلوں تا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے اور میں جنت میں چلا جاؤں۔ وہ ایک مولوی کے پاس گیا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ میں نے اتنے قتل کئے ہیں، بہت گناہ گار ہوں۔ کیا میں جنت میں جاسکتا ہوں؟ اس نے کہہ دیا کہ نہیں تم جنت میں نہیں جاسکتے۔ تم دوزخ میں ہی جاؤ گے۔ اس پہ اس نے اس کو بھی قتل کر دیا کہ جہاں ننانوے قتل کئے ہیں ایک اور قتل کرو تا کہ سو پورے ہو جائیں۔ سو قتل کرنے کے بعد پھر اس نے کسی اور سے پوچھا کہ بھئی کوئی ایسا رستہ ہے جہاں میں اللہ کو راضی کرسکوں؟ اس شخص نے کہا ہاں فلاں شہر میں ایک شخص بیٹھا ہے وہ تمہیں صحیح رستہ بتا سکتا ہے، اس کے پاس جاؤ۔ جب وہ وہاں جارہا تھا تو وہ راستے میں مر گیا، اس کو موت آگئی۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو جس سے وہ قتل کر کے نکلا تھا اس سے دور کر دیا اور جس طرف وہ جا رہا تھا اس کو اس کے قریب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک تمثیلی زبان استعمال کی۔ اور پھر فرشتوں کو کہا کہ جاؤ اور بتاؤ اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے۔ دونوں فرشتے آئے ایک دوزخ میں لے جانے والا اور ایک جنت میں لے جانے والا۔ اب دونوں لے جانے والوں میں جھگڑا ہو گیا۔ جو دوزخ میں لے جانے والا فرشتہ تھا وہ کہتا

تھا کہ اس نے سو قتل کئے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ سے کہہ کر اس کو دوزخ میں ڈلوا دینا ہے۔ جو جنت میں لے جانے والا تھا وہ کہتا تھا کہ نہیں مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کہ جا کر اس کا راستہ ناپو۔ اس نے کہا اچھا۔ پھر فیصلہ یہ ہوا کہ ہم فاصلہ ناپتے ہیں اگر تو یہ اس شہر کے قریب ہوا جہاں یہ اپنے گناہ بخشوانے کیلئے جا رہا تھا تو یہ جنت میں چلا جائے گا اور اگر یہ اس شہر کے قریب ہوا جہاں سے یہ قتل کر کے نکل رہا تھا تو دوزخ میں جائے گا۔ پھر جیسا کہ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے وہ فاصلہ کم کر دیا اور جب فاصلہ ناپا گیا تو اس شہر کے وہ زیادہ قریب ہو گیا جہاں وہ گناہ بخشوانے کیلئے جا رہا تھا۔ اور صرف ایک بالشت کا فاصلہ تھا، ایک ہاتھ کا، (اس موقعہ پر حضور انور نے اپنے ہاتھ کی بالشت بنا کر اطفال کو دیکھاتے ہوئے فرمایا) صرف اتنا فاصلہ اس طرف کم تھا اور دوسری طرف زیادہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا اور جنت میں لے گیا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہے۔ اور ایک دوسری روایت بھی ہے کہ ایک شخص نے کسی کو کہا کہ کیا میں بخشا جاؤں گا؟ اس نے کہا نہیں، تم بہت گناہ گار آدمی ہو، تم نہیں بخشے جا سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے وہ جو نیک آدمی تھا، بڑی نمازیں پڑھنے والا تھا، اپنے آپ کو بڑا نیک سمجھتا تھا، اس کو کہا کہ تم کون ہوتے ہو فیصلہ کرنے والے کہ کون جنت میں جائے گا اور کون دوزخ میں جائے گا۔ پھر قسمت سے دونوں ایک ہی وقت میں اکٹھے مر گئے۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس نیک آدمی کو جس نے گناہ گار آدمی کو کہا تھا کہ تم دوزخ میں جاؤ گے اور میں جنت میں جانے والا ہوں، میری گارنٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا تمہاری گارنٹی کہاں سے آ گئی؟ چلو تمہیں میں دوزخ میں ڈالتا ہوں اور جس کو تم کہہ رہے تھے کہ دوزخ میں جاؤ گے اور جنت میں نہیں جاؤ گے اس کو میں جنت میں ڈالتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمانیت تو یہ ہے۔ اس لئے ہمارا کام یہ ہے کہ ہم کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ قادر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن بھی ہے، اس کی رحمانیت بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے، بخشنے والا بھی ہے۔ تو آخر میں آ کر اللہ تعالیٰ اپنے فیصلہ کو بدل کے تقدیر بدل بھی سکتا ہے۔ جب اس میں ہر قدرت ہے تو اس کو یہ قدرت بھی ہے کہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے۔ اس لئے اگر تم نے یہ کہہ دیا کہ جی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم نے دوزخ میں جانا ہے تو چلو گناہ کرتے رہو کوئی بات نہیں۔ فلاں کام کرتے رہو، حرام چیزیں کھاتے رہو اور سور کھاتے رہو اور شراب پیتے رہو اور گناہ کرتے رہو تو کچھ نہیں ہو گا۔ اب اتنا کچھ

کر لیا ہے، اللہ نے ہمیں کہاں بخشنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے نہیں، کوشش کرو، کوشش کرو میں آخر میں بھی تمہیں بخش سکتا ہوں۔ اس لئے کوشش یہ کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شروع میں ہی بخش دے اور پھر انسان یہ دعا مانگے کہ میرا انجام بخیر ہو اور میں آخر تک نیکیاں ہی کرتا رہوں۔ اس لئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے ناں؟ اللہ تعالیٰ مالک ہے اس کو ہر چیز کا اختیار ہے۔ وہ آخر میں آ کے تمہیں بخش بھی سکتا ہے۔ تم نے کہہ دینا ہے کہ میری تقدیر کا فیصلہ ہو گیا میں تو گناہ گار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا اگر میں سو قتل کرنے والے کو بخش سکتا ہوں تو تمہیں بھی بخش سکتا ہوں۔

سوال:۔ اسی Virtual ملاقات مؤرخہ 29 نومبر 2020ء میں ایک اور طفل نے حضور انور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ کروناوائرس کے ختم ہونے کے بعد دنیا پھر سے ویسے ہی نارمل ہو سکتی ہے جیسے پہلے تھی؟ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:۔

جواب:۔ یہ تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ نارمل ہو جائے گی لیکن کروناوائرس کے بعد دنیا کے جو معاشی حالات، Economic حالات ہو گئے ہیں اس کا اثر دنیا پہ پڑے گا۔ اور اگر معاشی لحاظ سے کچھ نہ بھی ہو، اگر جنگ نہ بھی ہو تب بھی معاشی حالات کو Stable ہوتے ہوتے کئی سال لگ جائیں گے۔ لیکن عموماً یہی دیکھا گیا ہے کہ جب ایسے حالات ہوتے ہیں تو معاشی حالات بگڑتے ہیں اور پھر جنگوں کی صورت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور آجکل جو دنیا کی حالت ہے وہ یہ ہے کہ جنگوں کے حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ اور اگر کروناوائرس کے بعد جنگ ہو جاتی ہے تو پھر اور بھی خطرناک حالات ہو جائیں گے۔ اور پھر اس کو نارمل ہوتے ہوتے بھی کئی سال لگ جائیں گے۔ اس لئے ہمیں یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو عقل دے اور جو دنیا والے ہیں اس عرصہ میں دنیا کی طرف جھکنے اور آپس میں ایک دوسرے کے حقوق مارنے اور غصب کرنے کی بجائے عقل کریں، ان کے لیڈر عقل کریں اور امن اور سکون سے رہنے کی کوشش کریں اور آپس میں اکٹھے ہو کے، دنیا کو ایک رکھ کے کوشش کریں تو جلدی دوبارہ نارمل حالات پیدا کر لیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے یہ کوشش نہ کی تو پھر حالات نارمل نہیں ہوں گے۔ پھر حالات نارمل ہوتے ہوئے کئی سال لگیں گے اور بڑی خوفناک صورتحال پیدا ہو گی۔ ویسے مجھے لگ رہا ہے کہ کروناوائرس ختم ہونے کے

بعد کہیں جنگوں کے حالات نہ شروع ہو جائیں۔ اور پھر حالات نارمل ہوتے ہوتے کئی سال لگ جائیں گے۔ اس لئے ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ اللہ نہ کرے کہ جنگوں کے حالات ہوں اور جو دنیا کے لیڈر ہیں وہ عقل کریں اور یہ کوشش کریں کہ جلدی سے جلدی نارمل حالات قائم ہو جائیں۔ لیکن اس کے لئے یہی ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اگر اللہ کی طرف رجوع نہیں کریں گے تو پھر کوئی اور وبا، کوئی اور بلا، کوئی اور چیز ان پہ آئے گی اور پھر ان کو مار پڑے گی۔ تو جب تک یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتے، اللہ کے حقوق ادا نہیں کرتے اور اس کے بندوں کے حق ادا نہیں کرتے اس وقت تک حالات نارمل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہم احمدیوں کو بھی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے، تبلیغ کرنی چاہئے اور لوگوں کو بتانا چاہئے کہ دنیا کے حالات نارمل کرنے کیلئے ایک ہی علاج ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف جھکو، اللہ تعالیٰ کی طرف واپس آجاؤ، اللہ تعالیٰ کے حق ادا کرنے والے بنو اور اس کے بندوں کے حق ادا کرنے والے بنو۔ ٹھیک ہے؟

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 17 جون 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 23

سوال:۔ ایک نوجوان نے احمدیت کے بارہ میں نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے لباس اور آپ کے زیر استعمال بعض اشیاء کے بارہ میں متفرق استفسارات حضور انور کی خدمت اقدس میں تحریر کئے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 23 مارچ 2020ء میں ان سوالات کے درج ذیل جوابات ارشاد فرمائے۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ احادیث میں مختلف صحابہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ عمامہ کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

اسی طرح حضرت عمرو بن حریثؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

(صحیح مسلم کتاب الحج باب جَوَازِ دُخُولِ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضور ﷺ کی اس سنت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

”آنحضرت ﷺ تہ بند بھی باندھا کرتے تھے اور سراویل بھی خریدنا آپ کا ثابت ہے جسے ہم پاجامہ یا تنبی کہتے ہیں...... علاوہ ازیں ٹوپی۔ کرتہ۔ چادر اور پگڑی بھی آپؐ کی عادت مبارک تھی۔“

(الحکم نمبر 14 جلد 7۔ مؤرخہ 17 اپریل 1903ء صفحہ 8)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آقا و مطاع حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے حقیقی عاشق، آپ کے کامل متبع اور سچے غلام تھے۔ پس آپؑ نے حضور ﷺ کی سنت کے مطابق پگڑی کا استعمال فرمایا۔

باقی جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پگڑی پہننے کی بجائے بالوں کی Knot بنانے کی بات ہے تو اس بارہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضور ﷺ کی اعلیٰ درجہ کی اطاعت اور آپؐ سے حد درجہ کی محبت کے نتیجہ میں ظلی اور امتی نبی کے مقام پر فائز فرمایا۔ انبیاء خدا تعالیٰ کے شعائر میں سے ہیں جن کا ادب اور احترام ہم پر واجب ہے۔ پس انبیاء کی ذات کے بارہ میں اس قسم کے سوال ان کی شان کے خلاف متصور ہوتے ہیں۔

خود بخود چلنے والے پین والی بات غلط ہے۔ نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ایسا کوئی پین تھا اور نہ میرے پاس ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا اپنے پیاروں کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے کہ وہ ہر معاملہ میں خود ان کی راہنمائی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہی تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کے ساتھ ہے۔

جہاں تک احمدیہ کمیونیٹی کا تعلق ہے تو یہ کوئی نیا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کی حقیقی جماعت ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے بانیٔ اسلام حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق قائم فرمایا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ دنیا کی اصلاح اور بہتری کیلئے پہلے وقتوں میں مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں میں انبیاء مبعوث کرتا رہا ہے اور لوگوں کی راہنمائی کیلئے انہیں تعلیمات سے نوازتا رہا ہے۔ اسی طرح اس نے ہمارے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ساری دنیا کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا اور قیامت تک قائم رہنے والی دائمی تعلیم قرآن کریم کا آپ پر نزول فرمایا۔

حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر پیشگوئی فرمائی تھی کہ ایک وقت آئے گا جب امت مسلمہ میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا اور مسلمان اسلام کی حقیقی تعلیم سے دور ہو جائیں گے۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ اس امت پر رحم فرماتے ہوئے اس کی راہنمائی کیلئے حضور ﷺ کے ہی متبعین میں سے آپ کے ایک غلام صادق کو کھڑا کرے گا جو لوگوں کو اُس تعلیم پر قائم کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر نازل فرمائی تھی اور جس کی تشریح آپؐ نے اپنے اقوال و افعال سے فرمائی تھی۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ساری زندگی اس ذمہ داری کو نبھانے میں صرف فرمائی۔ آپ کے وصال کے بعد حضور ﷺ کی ہی پیشگوئی کے مطابق جماعت احمدیہ میں خلافت کا بابرکت سلسلہ جاری ہوا اور جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خلافت کے بابرکت سائے میں اسلام کا پرامن پیغام اور اس کی خوبصورت تعلیم ساری دنیا میں پہنچانے پر کمربستہ ہے۔

پس احمدیہ کمیونیٹی کسی انسان کا بنایا ہوا ادارہ نہیں جس کے سادہ ہونے یا نہ ہونے پر بات کی جائے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا لگایا ہوا ایک پودہ ہے جو اسی کی دی ہوئی تعلیمات انسانوں کی بھلائی کیلئے دنیا میں پھیلانے میں کوشاں ہے۔

بُرائی اور اچھائی کے بارہ میں آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ بُرائی اور اچھائی کا معیار کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ایک بات آپ کے نزدیک بُری ہو لیکن کسی دوسرے کے نزدیک اچھی ہو۔ اور دنیا میں اس کی کئی مثالیں مل سکتی ہیں۔ لیکن مذہب کی دنیا میں جن باتوں کے کرنے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا وہ اچھائی ہے اور جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا وہ بُرائی ہے، جسے اسلامی اصطلاح میں اوامر و نواہی کہا جاتا ہے۔ اور ایک مسلمان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان اوامر و نواہی پر کاربند ہو۔ یعنی جن باتوں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم دیا ان کو بجالائے اور جن باتوں سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ان کو ترک کر دے۔ اس کے اسی قسم کے اعمال کے مطابق اس سے معاملہ کیا جائے گا۔

جہاں تک دوسرے مذاہب کے لوگوں کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان میں سے جس نے بھی کوئی نیک عمل کیا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ چنانچہ ایک فاحشہ عورت کے پیاسے کتے کو پانی پلانے پر اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو معاف کر دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم پر مبنی صفات کا بھی مالک ہے اور جب چاہے وہ انہیں استعمال کرنے پر قادر ہے۔

باقی آپ کے کوڑا اٹھانے پر جنہوں نے اعتراض کیا ہے، ان کی بات غلط ہے۔ جماعت احمدیہ میں تو ایسے کام کیلئے وقار عمل کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ یعنی ایسا کام جس کے کرنے سے انسان کا وقار اور عزت بڑھتی ہے۔ اپنے علاقہ اور ماحول کو صاف رکھنا تو ایک بہت اچھی عادت ہے جس کا اللہ تعالیٰ

اور اس کے رسول ﷺ نے بھی حکم دیا ہے۔ میں نے خود بھی کئی دفعہ وقار عمل کے تحت کوڑا کرکٹ اٹھایا ہے اور گندی نالیاں صاف کی ہیں۔

صفائی کرنے اور کوڑا کرکٹ اٹھانے سے ہرگز عزت نہیں جاتی۔ عزت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس کے حکموں کی خلاف ورزی کرنے سے عزت جاتی ہے۔ لہٰذا ہمیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ عام ضرورت کی اشیاء کی فروخت کے کاروبار میں اشیاء کی قیمت قسطوں میں ادا کرنے والوں سے عام قیمت سے کچھ زیادہ لینا سود تو نہیں؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 30 مارچ 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ آپ اپنے کاروبار میں چیز خریدنے والوں کو اگر پہلے بتادیں کہ نقد کی صورت میں اس چیز کی اتنی قیمت ہو گی اور اگر وہ اُسی چیز کی قیمت قسطوں میں ادا کریں گے تو انہیں اتنے پیسے زیادہ دینے پڑیں گے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ سود کے زمرہ میں نہیں آتا۔ کیونکہ اس صورت میں آپ کو قسطوں میں چیزیں خریدنے والوں کا باقاعدہ حساب رکھنا پڑے گا اور ہو سکتا ہے کہ انہیں ان کی قسطوں کی ادائیگی کیلئے یاد دہانیاں بھی کروانی پڑیں، جس پر بہرحال آپ کا وقت صرف ہو گا اور دنیاوی کاموں میں وقت کی بھی ایک قیمت ہوتی ہے چنانچہ ملازمت پیشہ لوگ اپنے وقت ہی کی بڑی بڑی تنخواہیں لیتے ہیں۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں کسی اخبار میں سے شائع ہونے والا ایک عورت کا واقعہ کہ اس نے اپنے خاوند کو اس کے شراب کے نشے میں دُھت ہونے کی وجہ سے ہمبستری سے انکار کر دیا، بیان کر کے دریافت کیا ہے کہ اگر میاں بیوی میں سے ایک فریق نشے میں ہو تو کیا باہم محبت کے جذبات قائم رہ سکتے ہیں؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 30 مارچ 2020ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ ایسی صورت میں سوال محبت کے جذبات قائم رہنے یا نہ رہنے کا نہیں بلکہ سلیم فطرت کی بات ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرعون کی بیوی کی اس دعا کو ہمارے لئے محفوظ کرکے ہماری راہنمائی فرمائی ہے کہ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ یعنی اے خدا! تو اپنے پاس ایک گھر جنت میں میرے لئے بھی بنادے اور مجھے فرعون اور اس کی بداعمالیوں سے بچالے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ فرعون کی بیوی فرعون سے علیحدگی لینے میں بہر حال مجبور تھی جو اس نے خدا کے حضور یہ التجا کی۔

پس اس قرآنی تعلیم سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی مومنہ عورت کے بُرے خاوند کی سمجھانے کے باوجود اصلاح نہ ہو رہی ہو اور عورت کو اس سے علیحدگی لینے میں کوئی مجبوری درپیش نہ ہو تو اس مومنہ عورت کو دعا کر کے ایسے بُرے خاوند سے علیحدگی لے لینی چاہئے۔

سوال:۔ محترم امیر صاحب جرمنی نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں کرونا وائرس کی وجہ سے پیدا ہونے والے حالات میں نماز باجماعت کیلئے باہم نمازیوں کے درمیان ڈیڑھ میٹر کا فاصلہ رکھنے کے بارہ میں راہنمائی چاہی ہے؟ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 28 اپریل 2020ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات سے نوازا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ آنحضور ﷺ کے ارشاد إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کے تحت اسلام کے ہر حکم کی بناء نیت پر ہے۔ پس نماز باجماعت کیلئے جو نمازیوں کو آپس میں کندھے سے کندھا، گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا کر کھڑے ہونے اور باہم درمیان میں فاصلہ نہ چھوڑنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اس کی ایک حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر تم ظاہراً اپنے اندر دوری پیدا کرلو گے تو شیطان تمہارے درمیان اپنی جگہ بنا کر تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا کر دے گا۔

اب جبکہ مجبوری ہے اور حکومتیں اپنے شہریوں کی بھلائی کیلئے ایسے اقدامات کر رہی ہیں تو جب ہم حکومتی قوانین کے مطابق اس طرح باہم فاصلہ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہوں گے تو چونکہ ہماری نیت

یہ نہیں کہ ہمارے درمیان پھوٹ پڑے یا ہمارے درمیان شیطان اختلاف ڈال دے، بلکہ ہماری تو یہی نیت ہے کہ ہم متحد رہیں اور ملکر اس بیماری کا مقابلہ کریں اور عوام کی بھلائی کیلئے کئے جانے والے ان حکومتی اقدامات میں ان کے ساتھ تعاون کریں تو اس نیت کے ساتھ اضطراری حالت میں نماز باجماعت میں نمازیوں کے درمیان فاصلہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس کا استنباط سفر میں بحالت مجبوری سواری پر نماز پڑھنے سے بھی کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس وقت بھی کندھے سے کندھا، گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنہ نہیں ملا ہوتا اور بعض اوقات نمازیوں کے درمیان باہم فاصلہ بھی ہوتا ہے۔ پس جس طرح سفر میں مجبوری کی وجہ سے ایسا کرنا آنحضور ﷺ کی سنت سے ثابت ہے تو اس بیماری کی مجبوری کی حالت میں بھی نمازیوں کے درمیان فاصلہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور جلد ان مشکل حالات کو ساری دنیا سے دور کر دے تاکہ اس کے عبادتگزار بندے بھرپوری شرائط اور احسن انداز میں اپنی عبادتوں کے نذرانے اپنے رب کے حضور پیش کرنے کی توفیق پائیں۔ آمین

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 24 جون 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 24

سوال:۔ اس سوال پر کہ روزہ کے دوران اگر کسی خاتون کے ایام حیض شروع ہو جائیں تو اسے روزہ کھول لینا چاہئے یا اس روزہ کو مکمل کر لینا چاہئے۔ نیز جب یہ ایام ختم ہوں تو سحری کے بعد پاک صاف ہو سکتے ہیں یا سحری سے پہلے پاک ہونا ضروری ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 30 اپریل 2020ء اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ عورت کی اس فطرتی حالت کو قرآن کریم نے ''أَذًى''یعنی تکلیف کی حالت قرار دیا ہے۔ اور اسلام نے اس کیفیت میں عورت کو ہر قسم کی عبادات کے بجالانے سے رخصت دی ہے۔ اس لئے جس وقت ایام حیض شروع ہو جائیں اسی وقت روزہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور ان ایام کے پوری طرح ختم ہونے پر اور مکمل طور پر پاک ہونے کے بعد ہی روزے رکھے جاسکتے ہیں۔ نیز جو روزے ان ایام میں (بشمول آغاز اور اختتام والے دن کے) چھوٹ جائیں، ان روزوں کو رمضان کے بعد کسی وقت بھی پورا کیا جاسکتا ہے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے نام اپنے خط میں حضرت ثوبانؓ سے مروی ایک حدیث کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے ایک خزانہ کی خاطر تین شخص قتال کریں گے (اور مارے جائیں گے) تینوں خلیفوں (حکمران) کے بیٹے ہوں گے لیکن وہ خزانہ ان میں سے کسی کو بھی نہ ملے گا۔ پھر مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے نمودار ہوں گے وہ تمہیں ایسا قتل کریں گے کہ اس سے قبل کسی نے ایسا قتل نہ کیا ہو گا۔ اس کے بعد آپ نے کچھ اور باتیں بھی ذکر فرمائیں جو مجھے یاد نہیں، پھر فرمایا جب تم ان (مہدی) کو دیکھو تو ان کی بیعت کرو اگرچہ تمہیں برف پر گھٹنوں کے بل گھسٹ کر جانا پڑے۔ کیونکہ وہ خلیفۃ اللہ المہدی ہیں۔'' درج کر کے اس کے ایک حصہ کی تشریح کر کے اس بارہ میں

حضور کی رائے دریافت کی۔ نیز حدیث کے ایک حصہ کے بارہ میں مزید وضاحت چاہی ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 30 مئی 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب ارشاد فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ آپ نے اس حدیث کا حوالہ البحر الزخار سے درج کیا ہے جبکہ یہ حدیث صحاح ستہ میں سے سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب خروج المھدی میں بھی روایت ہوئی ہے۔ حدیث میں بیان کنز اور خلیفوں کے بیٹوں کے بارہ میں آپ کی بیان کردہ تشریح ایک ذوقی تشریح ہے۔

میرے خیال میں اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے امت مسلمہ میں آئندہ زمانہ میں نمودار ہونے والے مختلف واقعات کی خبر دی ہے۔ جن میں بعض واقعات دنیاوی امور سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض روحانی امور سے متعلق ہیں۔ خزانہ سے مراد اگرچہ بہت سے علماء نے خانہ کعبہ کا خزانہ مراد لیا ہے، مگر وہ خزانہ تو بہت سے حکمرانوں کے ہاتھ لگا بھی ہے۔ اس لئے حدیث میں مذکور خزانہ سے مراد خانہ کعبہ کا خزانہ مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حدیث میں حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ وہ خزانہ ان میں سے کسی کو نہیں ملے گا۔

لہٰذا اس سے مراد وہ روحانی خزانہ ہے جس کی آنحضور ﷺ نے اپنے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ کے اجراء کی صورت میں بشارت عطاء فرمائی تھی۔ اور چونکہ اس خزانہ کو پانے کیلئے قرآن کریم نے سب سے اوّل شرط ایمان اور عمل صالح قرار دی ہے، جو ان دنیاوی حکمرانوں میں مفقود ہو چکی تھی، اس لئے انہوں نے اس کے حصول کیلئے قتال یعنی جنگیں تو بہت کیں لیکن کسی کے ہاتھ وہ روحانی خزانہ نہ آیا۔

اسی لئے اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے خزانہ کیلئے قتال کرنے والوں کیلئے صرف ''ابن خلیفۃ '' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ یعنی وہ خلیفہ بمعنی جانشین ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ خلیفہ یا نبوت کی بناء پر ملنے والی خلافت کے تابع خلیفہ نہیں ہوں گے۔ جبکہ اسی حدیث میں حضور ﷺ نے اس شخص کیلئے جسے یہ خلافت علی منہاج النبوۃ کا روحانی خزانہ ملنا تھا ''خلیفۃ اللہ المھدی '' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

اس حدیث میں مسلمانوں کے قتل و غارت کا جو ذکر ہے، آپ نے اس کے بارہ میں اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ مہدی کے ذریعہ ہو گا۔ جو میرے نزدیک درست نہیں ہے۔

اگر اس سے مراد ظاہری قتل وغارت اور خونریزی لی جائے تو یہ مہدی کے ذریعہ ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے مراد حضور ﷺ کی ایک دوسری حدیث (مندرج مشکوۃ المصابیح) میں ''مُلْکًا عَاضًّا '' اور ''مُلْکًا جَبْرِیَّۃً '' کے الفاظ میں بیان پیشگوئی کے مطابق، ان ہر دو ادوار میں مسلمانوں کی آپس کی جنگوں میں ہونے والی خونریزی اور کشت و خون ہے۔ نیز تیرھویں صدی میں منگولوں کے ہاتھوں ہونے والی مسلمانوں کی قتل و غارت مراد ہے۔

خلیفۃ اللہ المہدی کے ذریعہ اس قتل و غارت کے وقوع پذیر نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے آنے والے مہدی کی ایک نشانی'' یَضَعُ الْحَرْبُ یعنی وہ جنگ و جدال اور کشت و خون کا خاتمہ کر دے گا'' صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسی (بیان فرمائی ہے۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو حضور ﷺ آنے والے مہدی کو امن و آشتی کا علمبردار قرار دے رہے ہوں اور دوسری طرف اسی کے ذریعہ امت محمدیہ کے افراد کی ایسی خونریزی کی اطلاع دے رہے ہوں جیسی خونریزی پہلے زمانوں میں کبھی کسی نہ کی ہو؟

پھر اس حدیث میں راوی کا یہ بیان کہ ''اس کے بعد حضور ﷺ نے کچھ اور باتیں بھی فرمائیں جو مجھے یاد نہیں۔'' خاص توجہ کا متحمل ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ وہ امور دجال کے ظہور کے بارہ میں ہوں کیونکہ متعدد ایسی روایات کتب احادیث میں موجود ہیں جن میں حضور ﷺ نے دجال کے فتنہ کو سب سے بڑا فتنہ قرار دیا اور اس کے مقابلہ کیلئے اپنی امت کو مسیح موعود کی آمد کی خوشخبری عطاء فرمائی۔ راوی کے مطابق ان باتوں کے بعد حضور ﷺ نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد کا ذکر فرمایا اور ان کی بیعت کو لازمی قرار دیتے ہوئے تاکیداً فرمایا کہ اگر تمہیں برف کی سلوں سے گھٹنوں کے بل گھسٹ کر بھی جانا پڑے تو ضرور اس کی بیعت کرنا، کیونکہ وہ خلیفۃ اللہ المہدی ہے۔

پس حضور ﷺ نے اس حدیث میں تین الگ الگ زمانوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک وہ زمانہ جب حضور ﷺ اور خلافت راشدہ کا مبارک دور حسب منشاء الٰہی اختتام پذیر ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد

مسلمان آپس میں جنگ و جدال کریں گے اور اپنے ہی لوگوں کو تہہ تیغ کر کے ان کا خون بہائیں گے، اس وقت وہ روحانی خزانہ سے محروم ہو جائیں گے۔ دوسرا وہ زمانہ جب مسلمانوں کے دنیاوی لحاظ سے بھی کمزور ہو جانے کی وجہ سے ان کے غیر مسلم مخالفین انہیں خونریزی کا نشانہ بنائیں گے۔ اور پھر تیسرا وہ زمانہ جب آنحضور ﷺ کی بشارتوں کے مطابق امام مہدی اور مسیح محمدی کی بعثت ہو گی اور امت محمدیہ کا وہ حصہ جو حضور ﷺ کے اس غلام صادق اور روحانی فرزند کی بیعت کر کے اس کی آغوش میں آ جائے گا، اس کیلئے ایک مرتبہ پھر اسی ترو تازگی کا زمانہ آئے گا جس کا مشاہدہ امت محمدیہ نے اپنے آقا و مطاع حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے عہد مبارک میں کیا تھا اور اِس وقت پھر "صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا" کی نوید ان خوش نصیبوں کیلئے پوری ہو گی۔

حدیث میں مندرج قتل و غارت کو اگر استعارۃً لیا جائے تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جس طرح صحیح بخاری میں "يَضَعَ الْحَرْبَ" والی حدیث میں مذکورہ "فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ" کا حقیقی مطلب صلیب توڑنا اور سؤر مارنا نہیں۔ بلکہ اس سے مراد عیسائیت کی طرف سے اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دینا مراد ہے، اسی طرح امام مہدی کے ذریعہ مسلمانوں کے قتل سے مراد ان میں راہ پا جانے والے غلط عقائد کا قلع قمع کرنا اور دین کی تجدید کر کے اسے آنحضور ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق دنیا میں رائج کرنا ہو گا۔

پس میرے خیال میں اگر اس حدیث کو اس طرح لیا جائے تو زیادہ بہتر تشریح بنتی ہے اور قتل کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔

سوال:۔ ایک عرب دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ اباضیہ فرقہ کی حدیث کی کتاب مسند الربیع بن حبیب میں بیان احادیث کو جماعت احمدیہ صحیح سمجھتی اور ان پر عمل کرتی ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 30 مئی 2020ء میں اس استفسار پر درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ احادیث نبویہ ﷺ کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا عقیدہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ قرآن کریم اور سنت کے بعد تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے اور وہ قرآن کی خادم اور سنت کی خادم ہے۔ لیکن جو حدیث قرآن اور سنت کے نقیض ہو اور نیز ایسی حدیث کی نقیض ہو جو قرآن کے مطابق ہے یا ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کے مخالف ہے تو وہ حدیث قبول کے لائق نہیں ہو گی۔ کیونکہ اس کے قبول کرنے سے قرآن کو اور ان تمام احادیث کو جو قرآن کے موافق ہیں ردّ کرنا پڑتا ہے۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن و سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن شریف کی اتباع کریں۔ اور احادیث کی جو پیغمبر خدا سے ثابت ہیں اتباع کریں۔ ضعیف سے ضعیف حدیث بھی بشرطیکہ وہ قرآن شریف کے مخالف نہ ہو ہم اسے واجب العمل سمجھتے ہیں۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حدیث نصوص بینہ قطعیہ صریحہ الدلالت قرآن کریم سے صریح مخالف واقع ہو گو وہ بخاری کی ہو یا مسلم کی میں ہرگز اس کی خاطر اس طرز کے معنی کو جس سے مخالفت قرآن لازم آتی ہے قبول نہیں کروں گا۔

پس جو بھی حدیث مذکورہ بالا معیار کے مطابق ہو گی، خواہ وہ کسی بھی کتاب کی ہو جماعت احمدیہ کے نزدیک قابل قبول اور قابل حجت ہے۔

سوال:۔ کسی خاتون کا اپنی مرضی سے اپنا بچہ اپنی جیٹھانی کو دیکر، کئی سال بعد دونوں خاندانوں میں اختلاف کی صورت پیدا ہو جانے پر ماں کی طرف سے بچہ کی واپسی کے مطالبہ کے بارہ میں ایک خط حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں موصول ہوا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ

العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 24 جون 2020ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات عطاء فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ عام دنیوی اشیاء کی لین دین میں جب انسان اپنی مرضی اور خوشی سے کسی کو اپنی چیز دیدیتاہے تو پھر اس چیز کی واپسی کے مطالبہ کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اولاد اگرچہ اس قسم کی دنیوی اشیاء میں تو شمار نہیں ہوتی لیکن پھر بھی جب کوئی شخص اپنی مرضی اور خوشی سے کسی کو اپنا بچہ دیدے اور دوسرا شخص اسے اپنی اولاد کی طرح رکھے تو پھر اس کی واپسی کا مطالبہ بھی اخلاقاً پسندیدہ نہیں اسی لئے جماعتی قضاء نے تمام حالات کا جائزہ لیکر یہی فیصلہ دیا ہے کہ حقیقی ماں کا اپنے بچہ کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں۔

میرے نزدیک اگر بچہ کی عمر نو سال سے زیادہ ہے تو اب فقہی اصول خیار التمیز کے تحت اس معاملہ کا فیصلہ ہونا چاہئے اور بچہ سے پوچھنا چاہئے کہ وہ کس کے پاس رہنا چاہتا ہے، جہاں بچہ اپنی مرضی اور خوشی سے جانے کا عندیہ دے بچہ کو وہیں رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ آپ دونوں خاندانوں کو عقل اور سمجھ عطاء فرمائے، آپ خدا تعالیٰ کے خوف اور تقویٰ کو مد نظر رکھتے ہوئے محض اس کی رضا کی خاطر ایک دوسرے کیلئے اپنے جائز حقوق چھوڑ کر ان جھگڑوں کو ختم کرنے والے ہوں۔ آمین

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ طلباء جامعہ احمدیہ گھانا کی Virtual نشست مؤرخہ 05 دسمبر 2020ء میں ایک طالبعلم کے اس سوال پر کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کو نہیں مانتے ان کو سمجھانے کیلئے سب سے مضبوط دلیل کونسی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:۔

جواب:۔ بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کو نہیں مانتے وہ بات سننا بھی نہیں چاہتے۔ خدا تعالیٰ کی ذات کی مضبوط دلیلیں تو اپنا ذاتی تجربہ ہے۔ آپ ان کو کہیں کہ تم کہتے ہو خدا نہیں ہے میں کہتا ہوں خدا ہے۔ میں نے خدا سے مانگا، اس نے مجھے دیدیا۔ آپ کی کوئی دعا قبول ہوئی ناں؟ آپ نے کبھی دعا کی، آپ کی دعا قبول ہوئی کہ نہیں ہوئی؟ (طالبعلم نے عرض کیا کہ جی، جی قبول ہوئی۔) بس تو جو خدا کو نہیں مانتے

ان سے کہو کہ تم کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ نہیں ہے۔ میں نے تو اللہ تعالیٰ سے مانگا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا۔ میرا تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں ذاتی تجربہ ہے۔ میں کس طرح کہہ دوں کہ خدا تعالیٰ نہیں ہے۔ ہاں تم بھی اگر کوشش کرو گے تو پھر تمہیں بھی اللہ مل جائے گا۔ لیکن یہ لوگ جو خدا کو نہیں مانتے یہ لوگ بڑے ڈھیٹ لوگ ہوتے ہیں۔ یہاں بھی ایک Atheist ہے جس کا نام Richard Dawkins ہے۔ وہ بھی خدا تعالیٰ کو نہیں مانتا۔ اور اس نے خدا تعالیٰ کے خلاف کتاب بھی لکھی ہے۔ میں نے اس کو Five volume commentary بھی بھجوائی اور اسلامی اصول کی فلاسفی اور دوسری کتابیں بھی بھجوائیں۔ اور میں نے کہا یہ پڑھو پھر ہم سے بات کرو، تمہیں پتہ لگے کہ خدا کیا ہے اور خدا کا کیا تصور ہے۔ اس نے کہا میں نے کچھ نہیں پڑھنا۔ صرف تم میری کتاب پڑھو، میں نے تمہاری کتابیں کوئی نہیں پڑھنی۔ تو یہ لوگ ڈھیٹ ہوتے ہیں، اور جو ڈھیٹ ہو جائیں انہوں نے کسی طرح نہیں ماننا۔ ہاں جن کے اندر تھوڑی سی نیک فطرت ہوتی ہے ان سے ذاتی تعلق رکھو اور ان کو پھر اپنے ذاتی تعلق کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے قریب لے کے آؤ۔ بعض دفعہ جو اپنا قرب ہے وہ بھی اثر ڈالتا ہے اور دوسرے انسان کیلئے تبدیلی کا باعث بن جاتا ہے۔ تو ذاتی تجربہ جو ہے وہ سب سے مؤثر چیز ہے۔ یہاں میرے پاس بھی کئی دفعہ ملاقاتیں کرنے والے، پریس والے بعض لوگ آتے ہیں۔ بعض نے بعد میں اظہار کیا کہ ہم خدا کو تو نہیں مانتے لیکن اگر کبھی خدا کو مانا تو ہم تمہارے خلیفہ کی وجہ سے مانیں گے کہ اس نے ہمیں خدا تعالیٰ کی صحیح طرح بات بتائی ہے۔ پھر دلوں کو نرم کرنے کیلئے دعا ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو نرم بھی کرے۔ اس لئے اپنا ذاتی نمونہ جو ہے وہ بہت ضروری ہے وہ پیش کریں اور قبولیت دعا کیلئے اپنے تجربات بیان کریں۔ سب سے زیادہ تو یہ ہے کہ میرے ساتھ اللہ کا کیا سلوک ہے۔ جب اپنے ساتھ اللہ کا سلوک بتائیں گے تو وہ جو First-hand experience ہے اس سے لوگ پھر زیادہ Impressed ہوتے ہیں۔ باقی دلیلیں تو بے شمار ہیں۔ ''ہمارا خدا ہے''، ''ہستی باری تعالیٰ کے دس دلائل ہیں''، حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی کتاب ''ہستی باری تعالیٰ'' ہے۔ یہ ساری کتابیں اردو میں بھی اور انگلش میں بھی آگئی ہیں۔ یہ پڑھو اور ان کو بھی یہ پڑھنے کیلئے دو۔ اسی طرح اگر کوئی پڑھا لکھا آدمی ہے اور وہ پڑھنا جانتا ہے تو اس کو ایک تو اسلامی اصول کی فلاسفی پہلے دینی چاہیئے، پھر ہستی باری تعالیٰ کے دس دلائل ہیں وہ دینی چاہیئے۔ یہ چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں۔ پھر حضرت خلیفہ رابعؒ کی

کتاب Revelation Rationality ہے اس کا ایک Chapter جو خدا تعالیٰ کی ذات پہ ہے وہ بھی بعضوں کو متاثر کر دیتا ہے۔ "ہمارا خدا" کی بھی انگلش ٹرانسلیشن ہو چکی ہے وہ دینی چاہیئے کہ پڑھو۔ اب پڑھنے کے بعد بھی اگر کوئی نہیں مانتا تو ہمارا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے، کسی کی ہدایت کیلئے ہم گارنٹی نہیں دے سکتے۔ ہدایت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے سپرد لی ہے۔ ہمارے سپرد صرف تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی ہے کہ ہم تبلیغ کریں اور اللہ تعالیٰ کے رستہ کی طرف لے کے آئیں۔

سوال:۔ اسی ملاقات میں ایک اور طالبعلم نے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ کیا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:۔

جواب:۔ اللہ کی عبادت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ میں نے انسان کو عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ اور اپنی پیدائش کا جو حق ہے وہ ادا کرو۔ پہلی بات تو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ایمان بالغیب۔ ایمان بالغیب کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ، نمازیں قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نماز قائم کرو، تو دوسری اہم چیز عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد نمازوں کی ادائیگی ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں انسان جب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب ہوتا ہے۔ اس لئے سجدہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا قرب عطاء کرے۔

جو تم سے مانگتا ہوں وہ دولت تمہیں تو ہو۔

اللہ سے کہو جو دولت میں تجھ سے مانگ رہا ہوں وہ تم ہی ہو۔ مجھے پیسہ نہیں چاہیئے، مجھے دنیا نہیں چاہیئے۔ مجھے تیرا قرب چاہیئے۔ اور جب تیرا قرب مل جائے گا تو دنیا کی دولت بھی میری لونڈی بن جائے گی، میری غلام بن جائے گی اور دنیا کی سہولتیں بھی میری غلام بن جائیں گی۔ اور میری روحانیت بھی بڑھ جائے گی۔ تو پھر سجدہ میں دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطاء کرے۔ ٹھیک۔

سوال:۔ اسی Virtual نشست مؤرخہ 05 دسمبر 2020ء میں ایک اور طالبعلم نے حضورانور کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ نماز میں لذت کیسے حاصل کرسکتے ہیں؟اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیزنے فرمایا:۔

جواب:۔ لذت کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ اس کا ایک سادہ سا طریقہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بتایا ہے کہ تم رونی شکل بنالو۔ جب انسان ظاہری طور پر اپنی شکل بناتا ہے تو جیسی حالت طاری کرنے کی کوشش کرتا ہے دل کے جذبات بھی پھر ویسے ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ جب سورۃ فاتحہ پڑھ رہے ہو تو إِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَإِيَّاكَ نَسۡتَعِينُ کو بار بار دہراؤ اور غور کرو اور رونی شکل بناتے جاؤ تو ایک وقت میں تمہیں رونا آجائے گا۔ جب تمہیں رونا آئے گا، جب دل پہ رقت طاری ہو گی، نرمی پیدا ہو گی تو پھر تمہیں اس میں ایک لذت آنی شروع ہو گی۔ پھر جب تم رکوع میں جاؤ گے، پھر تم دعا پڑھو گے پھر تمہیں لذت آئے گی۔ پھر سمع اللہ کہو گے تو پھر تمہیں لذت آئے گی۔ سجدہ میں جاؤ گے پھر بے چینی سے تڑپو گے، پھر تمہیں لذت آئے گی۔ تو اسی شکل کو اپنے آپ پہ طاری کرنا پڑے گا۔ ایک مجاہدہ ہے، ایک کوشش ہے، وہ کوشش کرو گے تو پھر لذت پیدا ہوتی جائے گی۔ اور جب ایک دفعہ لذت آجائے گی تو پھر تمہیں مزہ آتا رہے گا۔ ہر دفعہ ہی تم کوشش کرو گے کہ میں نماز میں اللہ کے حضور حاضر ہوں اور رؤوں تو مجھے مزہ آئے، مجھے لطف آئے۔ اور جو اللہ کے آگے سجدہ میں رونے کا مزہ آتا ہے ناں وہ ہر مزہ سے بہت بڑھ کے ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے؟ اور اللہ سے یہ دعا کرو کہ جس عہد کے ساتھ تم جامعہ احمدیہ میں آئے ہو اللہ تعالیٰ اس عہد کو پورا کرنے کی، نبھانے کی توفیق دے۔ اور تم ایک اچھے مربی اور مبلغ بن کے نکلو اور اپنی قوم میں تبلیغ کرکے اس قوم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکانے والے بنو۔ اور پھر ان میں سے بھی وہ لوگ پیدا ہوں جن کو عبادتوں میں لذت آئے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 8 جولائی 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر25

سوال:۔ ایک شخص کے اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کے بعد رجوع کے بارہ میں محترم ناظم صاحب دارالافتاء کے استفسار پر اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ یکم جولائی 2020ء میں ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ طلاق کے اسلامی حکم، جس کے متعلق حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى الطَّلَاقُ کو انہوں مذاق بنایا ہوا ہے اور ذرا ذرا سی بات پر اپنی بیوی کو طلاق دیتے رہے ہیں۔

یہ کوئی طیش نہیں بلکہ سراسر جہالت ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک رخصت کی تضحیک ہے۔ صاف نظر آرہا ہے کہ ان کے دل میں بسا ہوا ہے کہ بیوی کو تنگ کرنے کیلئے طلاق ایک بہترین ہتھیار ہے۔ اور جب چاہیں بغیر سوچے سمجھے اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ایسے لوگوں کی ہی تأدیب اور اصلاح کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک وقت میں دی جانے والی تین طلاقوں کو تین شمار فرمایا تھا۔ اس لئے میرے نزدیک تو یہ طلاق ہو گئی ہے اور اب رجوع نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر بھی مزید جائزہ لے لیں۔

سوال:۔ کسی کاروباری کمپنی میں نفع و نقصان کی شراکت کی شرط کے ساتھ سرمایہ کاری کرنے کے بارہ میں محترم ناظم صاحب دارالافتاء کی ایک رپورٹ کے بارہ میں راہنمائی فرماتے ہوئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ یکم جولائی 2020ء میں ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ دنیا کی بڑی بڑی کمپنیاں بھی کئی قسم کے کاروبار کرتی ہیں۔ کچھ کاروبار انہوں نے ظاہر کئے ہوتے ہیں، جن میں کسی قسم کی شرعی یا قانونی خلاف ورزی نہیں ہوتی لیکن کچھ کاروبار انہوں نے

سائیڈ بزنس کے طور پر اختیار کئے ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنے Profile میں Highlight نہیں کرتیں۔ اور ایسے کاروباروں میں بعض اوقات دینی یا قانونی قواعد و ضوابط کا پوری طرح خیال نہیں رکھا گیا ہوتا۔

پس اگر کسی کمپنی کے کاروبار کی تفصیلات واضح ہوں یا آسانی سے ان کے کاروبار کی تفصیلات معلوم ہو سکیں اور ان میں کوئی غیر اسلامی یا غیر قانونی شق موجود ہو تو پھر ایسی کمپنی کے ساتھ نفع نقصان میں شراکت کی شرط کے ساتھ بھی کاروبار نہیں کرنا چاہئے۔

ہاں یہ ٹھیک ہے کہ چونکہ آجکل اکثر مسائل زیر وزبر ہو گئے ہیں۔ لہٰذا کمپنی کے جو کاروبار نظر آرہے ہوں ان میں اگر کوئی غیر اسلامی یا غیر قانونی شق نہ ہو تو پھر نفع و نقصان میں شراکت کے ساتھ کاروبار میں شامل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کمپنی نے اپنے کاروبار کا کچھ حصہ سائیڈ بزنس کے طور پر رکھا ہوا ہے جس کے بارہ میں وہ اپنے شراکت داروں کو کچھ نہیں بتاتی تو پھر اس بارہ میں بلاوجہ وہم میں پڑنے یا خواہ مخواہ کرید کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر پتہ چل جائے کہ غیر قانونی ہے تو پھر اس سے علیحدگی کر لینی چاہئے۔

سوال:۔ صدقات کی رقم کو مساجد کی تعمیر میں خرچ کرنے کے بارہ میں فقہی مسائل میں دیئے جانے والے ایک جواب کی درستی کرواتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب بنام محترم ناظم صاحب دارالافتاء مؤرخہ یکم جولائی 2020ء میں ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ صدقات کی رقم کو مساجد کی تعمیر میں خرچ کرنے کے بارہ میں آپ کی طرف سے فقہی مسائل میں دیا جانے والا جواب مجھے کسی نے بھجوایا ہے، جس میں آپ نے سورۃ التوبہ کی آیات نمبر 60 سے استدلال کرتے ہوئے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

صدقہ کا لفظ قرآن و حدیث میں اسلام کے ایک فرض رکن زکوٰۃ کیلئے بھی استعمال ہوا ہے اور زکوٰۃ کے علاوہ اللہ کی رضا کی خاطر غرباء و مساکین کی مدد اور اعانت کیلئے دیئے جانے والے دیگر صدقات کیلئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ اور ہر جگہ کا سیاق و سباق اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اُس جگہ استعمال ہونے والا لفظ اسلامی رکن زکوٰۃ کیلئے آیا ہے یا دیگر صدقات کیلئے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ التوبہ کی مذکورہ آیت میں

بیان صدقات سے مراد اموال زکوٰۃ ہیں۔ لہٰذا اس آیت سے استدلال کر کے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات کی رقم کو مسجد فنڈ میں خرچ کرنے کا فتویٰ درست نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے احمدیت نے زکوٰۃ اور دیگر صدقات میں فرق کیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صدقہ کے گوشت کو صرف غرباء کا حق قرار دیا اور انہیں میں تقسیم کی ہدایت فرمائی۔ لیکن لنگر خانہ میں اس کے استعمال کی اجازت نہیں دی حالانکہ لنگر خانہ میں عام طور پر مسافروں کے قیام وطعام کا انتظام ہوتا ہے اور آپ کے استدلال کے مطابق تو پھر فی سبیل اللہ اور ابن السبیل کے تحت ان کیلئے بھی اس قسم کے صدقہ کے گوشت کی اجازت ہونی چاہئے تھی۔

فی سبیل اللہ یا ابن السبیل سے اس قسم کا استدلال خاص حالات میں تو ہو سکتا ہے اور ایسی تشریح کرنا بھی خلیفۂ وقت کا حق ہے۔ اگر ہر شخص اس قسم کے استدلال کر کے جواز کی راہیں نکالنا شروع کر دے تو مسائل میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی جہاں بینکوں سے ملنے والے سود کو اشاعت اسلام کی مد میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے، اسے صرف اسلام کی غربت کی حالت میں اضطراری طور پر اور وقتی اجازت قرار دیا ہے۔ نیز صرف اشاعت اسلام کی مد میں لٹریچر وغیرہ کی اشاعت میں اس کے خرچ کی اجازت دی ہے، مساجد وغیرہ کی تعمیر کیلئے اجازت نہیں دی۔

پس ان امور کی روشنی میں پہلے خلفائے احمدیت کی طرح میرا بھی یہی موقف ہے کہ صدقات کی رقم مساجد فنڈ میں نہیں دی جاسکتی۔ لہٰذا اسی کے مطابق آپ کا بھی فتویٰ ہونا چاہئے۔

اس کے علاوہ آپ کے پاس اپنے موقف کے حق میں اگر کوئی اور دلائل ہیں تو علمی بحث کے طور پر بے شک مجھے اپنی رپورٹ بھجوا دیں۔

سوال:۔ صدقات کی رقم مساجد کی تعمیر میں خرچ کرنے نیز جماعت کے خلاف بدزبانی کرنے والے کی وفات پر تعزیت کیلئے جانے کے بارہ میں ایک مربی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ

العزیز کی خدمت میں بغرض راہنمائی عریضہ تحریر کیا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ یکم جولائی 2020ء میں ان امور کے بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ مساجد فنڈ کیلئے صدقہ کی رقم کے بارہ میں آپ کا موقف بالکل درست ہے۔ صدقات کی رقم سے مساجد تعمیر نہیں کی جاتیں۔ مسجد بنانے کیلئے الگ سے ہدیہ دینا چاہئے۔ اسی لئے جماعت میں بھی جہاں ضرورت ہو مساجد کی تعمیر کیلئے الگ مساجد فنڈ کی تحریک کی جاتی ہے۔

آپ کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جماعت کے خلاف بدزبانی کرنے والا تھا اس کی وفات پر تعزیت کیلئے جانے کی ضرورت کیا ہے؟ ہاں اگر کوئی ایسا شخص ہو جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کی توفیق تو نہیں ملی لیکن اس نے اپنی زندگی میں کبھی جماعت کی مخالفت نہیں کی تو ایسے شخص کی وفات پر اس کے عزیزوں سے تعزیت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

سوال:۔ ایک خاتون نے محمد بن عبد الجبار النفری کی کتاب "المواقف" کی عبارت "اُدْعُنِیْ فِیْ رُؤْیَتِیْ وَلَا تَسْئَالْنِیْ، وَسْئَلْنِیْ فِیْ غَیْبَتِیْ وَلَا تَدْعُنِیْ) "یعنی میرے دیکھنے کی حالت ہوتے ہوئے مجھ سے دعا کرو مگر مجھ سے مانگو نہیں اور میرے غائب ہونے کی حالت میں مجھ سے مانگو اور مجھ سے دعا نہ کرو) حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں پیش کر کے دریافت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے اور اس سے مانگنے میں کیا فرق ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 02 جولائی 2020ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ تصوف کی مذکورہ بالا کتاب میں بیان یہ عبارت نہ تو قرآن کریم کا کوئی حکم ہے اور نہ ہی کسی حدیث پر مبنی اصول ہے۔ یہ اس کتاب کے مصنف کی بیان کردہ ایک عبارت ہے۔

قرآن کریم اور احادیث میں دعا کرنے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اُدْعُونِی أَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری دعا کسی سوال پر مبنی نہیں ہونی چاہئے۔

پھر ایک حدیث قدسی میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں نچلے آسمان پر اترتا ہے اور اعلان کرتا ہے مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ ایک ہی موقعہ پر دعا کرنے اور سوال کرنے دونوں کا حکم فرما رہا ہے۔

پھر حدیث میں ہی حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ سجدہ کی حالت میں انسان اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، اس لئے اس موقعہ پر کثرت سے دعا کیا کرو۔ اس میں بھی حضور ﷺ نے ایسی کوئی ممانعت نہیں فرمائی کہ تمہاری یہ دعا کسی سوال پر مبنی نہیں ہونی چاہئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے کلام میں ہمیں یہی نصیحت فرمائی ہے کہ ہمیں اپنی دینی و دنیوی تمام ضرورتیں اللہ تعالیٰ کے حضور ہی عرض کرنی چاہئیں۔ چنانچہ اپنے ایک شعر میں آپ فرماتے ہیں:۔

حاجتیں پوری کریں گے کیا تری عاجز بشر
کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

پھر مذکورہ بالا کتاب میں درج عبارت کے حوالہ سے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ کب سامنے نہیں ہوتا؟ وہ تو ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے۔

پس میرے نزدیک اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے اور اس سے سوال کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ علمی حد تک زیادہ سے زیادہ اس فقرہ کی یہ تشریح ہو سکتی ہے کہ چونکہ انسان کو جب کسی کے موجود ہونے کا ڈر ہو تو وہ برائی کرنے سے احتراز کرتا ہے، چنانچہ موجودہ دور میں سی سی ٹی وی کیمروں کی مثال اس کی ایک بین دلیل ہے۔ اس لئے جب کبھی انسان کے دل میں یہ خیال آئے کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا اور شیطان اسے کسی برائی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرے تو اسی وقت اسے اپنے ایمان کے بارہ میں فکر مند ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور اپنے ایمان کی سلامتی کیلئے اسی کے در کا سوالی بن کر اس کے سامنے جھک جانا چاہئے۔

سوال:۔ مکرم انچارج صاحب عربک ڈیسک یوکے کے ایک استفسار بابت صلاۃ التسبیح کے متعلق راہنمائی کرتے ہوئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 19 جولائی 2020ء میں ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ علمائے سلف میں صلاۃ التسبیح کے متعلق مروی احادیث پر دونوں قسم کی آراء موجود ہیں، کچھ نے ان احادیث کو قابل قبول قرار دیا ہے اور کچھ نے ان احادیث کی اسناد پر جرح کرتے ہوئے انہیں موضوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح ائمہ اربعہ میں بھی اس بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس نماز کو مستحب کا درجہ بھی نہیں دیتے جبکہ دیگر فقہاء اسے مستحب قرار دیتے ہیں اور اس کی فضیلت کے بھی قائل ہیں۔

صلاۃ التسبیح کی بابت مروی احادیث سے یہ بات تو قطعیت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے خود اس نماز کو کبھی ادا نہیں کیا اور نہ ہی خلفائے راشدین سے اس نماز کے پڑھنے کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اسی طرح اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے مبعوث ہونے والے حضور ﷺ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی اس نماز کے پڑھنے کی کوئی روایت ہمیں نہیں ملتی۔

لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص یہ نماز پڑھنا چاہتا ہے تو پھر ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھنا چاہئے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص ایک ایسے وقت میں نماز پڑھ رہا تھا جس وقت نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اس کی شکایت حضرت علیؓ کے پاس ہوئی تو آپ نے جواب دیا کہ میں اس آیت کا مصداق نہیں بننا چاہتا۔ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ یعنی تو نے دیکھا اس کو جو ایک نماز پڑھتے بندے کو منع کرتا ہے۔

باقی جہاں تک فقہ احمدیہ کی عبارت کا تعلق ہے تو فقہ احمدیہ میں کئی ایسی باتیں شامل ہو گئی ہیں جن کی تصحیح کی ضرورت ہے۔ اسی لئے فقہ احمدیہ کی نظر ثانی کروائی جارہی ہے۔ جب فقہ احمدیہ کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن شائع ہو گا تو ان شاء اللہ اس عبارت کو بھی ٹھیک کر دیا جائے گا۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ سورۃ النساء کی آیت 16 اور 17 کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو مختلف تفاسیر بیان فرمائی ہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 19 جولائی 2020ء میں اس بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ قرآن کریم کسی ایک زمانہ یا ایک قوم کیلئے نازل نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک تمام دنیا کی راہنمائی کیلئے نازل فرمایا ہے اور ہر زمانہ میں وہ اپنے برگزیدہ لوگوں کو اس زمانہ کے حالات کے مطابق اس سے مسائل کے استنباط کا علم بھی عطاء فرماتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (الحجر :22) یعنی ہمارے پاس ہر چیز کے (غیر محدود) خزانے ہیں۔ لیکن ہم اسے (ہر زمانہ میں اس کی ضرورت کے مطابق) ایک معین اندازہ کے مطابق نازل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے کئے گئے وعدہ کے مطابق آپ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس زمانہ میں دین محمدی کی تجدید اور دنیا کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا اور اسی قرآنی بشارت کے مطابق آپ کو قرآنی علوم اور اس کے روحانی معارف سے وافر حصہ عطاء فرمایا۔ اور پھر آپؑ کے وسیلہ اور برکت سے آپؑ کے بعد جاری ہونے والی خلافت کی مسند پر متمکن ہونے والے ہر فرد کو علوم قرآنی سے نوازا۔ ان وجودوں نے اپنے اپنے دور میں، اُس زمانہ کے حالات کے مطابق خدا تعالیٰ سے علم پاکر اپنی سمجھ کے مطابق قرآن کریم کے معارف دنیا کیلئے بیان فرمائے۔

آنحضور ﷺ نے قرآن کریم کے مختلف متن اور مختلف بطون ہونے کی جو بشارت دی ہے، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم لدنی کا فیض پانے والے لوگ مختلف زمانوں میں اس سے ایسے مسائل اور علوم کا استنباط کرتے رہیں گے جس کے نتیجہ میں یہ کتاب ہر زمانہ میں تروتازہ رہے گی۔

آپ نے اپنے خط میں جن آیات کا ذکر کیا ہے، حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ، حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سب نے اپنے اپنے خداداد علم کے نتیجہ میں ان آیات کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ جس کے مطابق ان آیات سے معاشرہ میں پائی جانے والی

مختلف قسم کی برائیوں کا استنباط کر کے ان کی شناعت بیان کی اور اپنے متبعین کو ان برائیوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان آیات سے ایسے ناپسندیدہ افعال اور بُرے اخلاق کی باتیں مراد لی ہیں، جن کا تعلق جھگڑا فساد جیسے قبیح امور سے ہے۔ اور آج سے ستر اسی سال قبل ایسے مرد و خواتین جو اپنے گرد و نواح میں بلاوجہ جھگڑا فساد کی فضاء پیدا کرتے تھے، اخلاقاً بہت بُرے سمجھے جاتے تھے اور اُس زمانہ میں مردوں کی مردوں اور عورتوں کی عورتوں کے ساتھ جنسی بے راہ روی معاشرہ میں عام نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اُس زمانہ میں ان آیات میں بیان ناپسندیدہ افعال کی وہی تشریح فرمائی جو اُس زمانہ میں عام طور پر شناعت کے دائرہ میں داخل تھی۔ اور اب اس نئے زمانہ میں مرد و خواتین کی اس قسم کی جنسی بے راہ روی جسے Gay Movement کہا جاتا ہے، معاشرہ میں عام ہو رہی ہے، اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس زمانہ کے حالات کے مطابق قرآن کریم کی ان آیات کی یہ تشریح فرمائی ہے اور ان آیات میں بیان بُرائی سے موجودہ زمانہ میں پھیلنے والی جنسی بے راہ روی مراد لی ہے۔

قرآن فہمی کے معاملہ میں اس قسم کے اختلاف میں کوئی حرج نہیں بلکہ حضور ﷺ نے اپنی امت میں پائے جانے والے اس قسم کے علمی اختلاف کو رحمت قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں قرآن کریم سے مختلف قسم کے استدلال کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

سوال:۔ ایک عرب خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ نکاح کے فوراً بعد قبل اس کے کہ خاوند بیوی کو چھوئے، رشتہ ختم ہو جانے کی صورت میں اس عورت پر کوئی عدت ہے۔ نیز ایسی صورت میں یہ عورت اپنے اس پہلے خاوند سے شادی کر سکتی ہے جس سے اسے طلاق بتہ ہو چکی ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 جولائی 2020ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ نکاح کے بعد اور میاں بیوی میں تعلقات قائم ہونے سے قبل ہونے والی طلاق میں عورت پر کوئی عدت نہیں جیسا کہ قرآن کریم اس بارہ میں واضح طور پر فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَکَحۡتُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ فَمَا لَکُمۡ عَلَیۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٍ تَعۡتَدُّوۡنَهَا ۚ فَمَتِّعُوۡهُنَّ وَ سَرِّحُوۡهُنَّ سَرَاحًا جَمِیۡلًا (الاحزاب:50)یعنی اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے شادی کرو، پھر ان کو ان کے چھونے سے پہلے طلاق دے دو تو تم کو کوئی حق نہیں کہ ان سے عدت کا مطالبہ کرو، پس (چاہئے کہ) ان کو کچھ دنیوی نفع پہنچادو اور ان کو عمدگی کے ساتھ رخصت کر دو۔

آپ کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں یہ عورت اپنے پہلے خاوند سے جس سے اسے طلاق بتہ ہو چکی ہے رجوع نہیں کر سکتی، کیونکہ طلاق بتہ کی صورت میں دوسرے خاوند کے ساتھ تعلقات زوجیت قائم ہونا ضروری ہیں۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک عورت جسے اپنے خاوند سے طلاق بتہ ہو چکی تھی اس نے کسی دوسرے شخص سے شادی کی اور شادی کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس دوسرے خاوند کے تعلقات زوجیت قائم نہ کر سکنے کی شکایت کی۔ جس پر حضور ﷺ نے اس عورت کو فرمایا کہ شاید تم اپنے پہلے خاوند کے پاس لوٹنا چاہتی ہو لیکن ایسا نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ دوسرا خاوند تمہارے ساتھ تعلقات زوجیت قائم نہ کر لے۔

(صحیح بخاری کتاب الطلاق بَاب مَنۡ أَجَازَ طَلَاقَ الثَّلَاثِ)

ایسی صورت میں یہ بات مد نظر رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ طلاق بتہ کے بعد دوسرے شخص سے اس غرض سے شادی کرنا کہ اس سے طلاق لے کر پہلے خاوند کے ساتھ رجوع کیا جا سکے، یا وہ مرد اس عورت سے اس غرض سے شادی کرے کہ شادی کے بعد وہ اسے طلاق دے دے گا تا کہ وہ عورت اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹ سکے، تو اس قسم کی منصوبہ بندی کو شریعت نے نہایت ناپسند فرمایا ہے اور اس قسم کی شادی کرنے اور کروانے والے مرد و عورت پر آنحضور ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔

(سنن ترمذی کتاب النکاح بَاب الۡمُحِلِّ وَالۡمُحَلَّلِ لَهُ)

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 15 جولائی 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر26

سوال:۔ ایک دوست نے اصول فقہ کے قانون ”قول صحابیؓ رسول ﷺ شرعی حکم کے استنباط کیلئے دلیل ہے“ کے بارہ میں حضور انور سے راہنمائی کی درخواست کی۔ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 جولائی 2020ء میں درج ذیل ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ حضور ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، انہوں نے حضور ﷺ سے علم و عرفان حاصل کیا۔ اور وہ مقاصد شریعت کو زیادہ اچھی طرح جانتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اصول فقہ والوں کا یہ قانون ایک hard and fast rule کے طور پر نہیں مانا جاسکتا۔ کیونکہ اقوال صحابہ بھی احادیث ہی کی طرح آنحضور ﷺ اور صحابہ کا دور گزرنے کے بعد جمع کئے گئے۔

صحابہ رسول ﷺ کے اقوال کا درجہ تو یقیناً احادیث نبوی ﷺ کے بعد آتا ہے۔ جبکہ بہت سی احادیث پر علماء و فقہاء نے جرح کر کے انہیں ضعیف اور موضوع قرار دیا ہے۔ امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ کو چھ لاکھ کے قریب احادیث یاد تھیں جن میں سے انہوں نے سولہ سال کی محنت شاقہ کے بعد صرف تین ہزار کے قریب احادیث کو اپنی صحیح میں شامل فرمایا۔ دوسری صدی ہجری کے مؤرخ واقدی کی بیان کردہ متعدد احادیث ایسی ہیں جن کو علماء نے قابل استناد قرار نہیں دیا۔

پس اصل بات وہی ہے جو حضور ﷺ کے غلام صادق اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے مبعوث ہونے والے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی ہے کہ ”کون ایسا مومن ہے جو قرآن شریف کو حدیثوں کیلئے حکم مقرر نہ کرے؟ اور جب کہ وہ خود فرماتا ہے کہ یہ کلام حکم ہے اور قول فصل ہے اور حق اور باطل کی شناخت کیلئے فرقان ہے اور میزان ہے تو کیا یہ ایمانداری ہو گی کہ ہم خدا تعالیٰ کے ایسے فرمودہ پر ایمان نہ لاویں؟ اور اگر ہم ایمان لاتے ہیں تو ہمارا ضرور یہ مذہب ہونا چاہئے

کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر عرض کریں تا ہمیں معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر اسی مشکوٰۃ وحی سے نور حاصل کرنیوالے ہیں جس سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہیں۔"

(الحق مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 22)

پس اس تعلیم کی روشنی میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ صحابہ کے وہ اقوال جو قرآن کریم، سنت نبویہ ﷺ اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہیں، شرعی احکام کے استنباط کیلئے دلیل شمار ہوں گے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ کیا غیر مسلموں پر رحم کرنا اور ان کیلئے استغفار کرنا جائز ہے۔ اور ان پر اتمام حجت ہونے یا نہ ہونے سے ان کیلئے رحم اور استغفار کرنے میں کوئی فرق پڑے گا؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 جولائی 2020ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ قرآن کریم کا علم رکھنے والے کی طرف سے اس قسم کا سوال کرنا قابل تعجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جس طرح اپنے لئے رب العالمین کے الفاظ استعمال کر کے یہ مضمون بیان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں میں پائی جانے والی مخلوق کی رنگ و نسل اور مذہب و ملت کا فرق کئے بغیر ربوبیت کرنے والی ذات ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات کیلئے رحمۃ المومنین یا رحمۃ المسلمین کی بجائے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: 108) کے الفاظ استعمال فرما کر ہمیں بتا دیا کہ یہ رسول تمام جہانوں کیلئے بلا امتیاز رنگ و نسل اور مذہب و ملت سراپائے رحمت ہے۔

یہی تعلیم حضور ﷺ نے اپنے متبعین کو بھی دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ (صحیح بخاری کتاب التوحید) یہاں پر بھی حضور ﷺ نے یرحم المومنین یا یرحم المسلمین کی بجائے یرحم الناس کے الفاظ استعمال کر کے ہمیں سمجھا دیا کہ ایک حقیقی مسلمان کا دل جب تمام بنی نوع انسان کیلئے رحمت کے جذبہ سے لبریز ہو گا تب وہ اللہ تعالیٰ کے رحم کا مورد ہو سکے گا۔

جہاں تک کسی کیلئے استغفار کرنے کا تعلق ہے تو اس بارہ میں بھی قرآن و سنت نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے کہ ایسا مشرک جس کے متعلق یہ واضح ہو جائے کہ وہ خدا کا دشمن اور یقیناً جہنمی ہے اس کیلئے استغفار نہ کیا جائے۔ اور کسی کے جہنمی ہونے کا علم یا تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے یا اس کے ان انبیاء اور برگزیدوں کو ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ خود کسی کے جہنمی ہونے کی خبر دیتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے ان کے والد کے عدو اللہ ہونے کی خبر دی تو آپ اس کیلئے استغفار سے دست بردار ہو گئے۔ (التوبہ:114) مدینہ کے منافقین کی شرارتوں اور ان کی طرف سے آنحضور ﷺ اور مسلمانوں کو دی جانے والی تکالیف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کیلئے سخت انذار فرمایا اور انہیں نافرمان قرار دیتے ہوئے جہنمی قرار دیا۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو چونکہ اس وقت تک ان کیلئے استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا تھا۔ اس لئے رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول کی وفات پر حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے اس اختیار کی بناء پر اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کیلئے استغفار کیا۔

اسلام کی عفو کی تعلیم اپنے اندر ایک ایسی گہری حکمت رکھتی ہے جس سے پہلے مذاہب کی تعلیمات عاری تھیں۔ لہٰذا اسلام اپنے ہر دشمن کیلئے جب تک کہ اس کے اصلاح پانے کی امید باقی ہو، ہدایت کی دعا کرنے اور اس کی تربیت کیلئے کوشش کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ جنگ احد میں جب مسلمانوں کو نقصان پہنچا اور حضور ﷺ بھی زخمی ہو گئے تو کسی نے حضور ﷺ کی خدمت میں مخالفین اسلام کے خلاف بد دعا کرنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے لعنت ملامت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اس نے مجھے خدا کا پیغام دینے والا اور رحمت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے اللہ کے حضور یہ دعا کی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دیدے کیونکہ وہ (میرے مقام اور اسلام کی) حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی) اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ کے حضور یہ التجا کی کہ اے اللہ میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ (اسلام اور میرے مقام کی) لاعلمی کی وجہ سے اسلام کی مخالفت کر رہی ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی)

پس اسلام اپنے متبعین کو تاکید کرتا ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کیلئے بلا امتیاز مذہب و ملت اور رنگ و نسل رحم کے جذبات سے پُر ہوں اور سوائے ان مشرکوں اور خدا کے دشمنوں کے جن کے جہنمی ہونے پر اللہ تعالیٰ نے مہر ثبت فرمادی ہو، ہر ایک کیلئے استغفار کرنے والے ہوں۔

آپ کے سوال کا تعلق اگر کسی معین انسان کے ساتھ ہے تو ایسی صورت میں پھر مسلم اور غیر مسلم کا سوال نہیں اٹھتا بلکہ اس انسان کے پیدا کردہ حالات، واقعات اوراس سے تعلق رکھنے والے حقائق کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے۔

سوال:۔ ایک دوست نے دریافت کیا ہے کہ کیا یکم ذوالحج سے قربانی تک بال اور ناخن نہ کٹوانے کا ارشاد صرف حاجیوں کیلئے ہے یا ہر قربانی کرنے والے کیلئے ہے۔ نیز یہ کہ اگر کسی علاقہ میں ذوالحج کے چاند نکلنے کا بعد میں پتہ چلے تو اس علاقہ کے لوگوں کیلئے کیا ہدایت ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 اگست 2020ء میں اس بارہ میں درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ احادیث سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم ہر قربانی کرنے والے کیلئے ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو تو جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہو اسے قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہیں کٹوانے چاہئیں۔ (صحیح مسلم کتاب الاضاحی)

باقی اگر کسی علاقہ میں ذوالحج کے چاند نکلنے کا 29 ذوالقعد کو نہ علم ہو سکے اور ایک دو روز بعد وہاں کے لوگوں کو اس کی اطلاع ملے تو اس علاقہ کے لوگ اسی وقت حضور ﷺ کے اس حکم کے مکلف ہوں گے جب انہیں چاند کے نکلنے کی اطلاع ملے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ کیا حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام کو قتل کیا گیا تھا یا قتل سے مراد ان کے پیغام کا قتل ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس بارہ میں اپنے مکتوب مؤرخہ 11 اگست 2020ء میں درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب:۔ حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام کے قتل کے بارہ میں جس طرح تاریخ و سیرت کی کتب میں اور علمائے سلف کے نظریات میں اختلاف پایا جاتا ہے، اسی طرح جماعت میں بھی اس بارہ میں قرآنی آیات سے استدلال اور احادیث کی تشریح کی روشنی میں خلفائے احمدیت کی آراء مختلف ہیں۔ میری رائے اس بارہ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہے اور میں قرآن کریم، احادیث نبوی ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں اسی موقف پر قائم ہوں کہ کسی بھی سلسلہ کا پہلا اور آخری نبی یا وہ نبی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہو کہ وہ اسے انسانوں کی دسترس سے بچائے گا، قتل نہیں ہو سکتے۔ ان کے علاوہ باقی انبیاء کیلئے قتل نفس کوئی معیوب بات نہیں اور اس سے نبی کی شان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا کیونکہ قتل بھی شہادت ہوتی ہے۔ مگر ہاں ناکام قتل ہو جانا انبیاء کی شان میں سے نہیں ہے۔ پس جب ایک نبی اپنا کام پورا کر چکے تو پھر وہ طبعی طور پر فوت ہو یا کسی کے ہاتھ سے شہید ہو جائے اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ کیونکہ کامیابی کی موت پر نہ کسی کو تعجب ہوتا ہے اور نہ دشمن کو خوشی ہوتی ہے۔

پس حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام بھی کسی سلسلہ کے پہلے اور آخری نبی نہیں تھے اور نہ ہی ان کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا کوئی ایسا وعدہ مذکور ہے کہ وہ انہیں دشمن کے ہاتھ سے ضرور محفوظ رکھے گا۔ اسی طرح ہمارا ایمان ہے کہ جب ان انبیاء کی شہادت ہوئی تو یقیناً وہ اپنی ان ذمہ داریوں کو کماحقہ ادا کر چکے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد فرمائی تھیں۔

سوال:۔ ایک خاتون نے نکاح اور طلاق کے بارہ میں بعض سوالات حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں بھجوا کر ان کے بارہ میں راہنمائی چاہی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 17 اگست 2020ء میں ان سوالوں کا تفصیلی جواب عطاء فرماتے ہوئے درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:۔

1۔ طلاق یا خلع کیلئے فریقین کا متفق ہونا یا اس کیلئے گواہوں کا ہونا ضروری نہیں۔ لیکن انعقاد نکاح کیلئے دونوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح فریقین کے مابین ایک معاہدہ ہے،

جس کیلئے فریقین اور لڑکی کے ولی کی رضامندی اور گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔ نیز اس معاہدہ کے اعلان کا بھی حکم ہے۔

جبکہ نکاح کے معاہدہ کو ختم کرنے کا اختیار اسلام نے فریقین کو دیا ہے جسے اصطلاح میں خلع اور طلاق کہا جاتا ہے۔ عورت جس طرح اپنا نکاح خود بخود نہیں کر سکتی بلکہ اپنے ولی کے ذریعہ کرتی ہے، اسی طرح خلع کا استعمال بھی وہ بذریعہ قضاء یا حاکم وقت ہی کر سکتی ہے۔ تا کہ خلع کی صورت میں اس کے حقوق کی حفاظت ہو سکے۔ جبکہ مرد جس طرح اپنے نکاح کا انعقاد اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اسی طرح طلاق کا استعمال بھی وہ خود بخود کر سکتا ہے کیونکہ طلاق کی صورت میں عورت کے حقوق کی ادائیگی خاوند پر لازم ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خلع اور طلاق کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

”شریعت اسلام نے صرف مرد کے ہاتھ میں ہی یہ اختیار نہیں رکھا کہ جب کوئی خرابی دیکھے یا ناموافقت پاوے تو عورت کو طلاق دیدے بلکہ عورت کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ وہ بذریعہ حاکم وقت کے طلاق لے لے۔ اور جب عورت بذریعہ حاکم کے طلاق لیتی ہے تو اسلامی اصطلاح میں اس کا نام خُلع ہے۔ جب عورت مرد کو ظالم پاوے یا وہ اُس کو ناحق مارتا ہو یا اور طرح سے ناقابل برداشت بدسلوکی کرتا ہو یا کسی اور وجہ سے ناموافقت ہو یا وہ مرد دراصل نامرد ہو یا تبدیل مذہب کرے یا ایسا ہی کوئی اور سبب پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے عورت کو اُس کے گھر میں آباد رہنا ناگوار ہو تو ان تمام حالتوں میں عورت یا اُس کے کسی ولی کو چاہئے کہ حاکم وقت کے پاس یہ شکایت کرے اور حاکم وقت پر یہ لازم ہو گا کہ اگر عورت کی شکایت واقعی درست سمجھے تو اس عورت کو اس مرد سے اپنے حکم سے علیحدہ کردے اور نکاح کو توڑ دے لیکن اس حالت میں اس مرد کو بھی عدالت میں بلانا ضروری ہو گا کہ کیوں نہ اُس کی عورت کو اُس سے علیحدہ کیا جائے۔

اب دیکھو کہ یہ کس قدر انصاف کی بات ہے کہ جیسا کہ اسلام نے یہ پسند نہیں کیا کہ کوئی عورت بغیر ولی کے جو اُس کا باپ یا بھائی یا اور کوئی عزیز ہو خود بخود اپنا نکاح کسی سے کرلے ایسا ہی یہ بھی پسند نہیں کیا کہ عورت خود بخود مرد کی طرح اپنے شوہر سے علیحدہ ہو جائے بلکہ جدا ہونے کی حالت میں نکاح

سے بھی زیادہ احتیاط کی ہے کہ حاکم وقت کا ذریعہ بھی فرض قرار دیا ہے تا عورت اپنے نقصان عقل کی وجہ سے اپنے تئیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 288-289)

خلع کا انعقاد چونکہ بذریعہ قضاء ہوتا ہے، اس لئے اس میں خود بخود گواہی قائم ہو جاتی ہے۔ لیکن طلاق چونکہ اس طرح نہیں ہوتی اس لئے اگر میاں بیوی طلاق کے اجراء پر متفق ہوں اور ان میں کوئی اختلاف نہ ہو تو پھر گواہی کے بغیر بھی طلاق مؤثر ہوتی ہے۔ طلاق کیلئے گواہی کا ہونا مستحب ہے لازمی نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے طلاق اور رجوع کے سلسلہ میں جہاں گواہی کا ذکر فرمایا ہے وہاں اسے نصیحت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّاَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ وَاَقِیۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ یُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ (الطلاق: 3) یعنی پھر جب عورتیں عدت کی آخری حد کو پہنچ جائیں تو انہیں مناسب طریق پر روک لو یا انہیں مناسب طریق پر فارغ کر دو اور اپنے میں سے دو منصف گواہ مقرر کرو اور خدا کیلئے سچی گواہی دو۔ تم میں سے جو کوئی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتا ہے اس کو یہ نصیحت کی جاتی ہے۔ اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کیلئے کوئی نہ کوئی رستہ نکال دے گا۔

فقہاء بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص بغیر گواہوں کے طلاق دیدے یا رجوع کر لے تو اس سے اس کی طلاق یا رجوع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

2۔ جہاں تک غصہ کی حالت میں دی جانے والی طلاق کا معاملہ ہے تو جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو وہ بیوی کی کسی ناقابل برداشت اور فضول حرکت پر ناراض ہو کر یہ قدم اٹھاتا ہے۔ بیوی سے خوش ہو کر تو کوئی انسان اسے طلاق نہیں دیتا۔ اس لئے ایسے غصہ کی حالت میں دی جانے والی طلاق بھی مؤثر ہو گی۔

البتہ اگر کوئی انسان ایسے طیش میں ہو کہ اس پر جنون کی کیفیت طاری ہو اور اس نے نتائج پر غور کئے بغیر جلد بازی میں اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر اس جنون کی کیفیت کے ختم ہونے پر نادم ہوا اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اسی قسم کی کیفیت کیلئے قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ

فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (البقرہ :226)یعنی اللہ تمہاری قسموں میں (سے) لغو (قسموں) پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ ہاں جو (گناہ) تمہارے دلوں نے (بالارادہ) کمایا اس پر تم سے مؤاخذہ کرے گا اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بُردبار ہے۔

3۔ شرطی طلاق بھی مقررہ شرط کے پورا ہونے پر مؤثر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد اور آپ کے آزاد کردہ غلام نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے بیوی سے کہا کہ اگر وہ باہر نکلی تو اسے طلاق ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فتویٰ دیا کہ اگر اس کی بیوی باہر نکلے گی تو اسے طلاق ہو جائے گی اور اگر وہ نہ نکلی تو اس پر کچھ نہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الطلاق)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارہ میں فرماتے ہیں:

”اگر شرط ہو کہ فلاں بات ہو تو طلاق ہے اور وہ بات ہو جائے تو پھر واقعی طلاق ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ اگر فلاں پھل کھاؤں تو طلاق ہے اور پھر وہ پھل کھالے تو طلاق ہو جاتی ہے۔“

(البدر نمبر 21 جلد 2 مؤرخہ 12 جون 1903ء صفحہ 162)

4۔ طلاق کیلئے پسندیدہ امر یہی ہے کہ خاوند ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے تعلق زوجیت قائم نہ کیا ہو۔ لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتا اور حمل کی حالت میں، حیض یا نفاس کے ایام میں طلاق دیتا ہے تو ایسی طلاق بھی مؤثر ہو گی۔ کیونکہ اگر صرف ایسے طہر میں دی جانے والی طلاق ہی مؤثر ہوتی جس میں خاوند نے تعلق زوجیت قائم نہ کیا ہو تو پھر قرآن کریم میں حمل والی عورت کی عدت طلاق کا بیان عبث ٹھہرتا ہے۔ پس قرآن کریم میں حمل والی عورتوں کی عدت طلاق کا بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ حمل کی حالت میں دی جانے والی طلاق بھی مؤثر قرار پاتی ہے۔

اسی طرح حیض میں دی جانے والی طلاق کے بارہ میں کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ بیان مروی ہے کہ ان کی طرف سے بیوی کو اس کے ایام حیض میں دی جانے والی طلاق، ایک طلاق شمار کی گئی تھی۔

(صحیح مسلم کتاب الطلاق)

5۔ایسی طلاق جس کے بعد بیوی پر عدت کا حکم لاگو ہوتا ہے، اس عدت کے بارہ میں قرآنی حکم ہے کہ اس دوران نہ خاوند بیوی کو گھر سے نکالے اور نہ بیوی اپنا گھر چھوڑ کر جائے، بلکہ عدت کا عرصہ وہ خاوند کے گھر میں ہی گزارے۔ چنانچہ فرمایا لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (الطلاق :2)یعنی ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

اسلام نے مطلقہ پر عدت کے دوران بناؤ سنگھار کرنے یا کام کاج اور دیگر ذمہ داریوں کی ادائیگی کیلئے گھر سے باہر جانے کے حوالہ سے کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کی جیسی پابندیاں اس نے بیوہ پر اس کی عدت کے دوران لگائی ہیں۔ بلکہ احادیث میں مطلقہ کیلئے اس کے برعکس حکم ملتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک خاتون کو طلاق کی عدت کے دوران نہ صرف باہر جانے کی اجازت دی بلکہ اس پر پسندیدگی کا بھی اظہار فرمایا۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں:

طُلِّقَتْ خَالَتِي فَأَرَادَتْ أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا فَزَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ فَأَتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلَى فَجُدِّي نَخْلَكِ فَإِنَّكِ عَسَى أَنْ تَصَدَّقِي أَوْتَفْعَلِي مَعْرُوفًا

(صحیح مسلم کتاب الطلاق)

یعنی میری خالہ کو طلاق ہوئی اور وہ اپنا کھجور کا باغ کاٹنے نکل کھڑی ہوئیں۔ راستہ میں ایک شخص نے انہیں گھر سے باہر نکلنے پر ڈانٹا۔ اس پر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ تو حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تم بیشک اپنا کھجور کا باغ کاٹو۔ شاید اس طرح تمہیں صدقہ دینے یا نیکی کرنے کا موقعہ مل جائے۔

7۔ خلع طلاق بائن کا حکم رکھتا ہے۔یعنی اس کے بعد رجوع کیلئے تجدید نکاح لازمی ہے، اس کے بغیر رجوع نہیں ہو سکتا۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 22جولائی 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر27

سوال:۔ نکاح میں لڑکی کی طرف سے اس کے بہنوئی کے بطور ولیٔ نکاح تقرر کی بابت نظارت اصلاح ارشاد رشتہ ناطہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے ایک سوال پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 30 اگست 2020ء میں درج ذیل ہدایات فرمائیں:۔

جواب:۔ لڑکی کے نکاح کیلئے اس کے والد یا بھائی کے موجود نہ ہونے کی صورت میں لڑکی کے عصبی رشتہ داروں میں سے جو درجہ کے لحاظ سے اس کے زیادہ قریب ہوگا وہی اس کا ولی ہوگا، بشرطیکہ وہ لڑکی کے مفاد کو ہر اعتبار سے پیش نظر رکھنے والا ہو جیسا کہ خود لفظ ولی اس امر کا تقاضا کرتا ہے۔

لیکن اگر لڑکی کا کوئی عصبی رشتہ دار بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں پھر خلیفۃ المسیح اس کے ولی ہیں اور ایسی بچی کے نکاح کیلئے وکیل کا تقرر نظام جماعت کے ذریعہ ہوگا اور یہی جماعت احمدیہ کا دستور ہے۔

سوال:۔ شرطی طلاق کی بابت محترم ناظم صاحب دارالافتاء ربوہ کی ایک رپورٹ پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 ستمبر 2020ء میں درج ذیل ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ میرے نزدیک تو شرطی طلاق کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشادات بہت واضح ہیں اور ان حوالہ جات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسی طلاق جس میں کوئی شرط رکھی گئی ہو، اس شرط کے پورا ہو جانے پر یہ طلاق مؤثر ہو جائے گی۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے جن ارشادات کا ذکر فرمایا ہے، وہ قارئین کے استفادہ کیلئے ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔(مرتب)

ارشادات حضرت مسیح موعودؑ

شرطی طلاق: اس پر فرمایا کہ

”اگر شرط ہو کہ فلاں بات ہو تو طلاق ہے اور وہ بات ہو جائے تو پھر واقعی طلاق ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ اگر فلاں پھل کھاؤں تو طلاق ہے اور پھر وہ پھل کھالے تو طلاق ہو جاتی ہے۔“

(البدر نمبر 21 جلد 2 مؤرخہ 12 جون 1903ء صفحہ 162)

حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت اقدس علیہ الصلوۃ السلام نے فرمایا کہ مولوی صاحب (محمد حسین بٹالوی۔ ناقل) کا یہ عقیدہ کسی طرح بھی صحیح اور درست نہیں ہے کہ حدیث قرآن شریف پر مقدم ہے۔ ناظرین! سننے کے لائق یہ بات ہے کہ چونکہ قرآن شریف وحی متلو ہے اور تمام کلام مجید رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جمع ہو چکا تھا اور یہ کلام الٰہی تھا۔ اور حدیث شریف کا ایسا انتظام نہیں تھا اور نہ یہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لکھی گئی تھیں۔ اور وہ مرتبہ اور درجہ جو قرآن شریف کو حاصل ہے وہ حدیث کو نہیں ہے کیونکہ یہ روایت در روایت پہنچی ہیں۔ اگر کوئی شخص اس بات کی قسم کھاوے کہ قرآن شریف کا حرف حرف کلام الٰہی ہے اور جو یہ کلام الٰہی نہیں ہے تو میری بیوی پر طلاق ہے تو شرعاً اس کی بیوی پر طلاق وارد نہیں ہو سکتا۔ اور جو حدیث کی نسبت قسم کھالے اور کہے کہ لفظ لفظ حرف حرف حدیث کا وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے منہ سے نکلا ہے۔ اگر نہیں ہے تو میری جورو پر طلاق ہے تو بے شک وشبہ اس کی بیوی پر طلاق پڑ جاوے گا۔ یہ حضرت اقدس کی زبانی تقریر کا خلاصہ ہے۔“

(تذکرۃ المہدی، مؤلفہ حضرت پیر سراج الحق نعمانیؓ صفحہ 161 مطبوعہ جون 1915)

ارشاد حضرت مصلح موعودؓ

”ایک صاحب نے اپنی بیوی کو لکھا کہ اگر میں تمہیں اس مکان پر بلاؤں یا تم خود آؤ تو تم پر طلاق۔ اب وہ اپنی بیوی کو اس مکان پر بلانا چاہتے ہیں۔ جواب لکھا گیا کہ اس مکان میں آجانے پر ایک طلاق واقع ہو گا۔ جس سے اُسی وقت بلا نکاح رجوع ہو سکتا ہے۔ اگر مدت گزر جائے تو پھر بالنکاح رجوع ہو گا۔“

(اخبار الفضل قادیان دارالامان جلد 2 نمبر 113 مؤرخہ 14 مارچ 1915ء صفحہ 2)

سوال:۔ ایک دوست نے دریافت کیا ہے کہ کیا نفس اور روح ایک ہی چیز ہے؟ نیز خطبہ عید کے حوالہ سے دار قطنی میں مندرج ایک حدیث کہ حضور ﷺ نے نماز عید کے بعد فرمایا کہ ہم خطبہ دیں گے، جو چاہے سننے کیلئے بیٹھا رہے اور جو جانا چاہے چلا جائے، تحریر کر کے دریافت کیا ہے کہ کیا یہ حدیث درست ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 اکتوبر 2020ء میں ان سوالات کے درج ذیل جوابات تحریر فرمائے:۔

جواب:۔ قرآن کریم میں روح اور نفس کے الفاظ مختلف جگہوں پر مختلف معانی میں آئے ہیں۔ روح کا لفظ کلام الٰہی، فرشتوں، حضرت جبرائیل، انبیاء اور اس روح کے معانی میں بیان ہوا ہے جو بحکم الٰہی ایک خاص وقت پر انسانی قالب میں نمودار ہوتی ہے۔ جبکہ نفس کا لفظ جان، سانس، شخص، ذی روح چیز، دل، ہستی اور شعور وغیرہ کیلئے استعمال ہوا ہے۔

لغوی اعتبار سے روح کا لفظ اس چیز کیلئے بولا جاتا ہے جس کے ذریعہ نفوس زندہ رہتے ہیں۔ یعنی زندگی۔ اسی طرح روح کا لفظ پھونک، وحی والہام، جبرائیل، امر نبوت، خدا تعالیٰ کے فیصلہ اور حکم کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ نیز جسم کے مقابل پر ایک چیز جو حیوان کو باقی چیزوں سے ممتاز کرتی اور انسان کو باقی حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے اور جو انسان کو باخدا بنا دیتی ہے اسے بھی روح کہا جاتا ہے۔

جبکہ نفس کا لفظ لغوی اعتبار سے جسم، شخص، روح، جسم اور روح کا مجموعہ انسان، عظمت، عزت، ہمت، ارادہ، خود وہی چیز اور رائے وغیرہ کیلئے بولا جاتا ہے۔

قرآن کریم اور احادیث کے مطالعہ سے نفس اور روح میں ایک فرق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نفس پر قابو پانے، اس کی اصلاح کرنے اور اس میں تبدیلی پیدا کرنے کی ایک حد تک قدرت اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے نفس کی تین حالتیں (امارہ، لوامہ اور مطمئنہ) بیان فرمائی ہیں۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ بہادر وہ نہیں جو کُشتی میں مد مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ جبکہ روح کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے اور انسان کو اس پر قدرت نہیں دی۔ جیسا کہ فرمایا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل: 86)

یعنی تو کہہ دے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ اسی طرح اسلام نے روح کے بارہ میں سوالات کرنے کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی عربی تصنیف نور الحق میں سورۃ النبا کی آیت یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا(النبا: 39) کی تفسیر میں روح کے معانی بیان فرماتے ہوئے ساتھ نفس کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، نیز حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے دونوں کا فرق بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

”میرے دل میں ڈالا گیا کہ اس آیت میں لفظ روح سے مراد رسولوں اور نبیوں اور محدثوں کی جماعت مراد ہے جن پر روح القدس ڈالا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ہم کلام ہوتے ہیں...اور پھر خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو روح کے لفظ سے یاد کیا یعنی ایسے لفظ سے جو انقطاع من الجسم پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اس لئے کیا کہ تا وہ اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ وہ مطہر لوگ اپنی دنیوی زندگی میں اپنے تمام قوتوں کی رو سے مرضات الٰہی میں فنا ہو گئے تھے اور اپنے نفسوں سے ایسے باہر آ گئے تھے جیسے کہ روح بدن سے باہر آتی ہے اور نہ ان کا نفس اور نہ اس نفس کی خواہشیں باقی رہی تھیں اور وہ روح القدس کے بلائے بولتے تھے نہ اپنی خواہش سے اور گویا وہ روح القدس ہی ہو گئے تھے جس کے ساتھ نفس کی آمیزش نہیں۔ پھر جان کہ انبیاء ایک ہی جان کی طرح ہیں...وہ اپنے نفس اور اپنے جنبش اور اپنے سکون اور اپنی خواہشوں اور اپنے جذبات سے بکلی فنا ہو گئے اور ان میں بجز روح القدس کے کچھ باقی نہ رہا اور سب چیزوں سے توڑ کے اور قطع تعلق کر کے خدا کو جا ملے پس خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس آیت میں ان کے تجرد اور تقدس کے مقام کو ظاہر کرے اور بیان کرے کہ وہ جسم اور نفس کے میلوں سے کیسے دور ہیں پس ان کا نام اس نے روح یعنی روح القدس رکھا تا کہ اس لفظ سے ان کی شان کی بزرگی اور ان کے دل کی پاکیزگی کھل جائے اور وہ عنقریب قیامت کو اس لقب سے پکارے جائیں گے تا کہ خدا تعالیٰ لوگوں پر ان کا مقام انقطاع ظاہر کرے اور تا کہ خبیثوں اور طیبوں میں فرق کر کے دکھلا دے اور بخدا یہی بات حق ہے۔“

(نور الحق حصہ اوّل صفحہ 73-74 ایڈیشن اوّل)

جہاں تک خطبہ عید کے سننے سے رخصت پر مبنی حدیث کا تعلق ہے تو یہ حدیث جسے آپ نے دار قطنی کے حوالہ سے اپنے خط میں درج کیا ہے، سنن ابی داؤد میں بھی روایت ہوئی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ حضور ﷺ نے خطبہ عید کے سننے کی اس طرح تاکید نہیں فرمائی جس طرح خطبہ جمعہ میں حاضر ہونے اور اسے مکمل خاموشی کے ساتھ سننے کی تاکید فرمائی ہے۔ اسی بناء پر علماء و فقہاء نے خطبہ عید کو سنت اور مستحب قرار دیا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ حضور ﷺ نے عید کیلئے جانے اور دعاء المسلمین میں شامل ہونے کو نیکی اور باعث برکت قرار دیا ہے اور اس کی یہاں تک تاکید فرمائی کہ ایسی خاتون جس کے پاس اپنی اوڑھنی نہ ہو وہ بھی کسی بہن سے عاریۃً اوڑھنی لے کر عید کیلئے جائے اور ایام حیض والی خواتین کو بھی عید پر جانے کی اس ہدایت کے ساتھ تاکید فرمائی کہ وہ نماز کی جگہ سے الگ رہ کر دعا میں شامل ہوں۔

سوال:۔ موبائل فونز کی مختلف Apps کے ذریعہ آن لائن پیسہ لگا کر پیسہ جیتنے کے کھیل میں شامل ہونے نیز چھوٹے بچوں کی سالگرہ منانے اور سوشل میڈیا پر ایک دوسرے کو مبارکباد دینے کے متعلق سوالات پر مبنی محترم ناظم صاحب دارالقضاء قادیان کے خط کے جواب میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 اکتوبر 2020ء میں درج ذیل جوابات ارشاد فرمائے۔ حضورانور نے فرمایا:۔

جواب:۔ ان دونوں سوالوں کا قضاء کے ساتھ تو کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن آپ کے علم کیلئے جواب دے رہا ہوں کہ کسی بھی صورت میں اس طرح پیسہ لگا کر کھیلنا جس میں ہارنے کی صورت میں اپنا پیسہ ضائع ہو جائے اور جیتنے کی صورت میں کچھ زائد ملے جوا کہلاتا ہے جسے اسلام نے کلیۃً حرام قرار دیا ہے۔ یہ کھیل چاہے آمنے سامنے بیٹھ کر کھیلا جائے، یا لاٹری کی شکل میں کھیلا جائے یا مختلف Apps کے ذریعہ آن لائن پیسہ لگا کر کھیلا جائے، تمام صورتوں میں جوا ہی کہلاتا ہے جو منع ہے۔

گھر پر چھوٹے بچوں کی گھر والوں کے ساتھ اس طرح سالگرہ منانا اور کیک وغیرہ کاٹ لینا جس میں کسی قسم کی بدعت شامل نہ ہو، فضول خرچی نہ ہو اور کوئی غیر اسلامی حرکت نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ نہ کچھ صدقہ بھی دینا چاہئے اور بچوں کو یہ بھی تلقین کرنی چاہئے کہ وہ اس روز خاص طور پر نوافل ادا کر کے اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر ادا کریں کہ اس نے انہیں صحت والی زندگی عطاء فرمائی اور آئندہ زندگی کیلئے اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگیں۔

سوال:۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ نیشنل مجلس عاملہ لجنہ اماء اللہ آسٹریلیا کی Virtual ملاقات مؤرخہ 19 دسمبر 2020ء میں ناصرات کی تربیت کے بارہ میں حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ شروع میں ہی بچیوں کو بتائیں کہ تمہارا لباس حیادار ہونا چاہئے۔ جب وہ بڑی ہوں اور لجنہ میں شامل ہوں تو پھر ان کو پتہ ہونا چاہئے کہ حیادار لباس کے ساتھ حجاب کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کا ہی ہے، قرآن کریم میں ہی ہے۔ تو جو بچپن سے ان کو ٹریننگ دیں گی تو تبھی وہ لجنہ میں آکے اور معیار کبیر کی ناصرات بن کے حیادار لباس پہنیں گی۔ ان کو بچپن میں بتائیں کہ ابھی عمر چھوٹی ہے لیکن آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ حیا ایمان کا حصہ ہے اس لئے تم لوگ حیادار لباس پہنو۔ پھر جب بڑی ہوں تو حیادار لباس کے ساتھ حجاب بھی ہو۔ جب حجاب ہوتا ہے تو حجاب خود اثر ڈال رہا ہوتا ہے بہت ساری برائیوں سے (بچانے کیلئے) اور Mixing Up سے، مردوں کے ساتھ باتیں کرنے سے اور ان کے ساتھ دوستیاں لگانے سے۔ جو لڑکیاں یونیورسٹی اور کالج میں جاتی ہیں ان کو خود ہی احساس پیدا ہو رہا ہوتا ہے کہ ہمارا حجاب جو ہے اس کا ہم نے پاس کرنا ہے۔ تو اگر بچپن سے آپ تربیت کر دیں، ناصرات کی عمر میں تو لجنہ کے سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ لجنہ کو کبھی کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ اس لئے بہت بڑا کام ہے جو ناصرات کا ہے۔ تو ابھی سے تربیت کر لیں تو بڑی اچھی بات ہے۔ کیونکہ جب کالج اور یونیورسٹی میں یہ لڑکیاں جائیں گی تب ان کو پتہ ہونا چاہئے کہ ہم کیا ہیں؟ پھر ان کو پتہ ہونا چاہئے کہ احمدیت کیا چیز ہے؟ بہت ساری بچیوں کو یہی نہیں پتہ، قرآن بھی پڑھا دیتی ہیں، حدیث بھی پڑھا دیتی ہیں لیکن ان کو یہی نہیں پتہ کہ حضرت مسیح

موعود علیہ السلام کیوں آئے؟ جب ہمارے پاس قرآن بھی ہے، ہمارے پاس حدیث بھی ہے، ہمارے پاس آخری رسول بھی ہے، ﷺ۔ تو مسیح موعود کی ضرورت کیا ہے؟ یہ باتین بچپن سے ہی پتہ ہونی چاہئیں۔ حضرت مسیح موعود آئے تو کیوں آئے اور کس لئے آئے؟ اس لئے آئے کہ یہ بھی آنحضور ﷺ کی ہی پیشگوئی تھی۔ اس کو پورا کرنے آئے۔ تو یہ چیزیں جو ہیں یہ بچپن سے ذہنوں میں ہونی چاہئیں اور جب یہ بنیادی چیزیں ہوں گی تو تبھی وہ آگے بڑھیں گی۔ بڑے بڑے مسائل تو لوگ سیکھ ہی لیتے ہیں۔ بنیادی چیزیں ان کو سکھادیں، یہ پتہ ہو کہ میرا ایمان کیا ہے، میں کیوں احمدی ہوں، میری کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اوراس کے بعد پھر دیکھیں کہ آپ کی لجنہ کی اگلی نسل جو آئے گی وہ اس سے بہت بہتر ہو گی جو موجودہ لجنہ کی نسل ہے۔

سوال:۔ اسی Virtual ملاقات میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ لعزیز نے ایک سوال کے جواب میں ٹیم ممبر کے طور پر کام کرنے اور دوسروں کو ٹریننگ دینے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ خود کام کرنا اور اچھا کام کرنا کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ یہ آپ کی ایک Personal کوالٹی ہے، جو ٹھیک ہے۔ خود کام کر لیا، اچھا کام کر لیا، اچھی رپورٹیں دیدیں، بہت اچھا کیا۔ لیکن اس کے ساتھ اگر آپ نے اپنی ٹیم نہیں بنائی۔ اپنی سیکنڈ لائن نہیں بنائی جو آپ کے کام کو بعد میں سنبھال سکے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے کچھ بھی نہیں کیا۔ خود کام کرنا اصل کام نہیں ہے، اصل کام یہ ہے کہ اس کام کو جاری رکھنے کیلئے اپنی ایک ٹیم بنانا اور ایک سیکنڈ لائن کا تیار کرنا تا کہ جب آپ کی عمر بڑی ہو جائے (میں نہیں کہتا کہ آپ عمر کی بڑی ہو چکی ہیں) لیکن جب آپ کی عمر بڑی ہو جائے تو پھر کم از کم دوسری کام کرنے والیاں آپ کو مل سکیں۔ تو ہر لجنہ سیکرٹری جو یہاں بیٹھی ہے اس کا کام ہے۔ یہ نہ دیکھے کہ میری عمر چالیس سال ہے یا پینتالیس سال ہے یا پینتیس سال ہے یا پچاس سال ہے۔ آپ نے پھر بھی اپنی ایک سیکنڈ لائن تیار کرنی ہے۔ ٹھیک ہے؟ اور یہی احساس صدر صاحبہ کو ساری مجالس میں جو آپ کے ملک میں ہیں، ان کے اندر پیدا کرنا چاہئے۔ اور ان کی سیکرٹریان کو اور صدرات کو بھی کہنا چاہئے تا کہ

آئندہ آپ کو کام سنبھالنے والیاں ملتی چلی جائیں جن کو سسٹم کا بھی پتہ ہو۔ جب کام سر پہ پڑتا ہے تو آدمی سنبھال ہی لیتا ہے یہ تو کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ آپ کے پاس لائحہ عمل ہے، آپ کے پاس دستور اساسی ہے، آپ کام کر لیں گی لیکن اگر آپ پہلے سے سسٹم میں Involve ہیں تو جب آپ پہ نئی ذمہ داری پڑے گی تو آپ اس کام کو بہتر طریقے سے سنبھال سکیں گی۔

سوال:۔ سیکرٹری صاحبہ تبلیغ کے ایک سوال کے جواب میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اسلام کے پیغام کو دنیا میں پھیلانے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ رپورٹیں لینے کیلئے بیعتیں نہیں کرانی۔ اس لئے تبلیغ کرنی ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے ہمدردی ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب لائیں اور اس ہمدردی کا تقاضا ہے کہ ہم ان کو اسلام کا صحیح پیغام پہنچائیں۔ اور پھر اس کا تقاضا ساتھ یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو بھی Improve کریں اور اپنا بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کریں۔ سیکرٹری تبلیغ کا اپنا بھی براہ راست اللہ سے تعلق ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے۔

سوال:۔ اسی Virtual ملاقات مؤرخہ 19 دسمبر 2020ء میں اس سوال کہ ہم اپنی میٹنگز میں حاضری کس طرح بڑھا سکتے ہیں؟ کا جواب عطاء فرماتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:۔

جواب:۔ بس پیچھے پڑے رہیں، پیار سے سمجھاتے رہیں۔ عہدیدار بن کے لوگوں کے پیچھے نہ پڑیں۔ بڑی بہن بن کے پڑیں یا چھوٹی بہن بن کے پڑیں، اماں بن کے پیچھے پڑی رہیں تو لوگ آجائیں گے۔ ہمارا کام ہے مستقل کہتے رہنا۔ میٹنگز میں دلچسپی کے پروگرام بھی رکھا کریں۔ انہیں کو Improve کریں جو نہیں آتیں، انہیں سے تقریر کروا دیا کریں تو آپ ہی آجائیں گی۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 12 اگست 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 28

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ کسی احمدی نے اپنے یوٹیوب چینل پر ایک سوال کے جواب میں کہا ہے کہ خاتم، رسول پاک ﷺ کا نام ہے، اس لئے کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ احمد رسول اللہ بھی لکھا جا سکتا ہے اور مزمل اور مدثر بھی حضور ﷺ کے نام ہیں وہ بھی لکھے جا سکتے ہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 اکتوبر 2020ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔

جواب:۔ آپ نے اپنے خط میں کسی احمدی کی طرف منسوب کر کے جو بات لکھی ہے اگر انہوں نے اسی طرح کہی ہے تو انہوں نے غلط کہا ہے۔ جماعت احمدیہ کا ہرگز یہ موقف نہیں کہ کلمہ طیبہ میں اس قسم کی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ احادیث نبویہ ﷺ میں جہاں پر بھی کلمہ طیبہ کے الفاظ آئے ہیں ہر جگہ حضور ﷺ کا ذاتی نام ہی آیا ہے۔ حضور ﷺ یا صحابہ نے کسی جگہ بھی کلمہ میں حضور ﷺ کے ذاتی نام کی بجائے آپ کے کسی صفاتی نام کو استعمال نہیں کیا۔ پھر اس زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنی تحریرات و ارشادات میں ہر جگہ اسی کلمہ طیبہ کو بیان فرمایا ہے اور ہر جگہ حضور ﷺ کے صرف ذاتی نام کو کلمہ طیبہ میں تحریر فرمایا ہے۔

پس اس قسم کی تبدیلی جہاں مرکزیت کے خلاف ہے وہاں اسلام کی بنیادی تعلیمات کے بھی منافی ہے۔ اس لئے ہر احمدی کو اس قسم کی باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

سوال:۔ والد کی اولاد کے حق میں دعا اور بد دعا ہر دو کی قبولیت پر مبنی احادیث کے بارہ میں نظارت اصلاح وارشاد مرکزیہ ربوہ کے ایک استفسار کے جواب میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 نومبر 2020ء میں اس بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی:

جواب:۔ کتب احادیث میں مروی دونوں قسم کی احادیث اپنی اپنی جگہ پر درست اور ہماری راہنمائی کر رہی ہیں۔ دونوں قسم کی احادیث کو سامنے رکھیں تو مضمون یہ بنے گا کہ جس شخص کی دعا قبولیت کا درجہ رکھتی ہے اس کی بد دعا بھی قبول ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ دعا تو قبول کروں گا اور بد دعا قبول نہیں کروں گا۔

والد کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطاء فرمایا ہے اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں بھی قبول کرتا ہے اور بد دعا بھی سنتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں والدین کے متعلق خاص طور پر فرمایا ہے کہ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۵﴾ (بنی اسرائیل :24-25) یعنی تیرے رب نے (اس بات کا) تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور (نیز یہ کہ اپنے) ماں باپ سے اچھا سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کسی ایک پر یا ان دونوں پر تیری زندگی میں بڑھاپا آجائے، تو انہیں (ان کی کسی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے) اُف تک نہ کہہ اور نہ انہیں جھڑک اور ان سے (ہمیشہ) نرمی سے بات کر اور رحم کے جذبہ کے ماتحت ان کے سامنے عاجزانہ رویہ اختیار کر اور (ان کے لئے دعا کرتے وقت) کہا کر) کہ اے) میرے رب! ان پر مہربانی فرما کیونکہ انہوں نے بچپن کی حالت میں میری پرورش کی تھی۔

پس ان احادیث میں حضور ﷺ نے ہمیں نصیحت فرمائی کہ والد کی دعاؤں سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کی بد دعا سے بچو۔

سوال:۔ ایک دوست نے دریافت کیا ہے کہ صفا و مروہ کی سعی کے دوران جہاں ہم مرد دوڑتے ہیں، عورتیں کیوں نہیں دوڑتیں حالانکہ حضرت ہاجرہ اس جگہ دوڑی تھیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 نومبر 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔

جواب:۔ حج اور عمرہ کے موقعہ پر صفا و مروہ کے درمیان سعی جہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کی قربانی کی یاد میں کی جاتی ہے، وہاں کتب احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے عمرۂ قضاء کے موقعہ پر کفار مکہ پر مسلمانوں کی قوت کے اظہار کیلئے اپنے صحابہ کو طواف بیت اللہ کے پہلے تین چکروں اور صفا و مروہ کی سعی کے دوران دوڑنے اور سینہ تان کر تیز چلنے کا ارشاد فرمایا تھا اور خود بھی یہی عمل فرمایا، کیونکہ کفار مکہ کا خیال تھا کہ مدینہ سے آنے والے مسلمانوں کو وہاں کے بخار نے بہت کمزور کر دیا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج) پس حضور ﷺ کے اس ارشاد اور فعل کے تحت حج اور عمرہ کرنے والے مردوں (جو اس کی طاقت رکھتے ہوں) کیلئے طواف بیت اللہ کے پہلے تین چکروں اور سعی بین الصفا والمروہ میں دوڑنا سنت رسول ﷺ ٹھہرا۔ لیکن جو اس کی طاقت نہ رکھتے ہوں ان کیلئے دوڑنا ضروری نہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے (جبکہ وہ اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے سعی میں دوڑنے کی بجائے چل رہے تھے) کسی شخص کے اعتراض کرنے پر فرمایا کہ میں جو سعی کے دوران دوڑا ہوں تو میں نے حضور ﷺ کو سعی کے دوران دوڑتے دیکھا ہے اور اب جبکہ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور سعی کے دوران چل رہا ہوں تو میں نے حضور ﷺ کو سعی کے دوران چلتے بھی دیکھا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب الحج)

فقہاء کے نزدیک طواف بیت اللہ اور سعی کے دوران دوڑنا مردوں کیلئے سنت ہے، عورتوں کیلئے نہیں۔ کیونکہ عورتوں کیلئے ستر یعنی پردہ ضروری ہے جس کا حکم عورتوں کے دوڑنے سے قائم نہیں رہ سکتا۔

جہاں تک حضرت ہاجرہ کے پانی کی تلاش میں دوڑنے کی بات ہے تو وہ ایک اضطراری کیفیت تھی جس میں حضرت اسماعیل شدت پیاس کی وجہ سے جان کنی کی حالت کو پہنچے ہوئے تھے۔ نیز روایات

میں یہ بھی ملتا ہے کہ بعض جگہ وہ تیز تیز چلتی تھیں، بعض جگہ دوڑتی تھیں جس طرح کوئی بے چینی سے بعض دفعہ کسی خاص جگہ جلدی پہنچنے کیلئے تیز تیز قدم بھی اٹھاتا ہے اور دوڑ بھی پڑتا ہے۔ جبکہ حج اور عمرہ کے موقعہ پر عورتوں کیلئے ایسی کوئی اضطراری کیفیت نہیں ہوتی نیز حج اور عمرہ کے موقعہ پر عورتوں کے ساتھ مرد بھی ہوتے ہیں، اس لئے عورتوں کا اس موقعہ پر مناسب رفتار سے تیز چلنا ہی کافی سمجھا گیا ہے، تا کہ اس طرح وہ حضرت ہاجرہ کی سنت کی پیروی بھی کر لیں اور ان کے پردہ کا حکم بھی قائم رہے۔

سوال:۔ اہل تشیع کے ماتمی جلوس کیلئے خدمت خلق کے جذبہ کے تحت اہل جلوس کو پانی وغیرہ پیش کرنے کی بابت محترم ناظم صاحب دارالافتاء ربوہ کی ایک رپورٹ پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 نومبر 2020ء میں درج ذیل ارشاد فرمایا۔

جواب:۔ میرے نزدیک تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشادات اس بارہ میں بڑے واضح ہیں کہ اس قسم کے کاموں کیلئے دن اور وقت مقرر کرنا بدعت ہے۔ ہاں اگر کوئی احمدی خود یا کوئی جماعت سارا سال خدمت خلق کے جذبہ کے تحت لوگوں کی فلاح و بہبود کے کام کرتی ہو اور مختلف مذاہب اور تنظیموں کے پُر امن جلوسوں کیلئے سارا سال ہی خدمت خلق کے تحت اس قسم کے سٹال لگاتی ہو تو اہل تشیع کے ماتمی جلوس کیلئے بھی اس قسم کا سٹال لگانے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہ کام صرف اہل تشیع کے ماتمی جلوس کیلئے کیا جاتا ہے اور سارا سال ایسا کوئی سٹال نہیں لگایا جاتا تو پھر یقیناً یہ بدعت ہے اور احمدیوں کو اس قسم کی بدعات سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے جن ارشادات کا ذکر فرمایا ہے، وہ قارئین کے استفادہ کیلئے ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔ (مرتب)

ارشاد حضرت مسیح موعودؑ

حضرت قاضی ظہور الدین صاحب اکملؓ نے سوال کیا کہ محرم دسویں کو جو شربت و چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اگر یہ للہ بہ نیت ایصال ثواب ہو تو اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا۔

ایسے کاموں کیلئے دن اور وقت مقرر کر دینا ایک رسم و بدعت ہے اور آہستہ آہستہ ایسی رسمیں شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس اس سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ ایسی رسموں کا انجام اچھا نہیں۔ ابتداء میں اسی خیال سے ہو مگر اب تو اس نے شرک اور غیر اللہ کے نام کا رنگ اختیار کر لیا ہے اس لئے ہم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جب تک ایسی رسوم کا قلع قمع نہ ہو عقائد باطلہ دور نہیں ہوتے۔

(اخبار بدر نمبر 11 جلد 6 مؤرخہ 14 مارچ 1907ء صفحہ 6)

ارشاد حضرت مصلح موعودؓ

ایک صاحب نے سوال کیا سنّی لوگ محرم کے دنوں میں خاص قسم کے کھانے وغیرہ پکاتے اور آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ فرمایا کہ

یہ بھی بدعت ہیں اور ان کا کھانا بھی درست نہیں اور اگر ان کا کھانا نہ چھوڑا جائے تو وہ پکانا کیوں چھوڑنے لگے۔ بارہ وفات کا کھانا بھی درست نہیں اور گیارھویں تو پورا شرک ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (البقرہ :174) یہ بھی ان میں داخل ہے کیونکہ ایسے لوگ پیر صاحب کے نام پر جانور پالتے ہیں۔

(اخبار الفضل قادیان دارالامان جلد 10 نمبر 32 مؤرخہ 23 اکتوبر 1922 صفحہ 6-7)

سوال:۔ ایک خاتون نے خاوند بیوی کے حقوق و فرائض کے سلسلہ میں دو احادیث حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں بھجوا کر دریافت کیا کہ کیا ان احادیث کا اطلاق خاوند پر بھی ہوتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 نومبر 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔

جواب:۔ پہلی حدیث جس میں بیان ہوا ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور بیوی کسی ناراضگی کی وجہ سے انکار کر دے تو فرشتے اس بیوی پر ساری رات لعنت بھیجتے ہیں۔ یاد رکھیں اس کا اطلاق صرف بیوی پر نہیں ہوتا بلکہ بر عکس صورت میں خاوند پر بھی اس حدیث کا اطلاق ہو گا۔

اس حدیث سے اگر کوئی پہلو نکل سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مرد کی جنسی خواہش کیلئے بے صبری کی وجہ سے بیوی کو کسی جائز عذر کے بغیر انکار کرنے پر تنبیہ فرمائی ہے۔ ورنہ جس طرح

بیوی پر لازم ہے کہ وہ خاوند کے دیگر حقوق کے ساتھ اس کی جنسی ضرورت کو بھی پورا کرے اسی طرح خاوند کا فرض ہے کہ وہ بیوی کی دیگر ضروریات کے ساتھ اس کے جنسی حقوق بھی ادا کرے۔ لہٰذا اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کی خواہش پر بغیر کسی مجبوری کے اس کے جنسی حقوق ادا نہیں کرتا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی طرح قابل گرفت ہو گا جس طرح ایک بیوی بغیر کسی جائز عذر کے اپنے خاوند کی جنسی خواہش کی تکمیل سے انکار کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی مستوجب ہوتی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی بیوی حضور ﷺ کی ازواج کے پاس آئیں۔ ازواج مطہرات نے ان کی بُری حالت دیکھ کر ان سے دریافت کیا کہ انہیں کیا ہوا ہے کیونکہ قریش میں ان کے خاوند سے زیادہ امیر آدمی اور کوئی نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہمیں تو اس سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ میرے خاوند کا دن روزہ سے اور رات نماز پڑھتے گزرتی ہے۔ پھر جب حضور ﷺ اپنی ازواج کے پاس تشریف لائے تو ازواج مطہرات نے اس بات کا ذکر حضور ﷺ سے کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ حضرت عثمان بن مظعونؓ سے ملے اور ان سے (ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے) فرمایا کہ کیا تمہارے لئے میری ذات اسوہ نہیں ہے؟ اس پر حضرت عثمان بن مظعونؓ نے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں بات کیا ہے؟ جس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم رات نماز پڑھتے ہوئے اور دن روزہ رکھ کر گزار دیتے ہو، جبکہ تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے اور تیرے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ لہٰذا نماز پڑھا کرو لیکن سویا بھی کرو اور کبھی روزہ رکھو اور کبھی چھوڑ دیا کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد یہی عورت دوبارہ ازواج مطہرات کے پاس آئیں تو انہوں نے خوب خوشبو لگائی ہوئی تھی اور دولہن کی طرح سجی سنوری ہوئی تھیں۔ ازواج مطہرات نے انہیں دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ واہ کیا بات ہے! جس پر انہوں نے بتایا کہ اب ہمیں بھی وہ سب میسر ہے جو باقی لوگوں کے پاس ہے۔

(مجمع الزوائد کتاب النکاح باب حق المرأۃ علی الزوج)

پھر مذکورہ بالا زیر نظر حدیث کے حوالہ سے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جائز عذر یا مجبوری کی بناء پر اس فعل سے انکار کی صورت میں کوئی فریق اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مورد نہیں ہو گا۔ جیسا کہ

حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ جب غزوہ تبوک پر تشریف لے گئے تو ایک صحابی جو سفر پر گئے ہوئے تھے، اور حضور ﷺ کے غزوہ کیلئے کوچ کر جانے کے بعد مدینہ واپس آئے اور اپنی بیوی کی طرف پیار کرنے کیلئے بڑھے، جس پر اس بیوی نے یہ کہتے ہوئے انہیں پیچھے دھکیل دیا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ حضور ﷺ تو اس قدر گرمی میں دشمن سے جنگ کیلئے تشریف لے گئے ہیں اور تمہیں پیار کرنے کی اور میرے پاس آنے کی پڑی ہوئی ہے۔

(دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ 343-344 مطبوعہ 1948ء)

پس اگر کوئی فریق کسی عذر یا مجبوری کی وجہ سے انکار کرتا ہے تو وہ کسی سزا کا مستوجب نہیں ہو گا۔ لیکن اگر کوئی خاوند یا بیوی دوسرے فریق کے قریب آکر اس کے جذبات بھڑکانے کے بعد اسے تنگ کرنے کی غرض سے اس سے دور ہو جاتا ہے تو یقیناً ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی نارضگی کا مورد ہو گا۔

1۔ جہاں تک خاوند کے گھر میں موجود ہونے کی صورت میں اس کی اجازت سے بیوی کے نفلی روزہ رکھنے کی حدیث کا تعلق ہے تو اس میں حکمت یہ ہے کہ اسلام نے میاں بیوی کے حقوق و فرائض کا ہر موقعہ پر خیال رکھا ہے۔ چنانچہ میاں بیوی کے حقوق و فرائض کی تقسیم میں گھر سے باہر کی تمام تر ذمہ داریوں کی ادائیگی اور بیوی بچوں کے نان ونفقہ کی فراہمی وغیرہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کے سپرد کی ہے اور گھریلو ذمہ داریاں (جن میں گھر کے مال کی حفاظت، خاوند کی ضروریات کی فراہمی اور بچوں کی پرورش وغیرہ شامل ہیں) اللہ تعالیٰ نے بیوی کو سونپی ہیں۔

پس جب خاوند اپنے فرائض کی ادائیگی کیلئے گھر سے باہر جائے تو بیوی کو گھریلو فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نفلی عبادت بجا لانے کی کھلی چھٹی ہے۔ لیکن خاوند کی موجودگی میں چونکہ اس کی ضروریات کی فراہمی بیوی کے فرائض میں شامل ہے۔ اس لئے فرمایا کہ خاوند کے حقوق کی ادائیگی میں سے اگر بیوی کچھ رخصت چاہتی ہو تو اسے خاوند کی اجازت سے ایسا کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس حکم کی حکمت حدیث میں بیان ایک واقعہ سے بخوبی معلوم ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت صفوان بن معطلؓ (جو رات بھر کھیتوں پر کام کرتے تھے اور دن کے وقت گھر پر ہوتے تھے) کی بیوی نے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ جب میں نفلی روزہ رکھتی ہوں تو میرا خاوند میرا روزہ تڑوا دیتا ہے۔ حضور ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت

صفوانؓ نے عرض کیا کہ جب یہ روزے رکھتی ہے تو رکھتی چلی جاتی ہے اور چونکہ میں جوان آدمی ہوں اس لئے صبر نہیں کر سکتا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دن حضور ﷺ نے فرمایا کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصوم)

پس خلاصہ کلام یہ کہ اسلامی تعلیمات میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے تمام حقوق جن میں جنسی تعلقات بھی شامل ہیں کی پوری دیانتداری کے ساتھ ادائیگی کی تلقین فرمائی گئی ہے اور کسی فریق کو یہ اجازت بھی نہیں دی گئی کہ وہ عبادت کو وجہ بنا کر دوسرے کے ان حقوق کو تلف کرے۔ لہٰذا جو فریق کسی بھی رنگ میں دوسرے فریق کی حق تلفی کا مرتکب ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور قصوروار متصور ہو گا۔

سوال:۔ ایک خاتون نے دریافت کیا کہ دیوالی پر ہندوؤں کی طرف سے جو کھانے آتے ہیں، کچھ لوگ تو یہ بتا کر جاتے ہیں کہ وہ پوجا سے الگ رکھ کر یہ کھانا دے رہے ہیں اور بعض کچھ بتائے بغیر ڈبہ پکڑا کر چلے جاتے ہیں۔ کیا ہم یہ کھانا کھا سکتے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 دسمبر 2020ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایت فرمائی۔

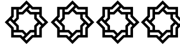
جواب:۔ جو کھانا حلال اشیاء سے صاف ستھرے برتنوں میں حفظان صحت کے اصولوں پر تیار ہوا ہو اور اس میں شرک کی کوئی ملونی نہ ہو تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ ایسے معاملات میں زیادہ باریکیوں میں پڑنا بھی پسندیدہ بات نہیں۔ البتہ ایسا کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی جائے تا کہ اگر اس کھانے میں کوئی کمی بیشی ہو تو اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے اس کا مداوا ہو جائے۔ صرف وہم کی بناء پر بلا وجہ کسی کی دل شکنی سے بھی اسلام نے منع فرمایا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہندوؤں کے ہاں سے آنے والا کھانا کھا لیا کرتے تھے اور ان کے ہاں سے تحفہ کے طور پر آنے والی شیرینی وغیرہ بھی قبول فرما لیتے اور کھا بھی لیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص کے سوال پر کہ کیا ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا درست ہے؟ آپ نے فرمایا۔

”شریعت نے اس کو مباح رکھا ہے۔ ایسی پابندیوں پر شریعت نے زور نہیں دیا بلکہ شریعت نے توقَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا پر زور دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ آرمینیوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں کھالیتے تھے اور بغیر اس کے گزارہ بھی تو نہیں ہوتا۔“

(الحکم نمبر 19 جلد 8، مؤرخہ 10 جون 1904 صفحہ 3)

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 19 اگست 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 29

سوال: مکرم انچارج صاحب بنگلہ ڈیسک نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ بنگلہ دیش میں قومی ہیروز کے مجسمے بنانے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ کیا اسلام میں کسی ہیرو کا مجسمہ بنانا جائز ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 دسمبر 2020ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات فرمائیں:

جواب : قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے قبل انبیاء کے ادوار میں نیک مقصد کیلئے تصاویر اور مجسمہ سازی کا کام کیا جاتا تھا جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ ایک فرقہ جن ان کے حسب منشاء ان کیلئے مجسمے بناتے تھے۔(سورة سبا :14)اسی طرح احادیث میں بھی آتا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل اہل کتاب کے پاس مختلف انبیاء کی تصاویر تھیں، جن میں آنحضور ﷺ کی تصویر بھی تھی۔(التاریخ الکبیر مؤلفہ ابو عبداللہ اسماعیل بن ابراھیم الجعفی القسم الاوّل من الجزء الاوّل صفحہ 179)علاوہ ازیں بچوں کے کھیلنے کیلئے گڑیاں اور گڈے وغیرہ بھی ہوتے تھے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بچپن میں ان کے پاس بھی کھلونوں میں گڑیاں اور پروں والے گھوڑے تھے، جنہیں حضور ﷺ نے بھی دیکھا اور آپ نے ان کے بارہ میں کسی قسم کی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا۔(سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی اللعب بالبنات)

لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رکھنی بہت ضروری ہے کہ آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں چونکہ شرک اور بت پرستی اپنے انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، اس لئے حضور ﷺ نے ہر اس کام کو جس سے ہلکا سا بھی شرک اور بت پرستی کے طرف میلان ہو سکتا تھا، نہایت ناپسند فرمایا اور سختی سے اس کی حوصلہ شکنی فرمائی۔ چنانچہ گھر میں لٹکے ہوئے پردہ یا بیٹھنے والے گدیلے پر تصاویر دیکھ کر حضور ﷺ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور انہیں اتارنے اور پھاڑنے کا ارشاد فرمایا۔(صحیح بخاری کتاب الادب باب ما

یجوز من الغضب والشدۃ لامر اللہ، کتاب بدء الخلق باب اذا قال احدکم آمین والملائکۃ فی السماء) اسی طرح حضور ﷺ نے اس زمانہ کے مطابق مصوری کے ذریعہ بنائی جانے والی تصاویر کی سختی سے ممانعت فرمائی اور مصوری کے کام کو ناجائز اور مورد عذاب قرار دیا۔

(بخاری کتاب البیوع باب بیع التصاویر التی لیس فیھا روح)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور حکم و عدل اپنے آقا و مطاع سیدنا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش پا پر چلتے ہوئے حضور ﷺ کے نہایت پُر حکمت ارشاد اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کی روشنی میں اس مسئلہ کا یہ حل پیش فرمایا کہ جو کام کسی نیک مقصد کیلئے کیا جائے وہ جائز ہے لیکن وہی کام بغیر کسی نیک مقصد کے ناجائز ہو گا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے تبلیغ اور پیغام حق پہنچانے کی خاطر ایک طرف اپنی تصویر کی اشاعت کی اجازت دی، جس پر اس زمانہ کے نام نہاد ملاؤں نے اس نیک مقصد کی مخالفت کرتے ہوئے بُرے بُرے پیرایوں میں اسے بیان کیا اور اس کے خلاف دنیا کو بہکایا تو حضور علیہ السلام نے ان مخالفین کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ لوگ تصویر کو اتنا ہی بُرا سمجھتے ہیں تو پھر شاہی تصویر والا روپیہ اور دونیاں اور چونیاں اپنے گھروں اور جیبوں سے باہر کیوں نہیں پھینک دیتے اور اسی طرح اپنی آنکھیں بھی کیوں نکلوا نہیں دیتے کیونکہ ان میں بھی تو اشیاء کا انعکاس ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف حضور علیہ السلام نے اسی کام کو کسی جائز مقصد کے بغیر کرنے پر نہایت ناپسند فرمایا اور اسے بدعت قرار دیتے ہوئے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اس مسئلہ کے ان دونوں پہلوؤں کو واضح کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

”میں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ کوئی میری تصویر کھینچے اور اس کو بت پرستوں کی طرح اپنے پاس رکھے یا شائع کرے۔ میں نے ہر گز ایسا حکم نہیں دیا کہ کوئی ایسا کرے اور مجھ سے زیادہ بت پرستی اور تصویر پرستی کا کوئی دشمن نہیں ہو گا۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ آجکل یورپ کے لوگ جس شخص کی تالیف کو دیکھنا چاہیں اوّل خواہشمند ہوتے ہیں کہ اُس کی تصویر دیکھیں کیونکہ یورپ کے ملک میں فراست کے علم کو بہت ترقی ہے۔ اور اکثر اُن کی محض تصویر کو دیکھ کر شناخت کرسکتے ہیں کہ ایسا مدعی صادق ہے یا کاذب۔ اور وہ لوگ بباعث ہزارہا کوس کے فاصلہ کے مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ میرا چہرہ دیکھ سکتے ہیں

لہٰذا اُس ملک کے اہل فراست بذریعہ تصویر میرے اندرونی حالات میں غور کرتے ہیں۔ کئی ایسے لوگ ہیں جوانہوں نے یورپ یا امریکہ سے میری طرف چٹھیاں لکھی ہیں اور اپنی چٹھیوں میں تحریر کیا ہے کہ ہم نے آپ کی تصویر کو غور سے دیکھا اور علم فراست کے ذریعہ سے ہمیں ماننا پڑا کہ جس کی یہ تصویر ہے وہ کاذب نہیں ہے۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 365-366)

اسی طرح فرمایا:

"وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات اور میرا مذہب یہ نہیں ہے کہ تصویر کی حرمت قطعی ہے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ فرقہ جنّ حضرت سلیمان کیلئے تصویریں بناتے تھے اور بنی اسرائیل کے پاس مدّت تک انبیاء کی تصویریں رہیں جن میں آنحضرت ﷺ کی بھی تصویر تھی اور آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہؓ کی تصویر ایک پارچہ ریشمی پر جبرائیل علیہ السلام نے دکھلائی تھی۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 365)

آپ مزید فرماتے ہیں:

"افسوس کہ یہ لوگ ناحق خلاف معقول باتیں کرکے مخالفوں کو اسلام پر ہنسی کا موقعہ دیتے ہیں۔ اسلام نے تمام لغو کام اور ایسے کام جو شرک کے موید ہیں حرام کئے ہیں نہ ایسے کام جو انسانی علم کو ترقی دیتے اور امراض کی شناخت کا ذریعہ ٹھیرتے اور اہلِ فراست کو ہدایت سے قریب کر دیتے ہیں۔ لیکن باایں ہمہ میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میری جماعت کے لوگ بغیر ایسی ضرورت کے جو کہ مُضطر کرتی ہے وہ میرے فوٹو کو عام طور پر شائع کرنا اپنا کسب اور پیشہ بنالیں۔ کیونکہ اسی طرح رفتہ رفتہ بدعات پیدا ہو جاتی ہیں اور شرک تک پہنچتی ہیں اس لئے میں اپنی جماعت کو اس جگہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ جہاں تک اُن کیلئے ممکن ہو ایسے کاموں سے دست کش رہیں۔ بعض صاحبوں کے میں نے کارڈ دیکھے ہیں اور ان کی پشت کے کنارہ پر اپنی تصویر دیکھی ہے۔ میں ایسی اشاعت کا سخت مخالف ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص ہماری جماعت میں سے ایسے کام کا مرتکب ہو۔ ایک صحیح اور مفید غرض کیلئے کام کرنا اَور اَمر ہے اور

ہندوؤں کی طرح جو اپنے بزرگوں کی تصویریں جابجا درو دیوار پر نصب کرتے ہیں یہ اَور بات ہے۔ ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے لغو کام منجر بشرک ہو جاتے ہیں اور بڑی بڑی خرابیاں ان سے پیدا ہوتی ہیں۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 367)

پس بنگلہ دیش میں بنائے جانے والے یہ مجسمے اگر کسی نیک مقصد کیلئے بنائے جارہے ہیں جس سے علمی یا روحانی ترقی مقصود ہے تو پھر ان کے بنانے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر صرف نمود و نمائش اور دکھاوے کیلئے بنائے جارہے ہیں تو غلط اور ناجائز کام ہے۔

سوال :ایک دوست نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے حضرت علیؓ کے متعلق دریافت فرمایا کہ تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت عباسؓ اور حضرت ابو طالب کیلئے بھی چچا کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور حضرت علیؓ نے حضرت خدیجہؓ کیلئے چچی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اس لفظ کی کچھ وضاحت فرما دیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 دسمبر 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب: ہر معاشرہ کے کچھ رسم و رواج اور روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والے محاورے ہوتے ہیں، جو اسی معاشرہ کو سامنے رکھ کر سمجھے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ بعض خاندانوں میں والد کا کسی شخص سے جو رشتہ ہوتا ہے خاندانی رسم و رواج یا محاورہ کے تحت وہی رشتہ اولاد کیلئے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ حضرت علیؓ چونکہ حضور ﷺ کے چچا کے بیٹے تھے، لہٰذا اسی معاشرتی رواج کے تحت حضور ﷺ نے اپنی بیٹی سے دریافت کیا کہ تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔

پھر عرب میں یَا ابْنَ عَمِّ اور یَا ابْنَ أَخِي یعنی اے میرے چچا کے بیٹے! اور اے میرے بھتیجے! وغیرہ الفاظ کے استعمال کا عام عام رواج تھا اور اب تک ہے۔ چنانچہ بڑی عمر کا شخص اپنے سے چھوٹی عمر کے شخص کو مخاطب کرنے کیلئے یَا ابْنَ أَخِي یعنی اے میرے بھتیجے! کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور اسی طرح بیوی اپنے خاوند کا نام لینے کی بجائے یَا ابْنَ عَمِّ یعنی اے میرے چچا کے بیٹے! کے الفاظ استعمال کرتی ہے۔

جہاں تک حضرت علیؓ کے حضرت خدیجہؓ کیلئے چچی کے الفاظ استعمال کرنے کا تعلق ہے تو عربی میں پھوپھی اور چچی دونوں کیلئے عمتی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لگتا ہے آپ نے کسی جگہ عمتی کا لفظ پڑھ کر اس کا ترجمہ چچی سمجھ لیا ہے جبکہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؓ کے حوالہ سے اس لفظ کا ترجمہ پھوپھی بنے گا۔ کیونکہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابو طالبؓ کا نسب پانچویں درجہ پر قصی بن کلاب پر آپس میں ملتا ہے اور اس لحاظ سے حضرت خدیجہؓ رشتہ میں حضرت علیؓ کی پھوپھی لگتی تھیں۔

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں خط لکھا کہ بعض دوستوں کی طرف سے اس کے کزن کی وفات پر نامناسب رویہ کا اظہار کیا گیا ہے، جس پر اسے شدید دکھ ہے۔ نیز اس دوست نے حضور انور سے دریافت کیا کہ کیا اسلام کی مخالفت پر فوت ہونے والے کسی عزیز کیلئے دعا کرنے سے قرآن کریم ہمیں منع فرماتا ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 دسمبر 2020ء میں اس بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی:

جواب: آپ کے کزن کی وفات پر اگر کسی احمدی نے کسی نامناسب رویہ کا اظہار کیا ہے تو یقیناً اس احمدی نے غلط کیا ہے۔ ہر انسان کی وفات کے بعد اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہو جاتا ہے، وہ جو چاہے اس کے ساتھ سلوک کرے کسی دوسرے شخص کو اس بارہ میں کوئی رائے قائم کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہر ایک شخص کا خدا تعالیٰ سے الگ الگ حساب ہے۔ سو ہر ایک کو اپنے اعمال کی اصلاح اور جانچ پڑتال کرنی چاہئیے۔ دوسروں کی موت تمہارے واسطے عبرت اور ٹھوکر سے بچنے کا باعث ہونی چاہئیے نہ کہ تم ہنسی ٹھٹھے میں بسر کر کے اور بھی خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاؤ۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 217)

باقی جیسا کہ آپ نے عابد خان صاحب کی ڈائری کے حوالہ سے اپنے خط میں لکھا ہے، میرا جواب تو آپ نے پڑھ ہی لیا ہے کہ ہم اسے کسی قسم کا کوئی خدائی نشان قرار نہیں دے سکتے کیونکہ آپ کے کزن کا نہ تو جماعت احمدیہ کے ساتھ کوئی مقابلہ چل رہا تھا اور نہ ہی اس نے جماعت کو کوئی ایسا چیلنج دیا تھا جسے مقابلہ سمجھا جائے۔

اسلام کسی انسان سے نفرت نہیں سکھاتا بلکہ اس کے فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت لوط علیہ السلام اپنے مخالفین کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ میں تمہارے عمل کو نفرت سے دیکھتا ہوں۔(الشعراء :169)اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ہدایت فرمائی کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے استہزاء ہوتا سنو تو ان ہنسی کرنے والوں کے ساتھ اس وقت نہ بیٹھو۔(سورۃ النساء :141) گویا انسانوں سے نفرت نہیں بلکہ ان کے عمل سے بیزاری کے اظہار کی تعلیم دی گئی ہے۔

پس اسلام کی تعلیم ہر معاملہ میں مکمل اور نہایت خوبصورت ہے۔ اسلام تو سخت ترین معاند کی موت پر بھی خوش ہونے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس کی موت پر بھی ایک سچے مومن کو اس لئے دکھ ہوتا ہے کہ کاش یہ شخص ہدایت پا جاتا۔ احمدیت کے سخت ترین دشمن اور ہمارے آقا و مطاع سیدنا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اطہر کے بارہ میں بدزبانی کرنے والے معاند اسلام پنڈت لیکھرام کی الٰہی پیشگوئیوں کے مطابق جب ہلاکت ہوئی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی ہلاکت پر بھی اس کی قوم کے لوگوں سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے فرمایا:

”ایک انسان کی جان جانے سے تو ہم دردمند ہیں اور خدا کی ایک پیشگوئی پوری ہونے سے ہم خوش بھی ہیں۔ کیوں خوش ہیں؟ صرف قوموں کی بھلائی کیلئے۔ کاش وہ سوچیں اور سمجھیں کہ اس اعلیٰ درجہ کی صفائی کے ساتھ کئی برس پہلے خبر دینا یہ انسان کا کام نہیں ہے۔ ہمارے دل کی اس وقت عجیب حالت ہے۔ درد بھی ہے اور خوشی بھی۔ درد اس لئے کہ اگر لیکھرام رجوع کرتا زیادہ نہیں تو اتنا ہی کرتا کہ وہ بدزبانیوں سے باز آجاتا تو مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس کیلئے دعا کرتا۔ اور میں امید رکھتا تھا کہ اگر وہ ٹکڑے ٹکڑے بھی کیا جاتا تب بھی زندہ ہو جاتا۔“

(سراج منیر، روحانی خزائن جلد12 صفحہ28)

باقی جہاں تک اسلام کی مخالفت پر مرنے والے کسی شخص کیلئے دعا کرنے کی بات ہے تو اسلام نے صرف مشرک جو خدا تعالیٰ سے کھلی کھلی دشمنی کا اظہار کرے، اس کیلئے دعائے مغفرت کرنے سے منع فرمایا ہے باقی کسی کیلئے دعا کرنے سے نہیں روکا۔(التوبہ:114)

سوال :ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی تیس سال پہلے دودھ پلایا تھا۔ اب میرے بڑے بھائی کے بیٹے کے ساتھ میری بیٹی کا رشتہ تجویز ہوا ہے۔ کیا یہ رشتہ ہو سکتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 دسمبر 2020ء میں درج ذیل ارشاد فرمایا:

جواب: رضاعت کے بارہ میں آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو رشتے نسب کی بناء پر حرام ہیں اگر رضاعت کی بناء پر قائم ہو جائیں تو رضاعت کی وجہ سے ان رشتوں کی بھی حرمت قائم ہو جاتی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الشھادات) لیکن شرط یہ ہے کہ بچہ نے اپنی دودھ پینے کی عمر میں پانچ مرتبہ سیر ہو کر دودھ پیا ہو۔

(صحیح مسلم کتاب الرضاع)

اس کے ساتھ یہ بات بھی مدنظر رکھنی ضروری ہے کہ رضاعت کی حرمت صرف دودھ پینے والے بچہ اور آگے اس کی نسل کے ساتھ قائم ہوتی ہے، اس دودھ پینے والے بچہ کے دوسرے بہن بھائیوں پر اس رضاعت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پس اس لحاظ سے آپ کی بیٹی کا رشتہ آپ کے اُس بھائی کے بیٹے سے جس نے آپ کا دودھ نہیں پیا ہوا، ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

اللہ تعالیٰ دونوں خاندانوں کیلئے یہ رشتہ بہت مبارک فرمائے، بچوں کی طرف سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور ہمیشہ آپ کو اپنے فضلوں سے نوازتا رہے۔ آمین

سوال :ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار کیا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ پہلا سپاہی جس نے قسطنطنیہ میں قدم رکھا جنت میں جائے گا، کیا یہ درست ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 دسمبر 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو امن و آشتی اور پیار محبت کی تعلیم کے ساتھ دنیا میں مبعوث فرمایا۔ لیکن جب مخالفین اسلام اپنی مخالفت میں حد سے گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی

جواباً جہاد کی اجازت دی۔(الحج :40) جس کے تحت مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کی بدولت جہاں مسلمانوں پر حملہ کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا وہاں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے ایسے علاقوں اور ممالک پر بھی چڑھائی کی جن میں مسلمانوں کی پُر امن جماعت کو ملیامیٹ کرنے کیلئے سازشیں تیار کی جاتیں اور دوسرے قبائل اور علاقوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر آنحضور ﷺ نے ظلم و بربریت کے خلاف لڑی جانے والے ان جنگوں میں مسلمانوں کی فتح و ظفر کے ساتھ کامیابیوں کی کئی پیشگوئیاں فرمائیں ہیں۔ ان میں سے ایک پیشگوئی یہ بھی تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ (اس زمانہ کی دو بڑی طاقتوں قیصر اور کسریٰ میں سے) قیصر (کی عیسائی حکومت) کے شہر کے خلاف میری امت کے جو لوگ جنگ کیلئے نکلیں گے وہ جنتی ہوں گے۔

(بخاری کتاب الجہاد و السیر)

اسی طرح ایک اور جگہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے والا لشکر اور اس کا امیر کیا ہی اچھا لشکر اور کیا ہی اچھا امیر ہو گا۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر 18189)

ان دونوں احادیث میں مذکورہ پیشگوئی بھی آنحضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء ہونے والی دیگر الٰہی پیش خبریوں کی طرح اپنے وقت پر پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 26 اگست 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر30

سوال:۔ ایک عرب دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں فقہ حنفی کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ارشاد پیش کر کے اپنے بارہ میں لکھا ہے کہ میں فقہ حنفی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا کیونکہ میں بھی قیاس کے خلاف ہوں۔ نیز دریافت کیا کہ کیا میں فقہ ظاہریہ پر عمل کر سکتا ہوں، کیونکہ فقہ ظاہریہ نے قرآن وحدیث کی نصوص کے ظاہر پر عمل کرنے کے بارہ میں بہت زبردست نظریہ پیش کیا ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21 دسمبر 2020ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں:۔

جواب:۔ آپ نے اپنے خط میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جس ارشاد کا ذکر کیا ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس میں اُس زمانہ کے دو فریقوں کے قرآن وحدیث کے بارہ میں افراط و تفریط پر مشتمل نظریات کا ردّ فرما کر قرآن وحدیث کا حقیقی مقام بیان کرتے ہوئے اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی ہے کہ حدیث خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی ہو جب تک وہ قرآن کریم اور سنت سے متصادم نہ ہو اسے انسانی فقہ پر ترجیح دی جائے گی۔ اور فقہ کی بنیاد قرآن کریم، سنت رسول ﷺ اور حدیث نبوی ﷺ پر ہونی چاہئے۔ لیکن اگر کسی مسئلہ کا حل ان تینوں سے نہ مل سکے تو پھر فقہ حنفی کے مطابق عمل کر لیا جائے۔ اور اگر زمانی تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی سے بھی کوئی صحیح راہنمائی نہ ملے تو ایسی صورت میں احمدی علماء اس مسئلہ کے بارہ میں اجتہاد کریں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سُنّت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اُس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اُس کو ترجیح دیں۔ اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنّت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ

سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اِس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں لیکن ہوشیار رہیں کہ مولوی عبد اللہ چکڑالوی کی طرح بے وجہ احادیث سے انکار نہ کریں ہاں جہاں قرآن اور سنّت سے کسی حدیث کو معارض پاویں تو اُس حدیث کو چھوڑ دیں۔"

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 212)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان نصائح پر پوری طرح کاربند ہے اور جب بھی کسی مسئلہ میں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے تو جماعت کے علماء خلافت احمدیہ کے زیر سایہ اس مسئلہ پر غور وخوض کر کے اجتہاد کے طریق کو اختیار کرتے ہیں۔

کسی احمدی کا قیاس کو ناپسند کرنا اور اس بناء پر فقہ حنفی کو بُرا خیال کرنا درست نہیں۔ اہل علم اور مجتہدین کا جائز حدود میں رہ کر قرآن و سنت اور حدیث سے استنباط کر کے قیاس کے طریق کو اپنانا منع نہیں کیونکہ قرآن کریم اور آنحضور ﷺ کے ارشادات میں قیاس کے حق میں کئی دلائل موجود ہیں۔ نیز خلفائے راشدین نے بھی اپنے عہد مبارک میں قیاس سے کام لیا اور کئی نئے پیش آمدہ مسائل کو آنحضور ﷺ کے زمانہ کے کسی مسئلہ پر قیاس کر کے حل فرمایا۔

اسی طرح قیاس کے حوالہ سے جن لوگوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کو اہل الرائے کہہ کر طعن کی ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کی اسی قسم کی غلطی پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں مخاطب کر کے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اے حضرت مولوی صاحب! آپ ناراض نہ ہوں آپ صاحبوں کو امام بزرگ ابو حنیفہؒ سے اگر ایک ذرہ بھی حسن ظن ہوتا تو آپ اس قدر سُبکی اور استخفاف کے الفاظ استعمال نہ کرتے آپ کو امام صاحب کی شان معلوم نہیں وہ ایک بحر اعظم تھا اور دوسرے سب اس کی شاخیں ہیں اسکا نام اہل الرائے رکھنا ایک بھاری خیانت ہے !امام بزرگ حضرت ابو حنیفہؒ کو علاوہ کمالات علم آثار نبویہ کے استخراج مسائل قرآن میں ید طولیٰ تھا خدا تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانی پر رحمت کرے انہوں نے مکتوب صفحہ 307

میں فرمایا ہے کہ امام اعظم صاحب کی آنیوالے مسیح کے ساتھ استخراج مسائل قرآن میں ایک روحانی مناسبت ہے۔"

(الحق مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد4 صفحہ 101)

جہاں تک فقہ ظاہریہ کا تعلق ہے تو اس بارہ میں اہم بات یہ ہے کہ قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ میں بیان کئی احکامات ایسے ہیں کہ اگر ان کے صرف ظاہری الفاظ کو اپنایا جائے تو اس حکم کی روح اور حکمت کو انسان پا ہی نہیں سکتا۔ پس ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ اسی طریق کو اختیار کرے جس کی نشاندہی آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق مبعوث ہونے والے آپ کے غلام صادق اور اس زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے راہنمائی پا کر فرمائی ہے اور جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں اوپر کر دیا گیا ہے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں ازہر یونیورسٹی کی ایک عہدیدار خاتون کے فتویٰ کہ "قرآن کریم میں کوئی ایسی نص نہیں جو مسلمان لڑکی کو غیر مسلم کے ساتھ شادی سے منع کرتی ہو۔" کے بارہ میں راہنمائی چاہی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21 دسمبر 2020ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب:۔ اسلامی تعلیمات کی بنیاد قرآن کریم کے علاوہ بانی اسلام حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت اور قرآن و سنت سے موافقت رکھنے والی احادیث نبویہ ﷺ پر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن کریم میں بیان احکامات کی پیروی کا مسلمانوں کو حکم دیا وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران: 32-33) یعنی (اے محمدؐ!) تو کہہ کہ (اے لوگو!) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو (اس صورت میں) وہ (بھی) تم سے محبت کرے گا اور تمہارے قصور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ تو کہہ (کہ) تم

اللہ اور اس رسول کی اطاعت کرو (اس پر) اگر وہ منہ پھیر لیں تو (یاد رکھو کہ) اللہ کافروں سے ہر گز محبت نہیں کرتا۔

اسی طرح فرمایا وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الحشر :8) کہ یہ رسول جو کچھ تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ کا عذاب یقیناً بہت سخت ہوتا ہے۔

ان بنیادی اصولوں کو جاننے کے بعد جب ہم مسلمان عورت کی کسی غیر مسلم مرد سے شادی کے معاملہ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ایک مسلمان عورت کی ہر مشرک، ہر کافر اور ہر اہل کتاب مرد سے شادی کی ممانعت کا واضح حکم قرآن کریم میں ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ آیت 222 میں حکم دیتا ہے کہ مشرکوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اپنی عورتیں نہ بیاہو۔ اور سورۃ المائدہ کی آیت 6 میں جہاں مسلمانوں کیلئے اہل کتاب کا اور اہل کتاب کیلئے مسلمانوں کا کھانا جائز قرار دیا وہاں مسلمان مردوں کو اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی تو اجازت دی لیکن مسلمان عورتوں کے اہل کتاب مردوں سے نکاح کا ذکر نہ فرما کر اس امر کی ممانعت کو قائم فرمایا۔ اور سورۃ الممتحنہ کی آیت 11 میں ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورتوں کو کفار کی طرف نہ لوٹانے اور ان عورتوں کو کفار کیلئے اور کفار کو ان مسلمان عورتوں کیلئے جائز نہ ہونے کی ہدایت فرما کر کفار سے بھی مسلمان عورتوں کو بیاہنے کی ممانعت فرمادی۔

ان قرآنی احکامات کے علاوہ آنحضور ﷺ کی سنت اور آپ کے ارشادات سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حضور ﷺ نے اپنی کسی عزیزہ کو کسی غیر مسلم سے بیاہا ہو۔ یا ان قرآنی احکامات کے نزول کے بعد صحابہ رسول ﷺ نے خود یا حضور ﷺ کے ارشاد پر اپنی کسی بچی کو کسی غیر مسلم سے بیاہا ہو۔ بلکہ اس کے برعکس حضور ﷺ نے صحابہ کو عام نصیحت فرمائی کہ جب تمہارے زیر کفالت کسی مسلمان خاتون کا رشتہ کوئی ایسا شخص طلب کرے جس کا دین اور اخلاق تمہیں پسند ہو تو اس خاتون کو اس سے بیاہ دو، خواہ اس شخص میں کوئی نقص ہو۔ حضور ﷺ نے (دین اور اخلاق والے) اس فقرہ کو تین دفعہ دہرایا۔

(سنن ترمذی کتاب النکاح)

اس زمانہ کے حکم و عدل اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آقا و مطاع کی پیروی میں اسی اسلامی تعلیم کے عین مطابق اپنے متبعین کو نصیحت فرمائی کہ

”غیر احمدیوں کی لڑکی لے لینے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے بھی تو نکاح جائز ہے بلکہ اس میں تو فائدہ ہے کہ ایک اور انسان ہدایت پاتا ہے۔ اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہ دینی چاہیئے۔ اگر ملے تو لے بیشک لو۔ لینے میں حرج نہیں اور دینے میں گناہ ہے۔“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 525 جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

حضور علیہ السلام نے سورۃ المائدہ میں بیان نص قرآنی کے تحت ہی غیر احمدی مرد کو اپنی لڑکی دینا گناہ قرار دیا ہے کیونکہ اس آیت میں مسلمان مردوں کیلئے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے جواز کا تو ذکر کیا گیا ہے لیکن مسلمان عورتوں کو اہل کتاب مردوں سے بیاہنے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ قرآن کریم کے 30 پارے ہونے میں کیا خدائی حکمت ہو سکتی ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 جنوری 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب ارشاد فرمایا:

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو آیات اور سورتوں کی شکل میں نازل فرمایا اور آنحضور ﷺ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے عطاء ہونے والی راہنمائی سے اس کی موجودہ ترتیب کو قائم فرمایا۔ جہاں تک قرآن کریم کو منازل، پاروں اور رکوعات میں تقسیم کرنے کا معاملہ ہے تو یہ بعد میں لوگوں نے قرآن کریم کو پڑھنے کی سہولت کے پیش نظر مختلف وقتوں میں ایسا کیا۔ اسی لئے قرآن کریم کے قدیم نسخہ جات میں ایسی کوئی تقسیم موجود نہیں ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ بعض ایسے صحابہ جو اپنی گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنے کی بجائے صرف نفلی عبادات میں ہی مشغول رہتے تھے، ان کے بارہ میں اطلاع ملنے پر حضور ﷺ نے انہیں جو نصائح فرمائیں ان میں سارے قرآن کریم کی تلاوت کیلئے بھی حضور ﷺ نے دنوں کی حد بندی فرمائی تھی۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے بارہ میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ پورے مہینہ میں قرآن مجید ختم کیا کرو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا بیس دنوں میں پڑھ لیا کرو۔ انہوں عرض کیا میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا کہ دس دنوں میں ختم کر لیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا پھر سات دنوں میں مکمل کر لیا کرو اور اس سے زیادہ اپنے آپ کو مشقت میں مت ڈالو کیونکہ تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الصیام)

بعض کا خیال ہے کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں بعد میں لوگوں نے اپنی سہولت کیلئے قرآن کریم کو تیس پاروں اور سات منازل میں تقسیم کیا تاکہ زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ میں اور کم سے کم سات دنوں میں قرآن کریم کی تلاوت مکمل کرنے والے کیلئے آسانی پیدا ہو سکے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کیلئے طلباء اور اساتذہ کی سہولت کیلئے قرون وسطی میں قرآن کریم کو منازل اور پاروں میں تقسیم کیا گیا۔ اور یہ تقسیم کسی مضمون کے اعتبار سے نہیں بلکہ قرآن کریم کے حجم کے لحاظ کی گئی ہے۔

قرآن کریم کی رکوعات میں تقسیم کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ کام حجاج بن یوسف کے زمانہ میں ہوا اور بعض روایات کے مطابق یہ تقسیم حضرت عثمانؓ نے فرمائی تھی۔ نیز یہ کہ نمازوں کی رکعات میں ایک خاص حصۂ قرآن کی تلاوت کی سہولت پیدا کرنے کیلئے رکوعات کی یہ تقسیم کی گئی۔

بہر حال جو بھی ہو، یہ امر متحقق ہے کہ قرآن کریم کی یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور نہ ہی حضور ﷺ کی بیان فرمودہ ہے، بلکہ بعد کے زمانوں کی تقسیم ہے، اسی لئے عرب اور غیر عرب دنیا کے مختلف علاقوں میں شائع ہونے والے قرآن کریم کے نسخہ جات میں بعض پاروں کی تقسیم میں فرق بھی پایا جاتا ہے۔ البتہ اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اس تقسیم سے نہ تو قرآن کریم کے مطالب سمجھنے میں کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ ہی قرآن کریم کی صداقت اور حقانیت پر کوئی حرف آتا ہے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں سورۃ الحاقہ کی ایک آیت کے لفظ "اُذُنٌ" کے بارہ میں تحریر کر کے کہ اس سے مراد ریکارڈنگ مشین ہے کیونکہ کان تو کسی بات کو محفوظ نہیں رکھتے بلکہ دل و دماغ محفوظ رکھتے ہیں، راہنمائی چاہی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 جنوری 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی:

جواب:۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر صغیر میں سورۃ الحاقہ کی اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "تا کہ اس (واقعہ) کو تمہارے لئے ایک نشان قرار دیں اور سننے والے کان سنیں" (اور دل اسے یاد رکھیں)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اس تشریحی ترجمہ میں اس بات کو واضح فرمادیا ہے کہ کانوں کا کام صرف سننا ہے یاد رکھنے کا کام یا دل کرتا ہے یا دماغ کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ایک جگہ حضورؓ کان اور آنکھ کے فنکشن کی وضاحت میں ایک نہایت لطیف نکتہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب ہم کوئی آواز سنتے ہیں تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ یہ آواز باہر سے ہو کر آئی ہے۔ کیونکہ کان کا پردہ قدرتی طور پر اس طرح بنایا گیا ہے کہ ہوا کا زور کان کے پردہ پر پڑتا ہے تو اس سے ایک حرکت پیدا ہوتی ہے۔ ارتعاش کی لہریں یعنی وائی بریشنز (VIBRATIONS) پیدا ہوتی ہیں اور یہی وائی بریشنز دماغ میں جاتی ہیں اور دماغ ان کو الفاظ میں بدل ڈالتا ہے۔ یہی وائی بریشن ہیں جو ریڈیو کے والوز میں پڑتی ہیں اور ریڈیو ان کو الفاظ میں بدل ڈالتا ہے۔ انسانی بناوٹ میں ریڈیو کان ہے اور اعصاب دماغی والوز ہیں۔ ان کے ذریعہ جو حرکات دماغ میں منتقل ہوتی ہیں وہ وہاں سے آواز بن کر سنائی دیتی ہیں......اور جو کچھ تم دیکھتے ہو وہ بھی حرکات ہیں، جن کو آنکھیں شکل میں تبدیل کر ڈالتی ہیں۔ جو چیز تمہارے سامنے گڑی ہوتی ہے وہ تصویر نہیں ہوتی بلکہ وہ فیچرز (FEATURES) یعنی نقش ہوتے ہیں جو آنکھوں کے ذریعہ دماغ میں جاتے ہیں اور وہ انہیں تصویر میں بدل ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل ریڈیو سیٹ کے ذریعہ تصویریں بھی باہر جانے لگ پڑی ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 403)

پس حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی اس لطیف تفسیر کی روشنی میں میرے نزدیک سورۃ الحاقہ کی مذکورہ بالا آیت میں ایک قابل ذکر نشان کے یاد رکھنے کو کان کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا ہے کہ کان کے ذریعہ ہی آواز دل و دماغ تک پہنچ کر محفوظ ہوتی ہے۔ باقی اس آیت قرآنی میں لفظ کان سے ریکارڈنگ مشین مراد لینا آپ کی ایک ذوقی تشریح ہے، جو اگر قرآن و سنت اور احادیث کے خلاف نہیں تو اس تشریح میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ اگر گھر میں مردوں کے ہوتے ہوئے صرف عورت اس قابل ہو کہ نماز پڑھا سکے تو کیا وہ نماز پڑھا سکتی ہے۔ اور اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 جنوری 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

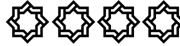
جواب:۔ اسلامی تعلیم کی یہ خوبی ہے کہ اس میں مردوں اور عورتوں کے حقوق و فرائض ان کے طبائع کے مطابق الگ الگ مقرر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ نماز باجماعت بھی صرف مردوں پر فرض کی گئی اور عورتوں کو اس سے رخصت دی گئی اور عورتوں کا باجماعت نماز ادا کرنا محض نفلی حیثیت قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے مردوں کی موجودگی میں کوئی عورت نماز باجماعت میں ان کی امام نہیں بن سکتی۔

آنحضور ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے کبھی کسی عورت کو مردوں کی امامت کا منصب تفویض نہیں فرمایا۔

اس زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی جب بعض اوقات کسی علالت کی وجہ سے گھر پر نماز ادا فرماتے تو نماز کی امامت خود کراتے اور حضور علیہ السلام کو چونکہ کھڑے ہونے سے چکر آ جایا کرتا تھا اس لئے حضرت اماں جان کو پیچھے کھڑا کرنے کی بجائے مجبوراً اپنے ساتھ کھڑا کر لیتے تھے۔

پس اگر کسی جگہ پر مرد اور عورتیں دونوں ہوں تو نماز کا امام مرد ہی ہو گا کیونکہ جو مرد نماز پڑھنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کی اپنی نماز صحیح ہو جاتی ہے تو اس کی امامت میں دوسروں کی نماز بھی صحیح ہو گی۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 2 ستمبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر31

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ ایک مربی صاحب نے Eyebrow Pluck کرنے کو ناجائز اور زنا کے برابر قرار دیا ہے۔ اس بارہ میں نیز Body Wax کرنے کے بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 جنوری 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں:۔

جواب:۔ احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن کے حصول کی خاطر جسموں کو گودنے والیوں، گدھوانے والیوں، چہرے کے بال نوچنے والیوں، سامنے کے دانتوں میں خلا پیدا کرنے والیوں اور بالوں میں پیوند لگانے اور لگوانے والیوں پر لعنت کی ہے جو خدا کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب اللباس)

اسلام کا ہر حکم اپنے اندر کوئی نہ کوئی حکمت رکھتا ہے۔ اسی طرح بعض اسلامی احکامات کا ایک خاص پس منظر ہوتا ہے، اگر اس پس منظر سے ہٹ کر ان احکامات کو دیکھا جائے تو حکم کی شکل بدل جاتی ہے۔ آنحضور ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو دنیا میں اور خاص طور پر جزیرۂ عرب میں جہاں مختلف قسم کے شرک کا زہر ہر طرف پھیلا ہوا تھا وہاں مختلف قسم کی بے راہ رویوں نے بھی انسانیت کو اپنے پنجہ میں جکڑا ہوا تھا اور عورتیں اور مرد مختلف قسم کی مشرکانہ رسوم اور معاشرتی برائیوں میں مبتلا تھے۔

مذکورہ بالا امور کی ممانعت پر مبنی احادیث میں دو چیزوں کا خاص طور پر ذکر ملتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کاموں کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی مقصود ہو اور دوسرا صرف حسن کا حصول پیش نظر ہو۔

ان دونوں باتوں پر جب ہم غور کرتے ہیں تو پہلی بات یعنی خدا تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی جہاں معاشرتی برائیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے وہاں مشرکانہ افعال کی بھی عکاسی کرتی ہے چنانچہ بالوں میں لمبی

گوتیں لگا کر سر پر بالوں کی پگڑی بنا کر اسے بزرگی کی علامت سمجھنا، کسی پیر اور گرو کی نذر کے طور پر بالوں کی لٹیں بنانا یا بودی رکھ لینا، چار حصوں میں بال کر کے درمیان سے استرے سے منڈوا دینا اور اسے بچوں کیلئے باعث برکت سمجھنا۔ اسی طرح برکت کیلئے جسم، چہرہ اور بازو وغیرہ پر کسی دیوی، بت یا جانور کی شکل گندھوانا۔ یہ سب مشرکانہ طریق تھے اور ان کے پیچھے زمانہ جاہلیت میں مذہبی توہمات کارفرما تھے۔

دوسری بات یعنی حسن کے حصول کی خاطر ایسا کرنا، بعض اعتبار سے معاشرتی بے راہ روی اور فحاشی کو ظاہر کرتی ہے۔ جائز حدود میں رہتے ہوئے انسان کا اپنی خوبصورتی کیلئے کوئی جائز طریق اختیار کرنا منع نہیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے اچھا لگتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میرے کپڑے اچھے ہوں، میری جوتی اچھی ہو، تو کیا یہ تکبر میں شامل ہے؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا یہ تکبر نہیں، تکبر تو حق کا انکار کرنے اور دوسروں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا إِنَّ اللّٰہَ جَمِیلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ یعنی اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب تَحْرِیمِ الْکِبْرِ وَبَیَانِہِ) اسی طرح یہ امر بھی ثابت ہے کہ اُس زمانہ میں بھی بچیوں کی جب شادی ہوتی تھی تو انہیں بھی اس زمانہ کے طریق کے مطابق بناؤ سنگھار کر کے تیار کیا جاتا اور خوبصورت بنایا جاتا تھا۔

پس جس حسن کے حصول پر حضور ﷺ نے لعنت کا انذار فرمایا ہے، اس کا یقیناً کچھ اور مطلب ہے۔ چنانچہ جب ہم اس حوالہ سے ان احادیث پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات بھی نظر آتی ہے کہ ان باتوں کی ممانعت کے ساتھ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہوئے جب ان کی عورتوں نے اس قسم کے کام شروع کئے۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس) اور پھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت یہود میں فحاشی عام تھی اور اس وقت مدینہ میں خصوصاً یہود کے علاقہ میں فحاشی کے کئی اڈے موجود تھے، جن میں ملوث خواتین، مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی خاطر بناؤ سنگھار کیلئے اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتی تھیں، اس لئے رسول خدا ﷺ نے ان کاموں کی شناعت بیان فرما کر مومن عورتوں کو اس وقت اس سے منع فرما دیا۔

پس ان چیزوں کی ممانعت میں بظاہر یہ حکمت نظر آتی ہے کہ ان کے نتیجہ میں اگر انسان کی جسمانی وضع قطع میں اس طرح کی مصنوعی تبدیلی واقع ہو جائے کہ مرد و عورت کی تمیز جو خدا تعالیٰ نے انسانوں میں پیدا کی ہے وہ ختم ہو جائے، یا اس قسم کے فعل سے شرک جو سب سے بڑا گناہ ہے اس کی طرف میلان پیدا ہونے کا اندیشہ ہو یا ان امور کو اس لئے بجالایا جائے کہ اپنی مخالف جنس کا ناجائز طور پر اپنی طرف میلان پیدا کیا جائے تو یہ سب افعال ناجائز اور قابل مواخذہ قرار پائیں گے۔

حضور ﷺ نے ان برائیوں کے اس پس منظر میں جہاں اُس وقت مومن عورتوں کو ان کاموں سے منع فرمایا وہاں تکلیف یا بیماری کی بناء پر جائز حد تک اس کا استثناء بھی فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھَی عَنْ النَّامِصَۃِ وَالْوَاشِرَۃِ وَالْوَاصِلَۃِ وَالْوَاشِمَۃِ إِلَّا مِنْ دَاءٍ (مسند احمد بن حنبل) یعنی میں نے حضور ﷺ کو عورتوں کو موچنے سے بال نوچنے، دانتوں کو باریک کرنے، مصنوعی بال لگوانے اور جسم کو گودنے سے منع فرماتے ہوئے سنا۔ ہاں کوئی بیماری ہو تو اس کی اجازت ہے۔

اسلام نے اعمال کا دار مدار نیتوں پر رکھا ہے۔ لہٰذا اس زمانہ میں پردہ کے اسلامی حکم کی پابندی کے ساتھ اگر کوئی عورت جائز طریق پر اور جائز مقصد کی خاطر ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر ان افعال کے نتیجہ میں کسی برائی کی طرف میلان پیدا ہو یا کسی مشرکانہ رسم کا اظہار ہو یا اسلام کے کسی واضح حکم کی نافرمانی ہو، مثلاً اس زمانہ میں بھی خواتین اپنی صفائی یا ویکسنگ وغیرہ کرواتے وقت اگر پردہ کا التزام نہ کریں اور دوسری خواتین کے سامنے ان کے ستر کی بے پردگی ہوتی ہو تو پھر یہ کام حضور ﷺ کے اسی انذار کے تحت ہی شمار ہوگا۔ اور اس کی اجازت نہیں ہے۔

پھر اس ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے فتنہ اور فساد کو قتل سے بھی بڑا گناہ قرار دیکر فساد کو روکنے کا حکم دیا ہے۔ بعض ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ رشتے اس لئے ختم کر دیئے گئے یا شادی کے بعد طلاقیں ہوئیں کہ مرد کو بعد میں پتہ چلا کہ عورت کے چہرے پر بال ہیں۔ اگر چند بالوں کو صاف نہ کیا جائے یا کھنچوایا نہ جائے تو اس سے مزید گھروں کی بربادی ہوگی۔ ناپسندیدگیوں کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اور آنحضور ﷺ کا اس حکم سے یہ مقصود بہر حال نہیں ہو سکتا کہ معاشرے میں ایسی

صورتحال پیدا ہو کہ جس کے نتیجہ میں گھروں میں فساد پھیلے۔ ایسے سخت الفاظ کہنے میں جو حکمت نظر آتی ہے وہ یہی ہے کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور یہ باتیں چونکہ دیوی، دیوتاؤں وغیرہ کی خاطر اختیار کی جاتی تھیں یا ان کے نتیجہ میں فحاشی کو عام کیا جاتا تھا، اس لئے آپ نے سخت ترین الفاظ میں اس سے کراہت کا اظہار فرمایا ہے اور اس طرح مشرکانہ رسوم و عادات اور فحاشی کی بیخ کنی فرمائی ہے۔

سوال:۔ ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ اس کے خاوند نے جماعت سے اخراج کے بعد اسے طلاق دیئے بغیر دوسرا نکاح کر لیا ہے، جبکہ قانوناً وہ دوسری شادی کا حق نہیں رکھتے اس لئے زنا کر رہے ہیں۔ اسلام کی رو سے مجھے اس نکاح کی کوئی اہمیت سمجھ نہیں آئی۔ اس لئے اس نکاح کو منسوخ کیا جائے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 جنوری 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ اکثر مغربی ممالک میں ایک بیوی کے ہوتے ہوئے قانونی اعتبار سے دوسری شادی منع ہے لیکن اسلام نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ جا کر جہاں دوسری شادی کی ممانعت نہیں باقاعدہ نکاح کے ذریعہ دوسری شادی کر بھی لیتا ہے تو ان مغربی ممالک میں اس کی اس دوسری بیوی کو کسی قسم کے قانونی حقوق نہیں ملتے لیکن شرعاً وہ اس کی بیوی ہی مانی جائے گی اور اس کے ساتھ اس کے جسمانی تعلقات زنا شمار نہیں ہوتے۔

آپ کے خاوند اگر اس عورت سے بغیر نکاح کے تعلقات رکھتے، جو کہ شرعاً حرام ہے لیکن ان مغربی ممالک کے قوانین میں اس کی گنجائش نکل آتی ہے تو کیا یہ بات آپ کو خوش کرتی؟

اسلام نے جس طرح مرد کیلئے اس کی ضرورت کے مطابق حقوق بیان کئے ہیں اسی طرح عورت کیلئے بھی اس نے مختلف حقوق قائم فرمائے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسلامی تعلیم کا یہ پہلو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ مسئلہ اسلام میں شائع متعارف ہے کہ چار تک بیویاں کرنا جائز ہے۔ مگر جبر کسی پر نہیں اور ہر ایک مرد اور عورت کو اس مسئلہ کی بخوبی خبر ہے تو یہ ان عورتوں کا حق ہے کہ جب کسی مسلمان سے نکاح

کرنا چاہیں تو اول شرط کرالیں کہ ان کا خاوند کسی حالت میں دوسری بیوی نہیں کرے گا اور اگر نکاح سے پہلے ایسی شرط لکھی جائے تو بیشک ایسی بیوی کا خاوند اگر دوسری بیوی کرے تو جُرم نقض عہد کا مرتکب ہوگا۔ لیکن اگر کوئی عورت ایسی شرط نہ لکھاوے اور حکم شرع پر راضی ہووے تو اس حالت میں دوسرے کا دخل دینا بیجا ہوگا اور اس جگہ یہ مثل صادق آئے گی کہ میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ خدا نے تعدّد ازدواج فرض واجب نہیں کیا ہے۔ خدا کے حکم کی رو سے صرف جائز ہے۔ پس اگر کوئی مرد اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے اس جائز حکم سے فائدہ اُٹھانا چاہے جو خدا کے جاری کردہ قانون کی رُو سے ہے اور اس کی پہلی بیوی اس پر راضی نہ ہو تو اس بیوی کے لئے یہ راہ کشادہ ہے کہ وہ طلاق لے لے اور اس غم سے نجات پاوے اور اگر دوسری عورت جس سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے اس نکاح پر راضی نہ ہو اس کیلئے بھی یہ سہل طریق ہے کہ ایسی درخواست کرنے والے کو انکاری جواب دیدے۔ کسی پر جبر تو نہیں لیکن اگر وہ دونوں عورتیں اس نکاح پر راضی ہو جاویں تو اس صورت میں کسی آریہ کو خواہ نخواہ دخل دینے اور اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 246)

سوال:۔ ایک سکول کی بچی نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے استفسار کیا کہ اسلام میں عورت کو اپنے آپ کو ڈھانپنے کا حکم ہے لیکن ہم سکارف وغیرہ لے کر سر پر پردہ کیوں کرتے ہیں؟ لڑکیاں سکول میں لڑکوں سے دوستی کیوں نہیں کر سکتیں؟ اور کیا میں Halloween میں پری بن سکتی ہوں؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 26 جنوری 2021ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ارشاد فرمایا:۔

جواب:۔ اسلام نے پردہ کے بارہ میں عورت اور مرد دونوں کو نہایت حکیمانہ تعلیم سے نوازا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ مومن مرد اور عورتیں دونوں اپنی نظریں نیچی رکھیں یعنی اپنی آنکھوں کو نامحرموں کو دیکھنے سے بچائیں اور اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں۔ اس کے بعد مومن عورتوں کو مزید تاکید فرمائی کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں اور اپنی زینتیں ظاہر نہ کیا کریں اور اپنے پاؤں بھی اس طرح زمین پر نہ مارا کریں کہ جس سے ان کی زینت ظاہر ہو۔

اس مختصر لیکن نہایت جامع تعلیم میں پردہ کے بارہ میں ہر قسم کی تفصیل بیان فرمادی گئی ہے کہ ایک مومن عورت اپنی آنکھ، کان اور ستر کی جگہوں کی حفاظت کے ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھے کہ اس کا لباس نہ اتنا تنگ ہو کہ اس سے اس کے جسم کے اعضاء کی نمائش ہو اور نہ ہی اتنا ڈھیلا اور کھلا ہو کہ سینہ اور دوسری ستر کی جگہوں کی بے پردگی ہو رہی ہو۔

پاؤں زمین پر نہ مارنے کے حکم میں یہ بات سمجھادی کہ ایک مومن عورت اس طرح کی اچھل کود سے بھی اجتناب کرے جس سے اس کی جسمانی ساخت کے اتار چڑھاؤ کا اظہار ہو۔ یا یہ کہ اگر پاؤں میں کوئی زیور (پازیب وغیرہ) پہنا ہوا ہے تو اس کی چھنکار سے لوگوں کی توجہ اس کی طرف ہو اور غیروں کی نظریں اس پر اٹھیں۔ یا اگر پاؤں پر مہندی یا نیل پالش وغیرہ لگا کر ان کا سنگھار کیا گیا ہے تو اس کی وجہ سے غیر مردوں کی نظریں اس پر اٹھیں۔ یہ سب باتیں پردہ کے احکامات کے منافی ہیں۔

پس اسلام نے عورت کیلئے صرف سر پر سکارف لینا ہی کافی قرار نہیں دیا بلکہ یہ امور بیان کر کے پردہ سے متعلقہ تمام لوازمات کو بھی خوب کھول کر بیان کر دیا کہ عورت نے کس طرح اپنے پردہ کا خیال رکھنا ہے اور کس طرح خود کو ڈھانپنا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پردہ سے متعلقہ ان آیات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایمانداروں کو جو مرد ہیں کہہ دے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے سے بچائے رکھیں اور ایسی عورتوں کو کھلے طور پر نہ دیکھیں جو شہوت کا محل ہو سکتی ہوں اور ایسے موقع پر خوابیدہ نگاہ کی عادت پکڑیں اور اپنے ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچاویں۔ ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے بچاویں یعنی بیگانہ عورتوں کے گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں۔ ان کے حسن کے قصے نہ سنیں۔ یہ طریق پاک نظر اور پاک دل رہنے کیلئے عمدہ طریق ہے۔ ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کہہ دے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں اور اپنے کانوں کو بھی نامحرموں سے بچائیں یعنی ان کی پُر شہوت آوازیں نہ سنیں اور اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنی زینت کے اعضاء کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے۔ یعنی گریبان

اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں۔''

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد10 صفحہ 341-342)

حضور علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

''قرآن مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ غض بصر کریں۔ جب ایک دوسرے کو دیکھیں ہی گے نہیں تو محفوظ رہیں گے......اسلامی پردہ سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ عورت جیل خانہ کی طرح بند رکھی جاوے۔ قرآن شریف کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں ستر کریں۔ وہ غیر مرد کو نہ دیکھیں۔ جن عورتوں کو باہر جانے کی ضرورت تمدنی امور کیلئے پڑے ان کو گھر سے باہر نکلنا منع نہیں ہے، وہ بیشک جائیں لیکن نظر کا پردہ ضروری ہے۔''

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 405 مطبوعہ 2016ء)

جہاں تک لڑکیوں اور لڑکوں کی دوستی کی بات ہے تو اس میں بھی بنیادی حکمت عورت کی عفت کی حفاظت ہی ہے۔ انسان کے اپنی مخالف جنس کے ساتھ میل جول سے کئی قسم کی برائیاں پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام نے اس پہلو سے بھی محرم اور غیر محرم رشتوں کا امتیاز قائم کر کے مرد و عورت کے تعلقات کی حدود بیان فرما دیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس بارہ میں اپنے متبعین کو بڑی واضح تعلیم سے نوازا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی نامحرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے کیونکہ ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب الفتن)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضور ﷺ کے اس ارشاد کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بسا اوقات سننے دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسی قومیں غیر مرد عورت کو ایک مکان میں تنہا رہنے کو حالانکہ دروازہ بھی بند ہو کوئی عیب نہیں سمجھتے۔ یہ گویا تہذیب ہے۔ ان ہی بدنتائج کو روکنے کیلئے شارع اسلام نے وہ باتیں کرنے ہی کی اجازت نہ دی جو کسی کی ٹھوکر کا باعث ہوں۔ ایسے موقع میں یہ کہہ دیا کہ جہاں اس طرح دو غیر محرم مرد و عورت جمع ہوں تیسرا ان میں شیطان ہوتا ہے۔ ان ناپاک نتائج پر غور

کرو جو یورپ اس خلیع الرسن تعلیم سے بھگت رہا ہے۔ بعض جگہ بالکل قابل شرم طوائفانہ زندگی بسر کی جاری ہے۔ یہ انہی تعلیموں کا نتیجہ ہے۔اگر کسی چیز کو خیانت سے بچانا چاہتے ہو تو حفاظت کرو لیکن اگر حفاظت نہ کرو اور یہ سمجھ رکھو کہ بھلے مانس لوگ ہیں تو یاد رکھو کہ ضرور وہ چیز تباہ ہو گی۔ اسلامی تعلیم کیا پاک تعلیم ہے کہ جس نے مرد و عورت کو الگ رکھ کر ٹھوکر سے بچایا اور انسان کی زندگی حرام اور تلخ نہیں کی۔"

(رپورٹ جلسہ سالانہ 1897ء صفحہ 48)

Halloween کی رسم جسے اب ایک Fun خیال کیا جاتا ہے، اس کی بنیاد شیطانی نظریات اور مشرکانہ عقائد پر ہے اور ایک چھپی ہوئی برائی ہے۔ ایک سچے مسلمان اور خصوصاً ایک احمدی کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر وہ کام جس کی بنیاد شرک پر ہو اگرچہ وہ Fun کے طور پر ہی ہو اسے اس سے بچنا چاہیئے، کیونکہ اس قسم کی رسومات انسان کو مذہب سے دور لے جاتی ہیں۔ پھر اس تہوار کے موقعہ پر تفریح کے نام پر بچے لوگوں کے گھروں میں فقیروں کی طرح جو مانگتے پھرتے ہیں وہ بھی ایک احمدی بچہ کے وقار کے خلاف ہے۔ ایک احمدی کا اپنا ایک وقار ہوتا ہے اور اس وقار کو ہمیں بچپن سے ہی بچوں کے ذہنوں میں قائم کرنا چاہیئے۔ ان باتوں کے علاوہ بھی اس رسم کے اور بہت سے معاشرتی بد اثرات نئی نسل پر ہو رہے ہیں۔

پس Halloween کی رسم میں کسی احمدی کو شامل ہونے کی اجازت نہیں چاہے بھوت، چڑیل بنا ہو یا پری بنا ہو، کیونکہ یہ رسم ایک غلط اور مشرکانہ عقیدہ پر مبنی ہے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 9 ستمبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 32

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ قرآن کریم کے نصف میں جو وَلْيَتَلَطَّفْ کا لفظ آیا ہے، اس لفظ کے قرآن کریم کے درمیان میں آنے میں کچھ خاص حکمت ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 12 فروری 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو آیات اور سورتوں کی شکل میں نازل فرمایا اور آنحضور ﷺ نے خدا تعالیٰ سے راہنمائی پا کر اس کی موجودہ ترتیب کو قائم فرمایا ہے۔ آنحضور ﷺ کے بعد مختلف وقتوں میں کئی طرح سے جو قرآن کریم کی تقسیم کی گئی ہے، یہ سب ذوقی باتیں ہیں۔ اس سے قرآن کریم میں پائی جانے والی دائمی تعلیمات اور اس کے عمیق در عمیق روحانی معارف پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قرآنی تعلیمات کا بنیادی مقصد خدا تعالیٰ کی توحید کا پرچار ہے۔ اس اعتبار سے جب ہم قرآن کریم پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ قرآن کریم کی ابتداء میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کے مضمون کو بیان کیا گیا اور قرآن کریم کا اختتام بھی اسی توحید باری تعالیٰ کے مضمون پر ہو رہا ہے اور قرآن کریم کے درمیان میں جو سورۃ آئی ہے یعنی سورۃ الکہف وہ بھی خاص طور پر توحید کے ہی مضمون پر مشتمل ہے اور پھر خود اس سورۃ کا آغاز اور اختتام بھی توحید ہی کے مضمون پر ہوتا ہے۔

پس قرآن کریم کی اس ترتیب میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ توحید کی تعلیم کو بیان فرما کر انسان کو یہ پیغام دیا ہے کہ اس کی کامیابی کا راز اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر اس عارضی زندگی کو گزارے تا کہ اخروی اور دائمی زندگی میں وہ خدا تعالیٰ کے لامتناہی فضلوں کا وارث بن سکے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا ہے کہ میں اپنی جماعت میں امام الصلوٰۃ ہوں۔ جمعہ کی نماز میں قنوت پڑھنا چاہتا ہوں کیونکہ آجکل وباء کے دن ہیں اور احمدیوں پر بعض ممالک میں ظلم بھی ہو رہا ہے۔ لیکن بعض دوستوں کو اس پر اعتراض ہے۔ اس بارہ میں اجازت اور راہنمائی کی درخواست ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 12 فروری 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں:۔

جواب:۔ آنحضور ﷺ نے امام الصلوٰۃ کیلئے ایک نہایت ضروری نصیحت یہ فرمائی ہے کہ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ (صحیح بخاری کتاب الاذان) یعنی جب کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے ہلکی نماز پڑھانی چاہئے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور اور بیمار اور بوڑھے سب ہی ہوتے ہیں۔ اور جب تم میں سے کوئی اکیلا اپنی نماز پڑھے تو وہ جس قدر چاہے اسے لمبا کرے۔

جہاں تک نمازوں میں قنوت کرنے کا معاملہ ہے تو احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے مسلمانوں پر کسی مصیبت کے وارد ہونے پر بھی کچھ وقت کیلئے قنوت کے طریق کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ رجیع اور بئر معونہ کے موقعہ پر دشمنان اسلام کی طرف سے بدعہدی اور دھوکہ دہی کے ساتھ صحابہ کی ایک بڑی جمعیت کی شہادت پر حضور ﷺ نے ان مخالف قبائل کے خلاف تیس روز تک قنوت فرمایا اور ان قبائل کے خلاف بددعا کی۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی)

اس کے علاوہ حضور ﷺ نے صحابہ کو وتر کی نماز میں قنوت کرنے کا بھی طریق سکھایا اور اس کیلئے مختلف دعائیں بھی صحابہ کو سکھائیں۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ بَاب الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ)

پس قنوت کا ایک طریق وہ ہے جو نماز وتر میں اختیار کیا جاتا ہے اور ایک قنوت خاص حالات میں مثلاً دشمن کی طرف سے کسی تکلیف کے پہنچنے پر یا کسی وباو غیرہ کے پھیلنے پر اختیار کیا جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی پیش خبری کے مطابق جب پنجاب میں طاعون پھیلی تو حضور علیہ السلام نے آنحضور ﷺ کی اسی سنت کی اتباع میں فرمایا کہ

”آجکل چونکہ وباء کا زور ہے اس لئے نمازوں میں قنوت پڑھنا چاہیے۔“

(البدر نمبر 15، جلد 2، مؤرخہ یکم مئی 1903ء صفحہ 115)

نیز فرمایا کہ

”چاہیے کہ ہر ایک شخص تہجد میں اٹھنے کی کوشش کرے اور پانچ وقت کی نمازوں میں بھی قنوت ملاویں۔“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 192 مطبوعہ 2016ء)

علاوہ ازیں حضور علیہ السلام نے قنوت میں پڑھی جانے والی دعاؤں کے متعلق بھی راہنمائی فرماتے ہوئے ہدایت دی کہ اس میں ادعیہ ماثورہ جو قرآن وحدیث میں آئی ہیں وہ ہی پڑھی جائیں۔

(اخبار بدر نمبر 31، جلد 6، مؤرخہ یکم اگست 1907ء صفحہ 12)

قنوت کے بارہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ ایک تو اسے مختلف نمازوں میں پڑھنا مسنون ہے، فرض نہیں۔ اس لئے اسے پڑھنا لازمی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نیز احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں قنوت کے نمازوں میں پڑھنے کی روایات تو ملتی ہیں لیکن نماز جمعہ میں پڑھنے کی کوئی روایت کہیں نہیں ملتی۔ اس لئے ایسی نیکیوں کو جن میں دوسرے لوگ بھی شامل ہو رہے ہوں اسی حد تک بجالانا چاہئیے جس حد تک شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ تاکہ کسی کو بھی تکلیف مالایطاق کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

سوال:۔ ایک دوست نے لونڈیوں سے جسمانی فائدہ اٹھانے نیز سود کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کے موقف کا ذکر کر کے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے اس بارہ میں راہنمائی چاہی۔ جس پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 15 فروری 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل ارشاد فرمایا:۔

جواب : اسلام کے ابتدائی دور میں دشمنان اسلام کی ظالمانہ کارروائیوں کے جواب میں اسلامی جنگوں کی اجازت کے نتیجہ میں جب دشمنوں کے دیگر اموال غنیمت کے ساتھ ان کی عورتیں بھی لونڈیوں کی صورت میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں تو سورۃ النساء کی بعض آیات کی روشنی میں میرا موقف یہی ہے کہ ان لونڈیوں کے ساتھ نکاح کے ذریعہ ہی تعلقات زوجیت استوار ہو سکتے تھے، اگرچہ اس نکاح کیلئے ان لونڈیوں کی رضامندی ضروری نہیں تھی اور نہ ہی لونڈی سے نکاح کے نتیجہ میں مرد کیلئے چار شادیوں تک کی اجازت پر کوئی فرق پڑتا تھا۔

ایسی لونڈیوں کے مسئلہ پر آپ نے جو اپنے موقف کا ذکر کیا ہے تو جیسا کہ میں نے اپنے پہلے جواب میں (جو بنیادی مسائل کے جوابات کی قسط نمبر 4 اور 5 میں شائع ہو چکا ہے) لکھا ہے کہ اس مسئلہ پر مختلف آراء موجود ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی موقف تھا کہ ان لونڈیوں سے تعلقات کیلئے نکاح کی ضرورت نہیں جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے دونوں قسم کے موقف ثابت ہیں۔

بہرحال نکاح ہوتا تھا یا نہیں ہوتا تھا، طریق جو بھی تھا لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر اس لونڈی کے ہاں اولاد ہو جاتی تھی تو مالک کی زندگی میں اسے ام الولد کا درجہ مل جاتا تھا، یعنی مالک نہ تو اس لونڈی کو فروخت کر سکتا تھا، نہ کسی اور کو ہبہ کر سکتا تھا اور مالک کی وفات کے بعد ایسی عورت کو آزادی کے پورے حقوق مل جاتے تھے اور وہ مکمل طور پر آزاد ہو جاتی تھی۔

باقی جہاں تک سود کا مسئلہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ قرآن وحدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں ہر زمانہ میں خلیفۂ وقت کی نگرانی میں علماء جماعت احمدیہ کے ذریعہ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کے بارہ میں غور کے بعد اپنا موقف بیان کرتی رہی ہے۔ اور اس وقت بھی سود سے تعلق رکھنے والے کئی امور پر جماعت غور کر رہی ہے۔

سوال:۔ ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ کیا میں اپنے کسی ایسے عیسائی، ہندو یا بدھ مت سے تعلق رکھنے والے دوست کی وفات پر اس کیلئے دعا کر سکتا ہوں جو جماعت احمدیہ کیلئے اچھے اور پیار کے جذبات رکھتا تھا؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 15 فروری 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا:

جواب : جیسا کہ میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ اسلام ہمیں کسی انسان سے نفرت نہیں سکھاتا بلکہ صرف اس کے بُرے فعل سے بیزاری کی تعلیم دیتا ہے۔ اور جہاں تک کسی کے جنت یا جہنم میں جانے کا معاملہ ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور کسی دوسرے انسان کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ اس دنیا میں بیٹھ کر کسی انسان کی جنت یا جہنم کا فیصلہ کرے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے انبیاء اور فرستادوں کو کسی شخص کے جنتی یا جہنمی ہونے کا علم دیدیتا ہے۔ لیکن اس شخص کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ”یقیناً جو لوگ (محمد رسول اللہ ﷺ پر) ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی بن گئے اور صابی اور نصرانی اور مجوسی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے شرک کیا۔ اللہ یقیناً ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ اللہ یقیناً ہر ایک چیز کا نگران ہے۔(الحج:18)

پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس مضمون کو بھی بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کے نیک عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ انسان کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جو یہودی ہیں نیز نصاریٰ اور صابی (ان میں سے) جو (فریق) بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر (کامل (ایمان لایا ہے اور اس نے نیک عمل کئے ہیں یقیناً ان کیلئے ان کے رب کے پاس ان کا (مناسب) اجر ہے۔(البقرہ:63)

پس کسی کی وفات پر افسوس کا اظہار کرنے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کی دعا پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کا رحم مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھنے سے تو خود پڑھنے والے کیلئے بھی دعا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی تکلیف یا نقصان کے پہنچنے پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اور اس دعا سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اے اللہ تو اس تکلیف کو دور فرما دے یا اس نقصان کو پورا فرما دے۔

اور جب کسی کی وفات پر ہم یہ دعا کرتے ہیں تو اس سے ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے اللہ اس انسان کے ساتھ جو میری توقعات وابستہ تھیں، اس کے مرنے کے بعد تو ان توقعات کو پورا فرما دے۔

اللہ تعالیٰ کا رحم بھی انسان کسی کیلئے بھی مانگ سکتا ہے، کیونکہ رحم کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس انسان پر کس وقت رحم کرنا ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے رحم کے نتیجہ میں جہنم بالکل خالی ہو جائے گی۔
(تفسیر الطبری، تفسیر سورۃ ہود آیت نمبر 108)

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ ہم جب مذہبی اور روحانی لحاظ سے "دل" کی بات کرتے ہیں تو کیا اس سے مراد وہی عضو ہوتا ہے جو خون کی گردش کا کام کرتا ہے یا پھر اس سے مراد روح اور دماغ ہوتا ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 19 فروری 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب ارشاد فرمایا:

جواب: عربی زبان میں عام طور پر دل کیلئے قلب اور فؤاد کے الفاظ آتے ہیں اور یہ دونوں الفاظ قرآن کریم میں ظاہری معنوں میں بھی استعمال ہوئے ہیں اور استعارہ کے رنگ میں بھی آئے ہیں۔ مثلاً دل پر پردہ پڑ جانا، دل میں ٹیڑھا پن ہونا، دل کا سخت ہو جانا، دل کا ایمان نہ لانا، دل میں مرض پیدا ہو جانا، دل پر مہر لگ جانا، دل پر زنگ لگ جانا، دل کا انکار کرنا، دل میں غیظ کا ہونا، دل کا شک کرنا، دل کا اندھا ہونا، دل کا گلے تک آ جانا، دل کا پھر جانا، دل کا نہ سمجھنا، دل کا نیکی اور برائی کمانا، دل کا اللہ کے ذکر سے غافل ہونا، دل کا پاک ہونا، دل کا اطمینان پانا، دل میں تقویٰ ہونا، دل کا مضبوط ہونا، دل کا ارادہ کرنا، دل میں ایمان کا داخل ہونا، دل پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہونا، دل کا فکر سے فارغ ہونا اور دل کا دیکھنا وغیرہ۔ اسی طرح احادیث میں بھی دل کو ظاہری معنوں کے علاوہ استعارہ کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے۔

پس قرآن و حدیث میں اس لفظ کے مختلف معانی کا استعمال بتاتا ہے کہ مذہبی اور روحانی زبان میں دل سے مراد صرف ایک جسمانی عضو نہیں ہے جو خون کی گردش کا کام کرتا ہے بلکہ مذہبی اور روحانی زبان میں اس لفظ کو استعارہ کے طور پر بھی کئی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس سے مراد روح، علم،

فہم، عقل، نیت، طبیعت، شجاعت اور فطرت وغیرہ کئی مطالب ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ قلب اور فؤاد کی لغوی تحقیق کے ضمن میں فرماتے ہیں:

”قلب...... کے معنے ہیں اَلْفُؤَادُ۔ دل...... اور کبھی قلب کا لفظ عقل پر بھی بولا جاتا ہے...... اور لفظ قلب کے ذریعہ ان کیفیات کو بیان کیا جاتا ہے جو روح۔ علم اور شجاعت وغیرہ اقسام کی اس کے ساتھ مخصوص ہیں...... قلب کے معنے سوچنے اور تدبر کے ہیں۔“

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 153)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”دل میں ایمان کے لکھنے سے یہ مطلب ہے کہ ایمان فطرتی اور طبعی ارادوں میں داخل ہو گیا اور جُزوِ طبیعت بن گیا اور کوئی تکلف اور تصنع درمیان نہ رہا۔ اور یہ مرتبہ کہ ایمان دل کے رگ وریشہ میں داخل ہو جائے اُس وقت انسان کو ملتا ہے کہ جب انسان روح القدس سے مؤید ہو کر ایک نئی زندگی پاوے اور جس طرح جان ہر وقت جسم کی محافظت کیلئے جسم کے اندر رہتی ہے اور روشنی اُس پر ڈالتی رہتی ہے اِسی طرح اِس نئی زندگی کی روح القدس بھی اندر آباد ہو جائے اور دل پر ہر وقت اور ہر لحظہ اپنی روشنی ڈالتی رہے اور جیسے جسم جان کے ساتھ ہر وقت زندہ ہے دل اور تمام روحانی قویٰ روح القدس کے ساتھ زندہ ہوں اِسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے بعد بیان کرنے اِس بات کے کہ ہم نے اُن کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا یہ بھی بیان فرمایا کہ روح القدس سے ہم نے اِن کو تائید دی کیونکہ جبکہ ایمان دلوں میں لکھا گیا اور فطرتی حروف میں داخل ہو گیا تو ایک نئی پیدائش انسان کو حاصل ہو گئی اور یہ نئی پیدائش بجُز تائید روح القدس کے ہر گز نہیں مل سکتی۔ رُوح القدس کا نام اِسی لئے روح القدس ہے کہ اُس کے داخل ہونے سے ایک پاک روح انسان کو مل جاتی ہے۔ قرآن کریم روحانی حیات کے ذکر سے بھرا پڑا ہے اور جابجا کامل مومنوں کا نام احیاء یعنی زندے اور کُفّار کا نام اموات یعنی مردے رکھتا ہے۔ یہ اِسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ کامل مومنوں کو روح القدس کے دخول سے ایک جان مل جاتی ہے اور کُفّار گو جسمانی طور پر حیات رکھتے ہیں مگر اُس حیات سے بے نصیب ہیں جو دل اور دماغ کو ایمانی زندگی بخشتی ہے۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 100 تا 102)

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

”قرآن شریف میں جو خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ آیا ہے اس میں خدا کے مہر لگانے کے یہی معنی ہیں کہ جب انسان بدی کرتا ہے تو بدی کا نتیجہ اثر کے طور پر اس کے دل پر اور منہ پر خدا تعالیٰ ظاہر کر دیتا ہے اور یہی معنے اس آیت کے ہیں کہ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَہُمْ یعنی جب کہ وہ حق سے پھر گئے تو خدا تعالیٰ نے ان کے دل کو حق کی مناسبت سے دور ڈال دیا اور آخر کو معاندانہ جوش کے اثروں سے ایک عجیب کایا پلٹ ان میں ظہور میں آئی اور ایسے بگڑے کہ گویا وہ وہ نہ رہے اور رفتہ رفتہ نفسانی مخالفت کے زہر نے ان کے انوار فطرت کو دبا لیا۔“

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 4847)

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کے متعلق حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اس کے عام معنی تو یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب اطمینان پاتے ہیں لیکن اس کی حقیقت اور فلسفہ یہ ہے کہ جب انسان سچے اخلاص اور پوری وفاداری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور ہر وقت اپنے آپ کو اس کے سامنے یقین کرتا ہے اس سے اس کے دل پر ایک خوف عظمت الٰہی کا پیدا ہوتا ہے وہ خوف اس کو مکروہات اور منہیات سے بچاتا ہے اور انسان تقویٰ اور طہارت میں ترقی کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ اس پر نازل ہوتے ہیں اور وہ اس کو بشارتیں دیتے ہیں اور الہام کا دروازہ اس پر کھولا جاتا ہے اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو گویا دیکھ لیتا ہے اور اس کی وراء الوراطاقتوں کو مشاہدہ کرتا ہے۔ پھر اس کے دل پر کوئی ہم و غم نہیں آسکتا اور طبیعت ہمیشہ ایک نشاط اور خوشی میں رہتی ہے۔“

(الحکم جلد 9 نمبر 32 مؤرخہ 10 ستمبر 1905ء صفحہ 8)

فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ان کا فطرت صحیحہ کے مطابق کام نہ کرنا بتاتا ہے کہ ان کے دل مریض ہیں کیونکہ اگر دل میں مرض نہ ہوتا تو کم سے کم یہ ان باتوں کو تو محسوس کرتے جو فطرت صحیحہ سے

پیدا ہوتی ہیں۔ جس طرح صفراء کی زیادتی سے زبان کا مزہ خراب ہو جاتا ہے اور میٹھا بھی کڑوا معلوم دیتا ہے اسی طرح جن کے دل مریض ہوں وہ اپنی فطرت کی آواز کو صحیح طور پر نہیں سن سکتے۔“

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 173)

پس قرآن و حدیث اور مذکورہ بالا ارشادات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہبی اور روحانی طور پر دل سے مراد صرف ایک جسمانی عضو نہیں ہے بلکہ اس لفظ کو استعارہ کے طور پر بھی کئی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 16 ستمبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 33

سوال :ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی بیان فرمودہ تفسیر میں سے حاملہ عورتوں پر چاند گرہن کے اثرات کے بارہ میں ایک اقتباس بھجوا کر دریافت کیا کہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس وقت حاملہ عورت نہ سوئے اور نہ ہی کوئی چھری چاقو وغیرہ استعمال کرے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 مارچ 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب : اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اس نے اپنے حکم سے چاند، سورج، سیاروں اور ستاروں کو انسان کی خدمت پر مقرر فرمایا ہے۔ اس لئے ان اجرام فلکی سے نکلنے والی شعاعیں اور ذرات مختلف انداز سے زمین اور زمین پر موجود اشیاء پر کئی طریقوں سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ عام زندگی میں سورج کی طرف دیکھنے سے ہماری بینائی پر کوئی بہت زیادہ بُرا اثر نہیں پڑتا لیکن سورج گرہن کے وقت بعض صورتوں میں سورج کی طرف دیکھنا انسانی بینائی کے ضائع کرنے کا باعث ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ہمارے مشاہد میں یہ بات بھی ہے کہ سورج کی روشنی کئی قسم کی زمینی بیماریوں کو دور کرنے کا موجب ہوتی ہے اور پھل، پھول، سبزیوں اور فصلوں پر مختلف طور پر اثر انداز ہوتی ہے نیز چاند کی روشنی بھی پھلوں میں مٹھاس پیدا کرنے اور کئی قسم کی سبزیوں اور پھل پھولوں پر اثر ڈالتی ہے۔

اگرچہ سائنس کی اب تک کی تحقیق چاند گرہن کے حاملہ عورتوں پر اثر انداز ہونے کی نفی کرتی ہے لیکن سائنسدان اس بات کے بہر حال قائل ہیں کہ چاند کی روشنی انسانی نیند پر اثر انداز ہوتی ہے، اسی طرح سورج سے نکلنے والے خاص قسم کے Neutrinos نامی لاکھوں ذرات انسانی جسم میں داخل ہوتے ہیں اور جسم میں موجود ایٹم ان ذرات کو جذب کرنے کی وجہ سے ایک نئی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن اس تغیر کا کوئی بد اثر انسانی جسم پر یا حاملہ عورت کے جنین پر نہیں ہوتا ہے۔

انسانی علم اور سائنسی تحقیقات اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے مقابلہ پر بہت ہی معمولی حیثیت رکھتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ خود سائنسی تحقیقات بھی مختلف زمانوں میں بدلتی رہی ہیں اور اب بھی ان میں ردّو بدل ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

گو رات اور دن ان اجرام فلکی کی تاثیرات کے ظہور کا نام ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ بھی سورج اور چاند اور ستاروں کے اثرات ہیں اور ان سے ایسی تاثیرات بھی دنیا پر پڑتی ہیں جو آنکھوں سے نظر آنے والی شعاعوں کے علاوہ دوسرے ذرائع سے انسان پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جیسے برقی یا مقناطیسی اثرات۔ اوران کے سوا اور کئی قسم کی تاثیرات ہیں جو سائنس روز بروز دریافت کر رہی ہے۔ اور کئی وہ شاید کبھی بھی دریافت نہ کر سکے۔

(تفسیر کبیر جلد چہار صفحہ 138)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنی مختلف تصانیف میں قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں چاند، سورج، ستاروں اور سیاروں کی زمین اور اہل زمین پر تاثیرات کے مضامین کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ تحفہ گولڑویہ میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"یہ ستارے فقط زینت کیلئے نہیں ہیں جیسا عوام خیال کرتے ہیں بلکہ اِن میں تاثیرات ہیں۔ جیسا کہ آیت وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ سے، یعنی حفظًا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی نظام دنیا کی محافظت میں ان ستاروں کو دخل ہے اُسی قسم کا دخل جیسا کہ انسانی صحت میں دوا اور غذا کو ہوتا ہے جس کو الوہیت کے اقتدار میں کچھ دخل نہیں بلکہ جبروت ایزدی کے آگے یہ تمام چیزیں بطور مردہ ہیں۔ یہ چیزیں بجز اذن الٰہی کچھ نہیں کر سکتیں۔ ان کی تاثیرات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ پس واقعی اور صحیح امر یہی ہے کہ ستاروں میں تاثیرات ہیں جن کا زمین پر اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس انسان سے زیادہ تر کوئی دنیا میں جاہل نہیں کہ جو بنفشہ اور نیلوفر اور تربد اور سقمونیا اور خیار شنبر کی تاثیرات کا تو قائل ہے مگر اُن ستاروں کی تاثیرات کا منکر ہے جو قدرت کے ہاتھ کے اوّل درجہ پر تجلّی گاہ اور مظہر العجائب ہیں جن کی نسبت خود خدا تعالیٰ نے حفظًا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ لوگ جو سراپا جہالت میں غرق ہیں اس علمی سلسلہ کو شرک میں داخل کرتے ہیں۔ نہیں جانتے جو دنیا میں خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت یہی ہے جو کوئی چیز اس نے لغو اور بے فائدہ اور

بے تاثیر پیدا نہیں کی جبکہ وہ فرماتا ہے کہ ہر ایک چیز انسان کیلئے پیدا کی گئی ہے تو اب بتلاؤ کہ سماء الدنیا کو لاکھوں ستاروں سے پُر کر دینا انسان کو اس سے کیا فائدہ ہے؟ اور خدا کا یہ کہنا کہ یہ سب چیزیں انسان کیلئے پیدا کی گئی ہیں ضرور ہمیں اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ ان چیزوں کے اندر خاص وہ تاثیرات ہیں جو انسانی زندگی اور انسانی تمدّن پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ جیسا کہ متقدمین حکماء نے لکھا ہے کہ زمین ابتدا میں بہت ناہموار تھی خدا نے ستاروں کی تاثیرات کے ساتھ اس کو درست کیا ہے۔"

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 282-283 حاشیہ)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یاد رہے کہ سائنس کی موجودہ تحقیق نے سپکٹرم کے ذریعہ سے جو ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعہ سے روشنی کی شعاعوں کو پھاڑ کر الگ الگ کر لیا جاتا ہے۔ یہ معلومات حاصل کی ہیں کہ فلاں ستارے میں فلاں قسم کی دھاتیں ہیں اور فلاں میں فلاں قسم کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف روشنی ہی نہیں بلکہ روشنی کے ساتھ مختلف دھاتوں کی تاثیرات بھی دنیا پر اُترتی رہتی ہیں اور ان سے اہل دنیا کے دماغ اور قویٰ پر مختلف اثرات نازل ہوتے رہتے ہیں۔ چاند کی شعاعوں کی تاثیرات تو کئی رنگ میں دنیا پر ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ عام طور پر ہمارے ملک میں مشہور ہے کہ چاند گرہن جب مکمل ہو تو حاملہ عورتوں پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ ایسے وقت میں حاملہ عورتیں کمروں سے باہر نہیں نکلتیں۔ گو عام طور پر اسے وہم سمجھا جاتا ہے۔ مگر میں نے اس سوال پر خاص طور پر غور کیا ہے اور معلوم کیا ہے کہ جب چاند گرہن مکمل ہو تو اس کے بعد بہت سی عورتوں کی زچگی سخت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اور ان میں بکثرت موتیں ہوتی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تکلیف اٹھانے والی عورتیں وہ ہوتی ہیں جو ایسے وقت میں چاند کو دیکھتی ہیں۔ یا اس کے بغیر بھی ان پر یہ تاثیر عمل کرتی ہے۔ مگر بہر حال میں نے کئی دفعہ اس کا تجربہ کیا ہے اور دوسروں کو بھی بتایا ہے۔ جنہوں نے اپنے تجربہ سے اس کی تصدیق کی ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ 138-139)

پس چاند، سورج اور دیگر سیاروں اور ستاروں کی تاثیرات کا زمین اور اہل زمین پر اثر انداز ہونا تو ثابت ہے لیکن گرہن کے وقت حاملہ عورت کے چاقو چھری وغیرہ استعمال کرنے یا اس کے اس وقت میں سونے یا نہ سونے سے اس کا کوئی تعلق نہیں، یہ محض توہمات ہیں۔

سوال: سنت اور نفل نمازوں کی تیسری اور چوتھی رکعات میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھنے کے بارہ میں ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے راہنمائی چاہی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 مارچ 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی:۔

جواب: احادیث میں جس طرح فرض نمازوں کی صرف پہلی دو رکعات میں سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھنے کی بابت صراحت پائی جاتی ہے۔ اس طرح کتب احادیث خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کہیں یہ وضاحت نہیں ملتی کہ سنت اور نفل نمازوں کی چاروں رکعات میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کا کچھ حصہ ضرور پڑھا جائے۔

فقہاء کا بھی اس بارہ میں اختلاف ہے۔ چنانچہ مالکی اور حنبلی مسالک والے سنت اور نفل نمازوں کی تمام رکعات میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھتے ہیں جبکہ حنفی اور شافعی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کا کوئی حصہ نہیں پڑھتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جیسا کہ آپ نے بھی اپنے خط میں ذکر کیا ہے اس معاملہ میں فرض اور سنت نماز میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح فرض نمازوں کی صرف پہلی دو رکعات میں سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھا جاتا ہے اسی طرح سنت اور نفل نمازوں کی بھی صرف پہلی دو رکعات میں ہی سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھا جائے گا اور تیسری اور چوتھی رکعات میں صرف سورۃ فاتحہ پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔ اور یہی میرا موقف ہے۔

سوال: ایک دوست نے آنحضور ﷺ کے ارشاد کہ "میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب حضرت آدم ابھی اپنی پیدائش کے بالکل ابتدائی مراحل میں تھے" کی ایک تشریح حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں پیش کر کے اس بارہ میں راہنمائی چاہی نیز اس مضمون کے حوالہ سے اس دوست نے دو حدیثوں کا حوالہ بھی حضور سے دریافت کیا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 مارچ 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے:

جواب : آنحضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے غیر معمولی اور بلند مرتبہ مقام کے حوالہ سے حضور ﷺ کے ارشاد اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَاِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ (مشکوۃ المصابیح کتاب الفضائل باب فضائل سید المرسلین ﷺ) کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت سے خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں جب آدم (علیہ السلام) ابھی اپنی گندھی ہوئی مٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ نیز حدیث قدسی لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ (روح المعانی از علامہ آلوسی جزو اوّل صفحہ 70 تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ داراحیاء التراث العربی بیروت ایڈیشن 1999ء) کہ اے محمد (ﷺ)! اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا، کی تشریح میں آپ نے جو نکتہ بیان کیا ہے کہ ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھی حضور ﷺ کے مقام خاتم النبیین کے بعد آئے اور زمین و آسمان بھی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اس مقام پر فائز کرنے کے بعد بنائے، ٹھیک ہے۔ جس کا پرانے علماء نے بھی ذکر کیا ہے اور یہ جماعتی لٹریچر میں بھی بیان ہوا ہے۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ بانیٔ دیو بند حضرت محمد قاسم نانوتوی کا ایک حوالہ کہ

"اوّل معنٰی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تا کہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنٰی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تأخر زمانی بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تأخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہو گی...... اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

بیان کر کے اس مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے حضورؒ فرماتے ہیں:

"یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ حضرت اقدس محمد ﷺ تو اس وقت بھی خاتم تھے کہ جبکہ انسان کا ابھی Blue Print تھا۔ ابھی وہ تخلیق کے تشکیلی مراحل سے گزر رہا تھا۔ تخلیق کو تشکیل دی جا رہی تھی۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ فرماتے ہیں میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جبکہ آدم ابھی اپنی تخلیق کی

مٹی میں لت پت تھا۔ کتنا عظیم الشان مضمون ہے۔ خاتمیت زمانہ سے بالا ہے۔ زمانہ کے ماتحت نہیں ہے۔ خاتم سے پہلے بھی کوئی نبی اس کی نبوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا، نہ بعد میں کوئی نبی ایسا آسکتا ہے جو اس کے مقابل پر ہو۔ لیکن بعد میں ایک لازم شرط ہے کہ مطیع ہو گا تو ہو گا ورنہ بالکل نہیں ہو گا۔ غلام آسکتا ہے غیر غلام نہیں آسکتا۔ اور پہلے بھی وہی نبی ہیں جن پر آپ کی مہر تصدیق ہے۔ اس مضمون کو سمجھنے کی لوگ کوشش نہیں کرتے، بہت عظیم الشان مضمون ہے۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو مسلمان خاتم کہہ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں بہت عظیم الشان ایک منفرد مرتبہ ہے جو کسی نبی کو حاصل نہیں۔ پوچھو کہ ثبوت کیا ہے؟ تو ان علماء سے پوچھ کے دیکھ لیجئے! کچھ ثبوت ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ کیسے پتہ چلا، کیسے دنیا پہ ثابت کر سکتے ہو؟ یہاں جب مغربی دنیا میں مجالس میں لوگ مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم لوگوں کے پاس کیا ثبوت ہے؟ میں کہتا ہوں میں تمہیں ثبوت دکھاتا ہوں۔ اس کا جواب نکال کے دکھاؤ۔ ساری دنیا میں جتنے انبیاء آئے ہیں ایک بھی نبی ایسا نہیں جس نے اپنے سلسلہ کے علاوہ دنیا کے دوسرے نبیوں کی تصدیق کی ہو۔ چراغ لے کے ڈھونڈو، تلاش کر کے مجھے دکھاؤ۔ ایک بھی نہیں۔ آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَکُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ میں تمام انبیاء پر اور سب رسولوں پر جو ایمان کو لازم قرار دیا ہے وہ ایک ہی تو ہے ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔ تو تصدیق کی مہر کس کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت اقدس کے سوا کوئی ہاتھ دکھاؤ تو سہی۔ یہ خاتمیت ہے۔ اس خاتمیت کے اعلیٰ اور ارفع مضمون کو چھوئے بغیر تم زمانی ختم کے اوپر آپڑے ہو اور کچھ پتہ نہیں کہ باتیں کیا کر رہے ہو۔ زمانی ختم مقام مدح میں نہیں ہے۔ مگر یہ ختم جو قرآن بیان فرما رہا ہے یہ ایسی مدح ہے کہ جس کی کوئی مثال دنیا میں دکھائی نہیں جاسکتی۔ تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ میں تو سب دنیا کو بتا رہا ہوں۔ کسی دنیا کے مذہب کو چیلنج دے دیں آپ کہ تمہارا اگر نبی کوئی بھی نبی صاحب خاتم تھا تو اس کی دوسرے نبیوں پہ تصدیق تو دکھاؤ۔ محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سوا ایک بھی نہیں جو خاتم النبیین ہو۔ تمام نبیوں کا مصدق ہو۔ پس آئندہ بھی اگر کوئی آئے تو آپ کی تصدیق کے بغیر نہیں آسکتا۔ اسی لئے ہم

حقیقت میں جب کہتے ہیں کہ امتی نبی تو مراد امام مہدی اور وہ مسیح موعود ہیں جن کی پیشگوئی کی گئی ہے، اس کے سوا ہماری کوئی مراد نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اس پر مہر تصدیق ثبت ہے۔ امام مہدی کے سوا ہم نے کب کسی کو نبی کہا ہے۔ پس وہی امام مہدی ہے اسی کو ہم امتی نبی کہتے ہیں۔"

(ملاقات پروگرام مؤرخہ 31 جنوری 1994ء)

باقی جو آپ نے حدیثوں کے حوالے پوچھے ہیں تو مشکوۃ میں درج حدیث اور اس کا حوالہ اس طرح ہے۔

عنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنِّي عِنْدَ اللَّهِ مَكْتُوبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ وسَأُخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ أَمْرِي دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ وَبِشَارَةُ عِيسَى وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُورٌ أَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الفضائل باب فضائل سید المرسلین ﷺ)

یعنی حضرت عرباض ابن ساریہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت سے خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں جب آدم (علیہ السلام) اپنی گندھی ہوئی مٹی میں پڑے تھے۔ اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میرا امر (یعنی میری پیدائش کے معاملہ کی ابتداء) حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت اور میری والدہ کا خواب ہے جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا کہ میری والدہ کے سامنے ایک نور ظاہر ہوا تھا جس نے شام کے محلات کو ان پر روشن کر دیا تھا۔

اور حدیث قدسی لَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کو علامہ آلوسی اور علامہ اسماعیل حقی نے اپنی تفاسیر میں درج کیا ہے۔ جبکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ مَعَ الْاِکْرَامِ لَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کے الفاظ میں اسے الہام فرمایا۔ نیز حضور علیہ السلام نے اس کا اپنی کتب میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ تفاسیر اور حضور علیہ السلام کی ان کتب کے حوالے حسب ذیل ہیں:

1۔ (روح المعانی از علامہ آلوسی جزو 29 صفحہ 306 تفسیر سورۃ النبأ زیر آیت 38۔ داراحیاء التراث العربی بیروت ایڈیشن 1999ء)

2۔ (روح البیان از علامہ حقی بروسوی جلد6 صفحہ24 تفسیر سورۃ النور زیر آیت 36۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت ایڈیشن2004ء)

3۔(تذکرہ صفحہ 525 ایڈیشن چہارم مطبوعہ ربوہ)

4۔(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد22 صفحہ 102)

سوال :ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ حال ہی میں امریکہ کے ڈاکٹروں نے انسانی جان بچانے کیلئے سؤر کے دل کو بیمار انسان کے جسم میں ٹرانسپلانٹ کیا ہے۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 02 فروری2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب : میں پہلے بھی کسی موقعہ پر اس بارہ میں بتا چکا ہوں کہ جہاں انسانی جان بچانے کا سوال ہو، وہاں اس قسم کے طریق علاج میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ شراب کو بھی اسلام نے حرام قرار دیا ہے لیکن دوائیاں جو انسانی جان بچانے کا موجب ہوتی ہیں، ان میں اس کا استعمال جائز ہے۔ کیونکہ یہ سب اضطرار کی حالتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں سؤر کے گوشت کی حرمت بیان فرمائی ہے وہاں اضطراری حالت میں اس کے استعمال کی اجازت بھی دی ہے۔

پس علاج کے طور پر جان بچانے کیلئے انسانی جسم میں سؤر کے دل کی ٹرانسپلانٹیشن کرنا جو دراصل ایک اضطرار ہی کی حالت ہے، جائز ہے اور اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

پرانے علماء وفقہاء میں سے بعض کا کہنا ہے کہ سؤر کا گوشت کھانا منع ہے لیکن اس کے بال اور کھال وغیرہ کا استعمال جائز ہے اور بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس کی چربی کھانا بھی جائز ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک عام حالات میں سؤر کی کسی بھی چیز کا ایسا استعمال جو کھانے کے مفہوم میں شامل ہو جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سورۃ البقرہ کی آیت 174 کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس آیت میں جو لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ فرمایا اس کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے کہ لحم میں چربی بھی شامل ہے یا نہیں۔ جہاں تک لغت کا سوال ہے شَحْم یعنی چربی کو لَحْم سے الگ قسم کا خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن

مفسرین کہتے ہیں کہ لحم کے نام میں شحم شامل ہے۔ گو مفسرین کی دلیل ذوقی ہے اور لغت والوں کی بات اس مسئلہ میں زیادہ قابل اعتبار ہے۔ مگر اس کے باوجود میرے نزدیک سؤر کی شحم یعنی چربی جائز نہیں اور اس کی دلیل میرے پاس یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مردہ جانور کی چربی حرام ہے اور سؤر کی حرمت اور مردہ کی حرمت ایک ہی آیت میں اور ایک ہی الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ پس دونوں کا حکم ایک قسم کا سمجھا جائے گا۔ لیکن سؤر کی جلد کا استعمال جائز ہو گا کیونکہ وہ کھائی نہیں جاتی۔

(تفسیر کبیر جلد چہارم تفسیر سورۃ النحل صفحہ 260)

اسی طرح اس سوال کہ ٹوتھ برش کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، یہ برش اکثر سؤر کے بالوں سے بنائے جاتے ہیں؟ کا جواب دیتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”ہماری تحقیقات تو یہ ہے کہ سب کے سب برش سؤر کے بالوں کے نہیں ہوتے۔ باقی رہا سؤر کے بالوں کا استعمال۔ یہ شرعی لحاظ سے جائز ہے۔ کیونکہ سؤر کا گوشت حرام کیا گیا۔ جو کھانے کی چیز ہے اور بال کوئی کھاتا نہیں۔ ایک بڑے بزرگ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ سؤر کی چربی بھی جائز ہے کیونکہ سؤر کا لحم حرام کیا گیا ہے نہ کہ چربی۔ دوسرے فقہاء نے کہا ہے۔ یہ فتویٰ دینے والے کی بزرگی میں تو کلام نہیں مگر اُن کا یہ استدلال غلط ہے۔ ان کو زبان کے لحاظ سے غلطی لگی ہے۔ کیونکہ چربی لحم میں شامل ہوتی ہے۔ انہوں نے علیحدہ سمجھی ہے۔“

(اخبار الفضل قادیان دارالامان نمبر 5 جلد 16 مؤرخہ 17 جولائی 1928ء صفحہ 7)

یہودی مذہب میں بھی سؤر کی افزائش اور اس کا کھانا حرام ہے لیکن انسانی جان بچانا چونکہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے اس لئے عصر حاضر کے یہودی علماء کے نزدیک سؤر سے دل کا حصول یہودی ضوابط خوراک کی کسی بھی طرح خلاف ورزی نہیں ہے۔

اسی طرح عصر حاضر کے بعض مسلمان علماء نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ اگر مریض کی زندگی ختم ہونے، اس کے کسی عضو کی ناکامی، مرض کے پھیلنے اور شدید تر ہونے، یا جسم کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو سؤر کے دل کے Valve انسان کو لگائے جاسکتے ہیں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 30 ستمبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 34

سوال :ایک خاتون سورۃ النور کی ایک آیت کی خود تشریح کر کے اسے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں پیش کر کے اس بارہ میں راہنمائی چاہی نیز پوچھا کہ کیا ایسا کرنے کی اجازت ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 مارچ 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی:

جواب: آپ نے اس آیت کی جو تشریح کی ہے، اچھی ہے۔ اور آپ کی تشریح میں بیان تقریباً ساری باتیں جماعتی لٹریچر میں بھی موجود ہیں۔ ایک آدھ بات آپ نے زائد بیان کی ہے۔ مثلاً یہ کہ زیتون کا تیل 550 ڈگری پر جلتا ہے اس لئے اس کے دیئے کے گرنے سے آگ نہیں بھڑکتی۔ شاید یہ بھی جماعتی لٹریچر میں کسی جگہ بیان ہوئی ہے لیکن میری نظر سے نہیں گزری۔

باقی جہاں تک قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی بات ہے تو اس کیلئے بنیادی طور پر قرآن کریم میں بیان تعلیمات، آنحضور ﷺ کی سنت، احادیث نبویہ ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا وسیع اور گہرا علم ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد انسان قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے کا اہل ہو سکتا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفسیر القرآن کے جو اصول بیان فرمائے ہیں، انہیں مختصراً میں آپ کے استفادہ کیلئے یہاں درج کر رہا ہوں۔

حضورؓ نے ایک رویاء کی بناء پر قرآن کریم کی تفسیر کے تین اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا:

جب تم میں کسی آیت کے مفہوم کے متعلق اختلاف پیدا ہو جائے تو تم قرآن کریم کی دوسری آیتوں پر غور کیا کرو کہ وہ کن معنوں کی تائید کرتی ہیں۔ اگر آیات نہ ملیں تو احادیث نبوی میں اس کا مفہوم تلاش کرو اور اگر احادیث نبوی سے بھی تمہیں اس کے معنی نہ ملیں تو کسی ملہم کے کلام اور اس کی

تشریحات کی طرف دیکھو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ سے تازہ روشنی اور الہام پانے کی وجہ سے اس کا ذہن منور ہو جاتا ہے۔

(ماخوذ از خطبات محمود جلد 28، خطبہ ارشاد فرمودہ مؤرخہ 21 نومبر 1947ء)

حضورؓ اپنی تصنیف ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کارنامے'' میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ اصول تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے۔ قرآن کریم پر غور کرے اور اس بات کو مد نظر رکھے کہ اس کا ہر ایک لفظ ترتیب سے رکھا گیا ہے۔ اس کا کوئی لفظ بے مقصد نہیں ہے۔ اس کا کوئی لفظ بے معنی نہیں ہے۔ قرآن کریم اپنے ہر دعویٰ کی دلیل خود بیان کرتا ہے۔ قرآن کریم اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ قرآن کریم میں تکرار نہیں ہے۔ قرآن کریم میں محض قصے نہیں ہیں۔ قرآن کریم کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کی سنت میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ عربی زبان کے الفاظ مترادف نہیں ہوتے بلکہ اس کے حروف بھی اپنے اندر مطالب رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کی سورتیں بمنزلہ اعضاء انسانی ہیں جو ایک دوسرے سے مل کر اور ایک دوسرے کے مقابل پر اپنے کمال ظاہر کرتی ہیں۔

(ملخص از حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کارنامے، انوار العلوم جلد 10 صفحہ 157-159)

یہ زریں اصول مد نظر رکھ کر آپ اگر سمجھتی ہیں کہ آپ قرآن کریم کی تشریح کا حق ادا کر سکتی ہیں تو ضرور لکھا کریں اور لکھ کر بے شک مجھے بھیج دیا کریں۔ اور ویسے بھی قرآن کریم کسی ایک طبقہ کی ملکیت اور میراث نہیں ہے بلکہ یہ تمام بنی نوع انسان کیلئے ہدایت اور راہنمائی کا سرچشمہ ہے اور ہر طبقہ اور ہر درجہ کا انسان اپنی اپنی استعداد اور اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ملنے والے علوم قرآن کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پانچواں اصولی علم جو آپؑ کو دیا گیا ہے یہ ہے کہ قرآن ذوالمعانی ہے اس کے کئی بطون ہیں۔ اس کو جس عقل اور جس فہم کے آدمی پڑھیں اس میں ان کی سمجھ اور ان کی استعداد کے مطابق سچی تعلیم موجود ہے گویا الفاظ ایک ہیں لیکن مطالب متعدد ہیں اگر معمولی عقل کا آدمی پڑھے تو وہ اس میں ایسی موٹی موٹی تعلیم دیکھے گا جس کا ماننا اور سمجھنا اس کیلئے کچھ بھی مشکل نہ ہو گا اور اگر متوسط درجہ کے علم کا آدمی

اس کو پڑھے گا تو وہ اپنے علم کے مطابق اس میں مضمون پائے گا اور اگر اعلیٰ درجہ کے علم کا آدمی اس کو پڑھے گا تو وہ اپنے علم کے مطابق اس میں علم پائے گا، غرض یہ نہ ہو گا کہ کم علم لوگ اس کتاب کا سمجھنا اپنی عقل سے بالا پائیں یا اعلیٰ درجہ کے علم کے لوگ اس کو ایک سادہ کتاب پائیں اور اس میں اپنی دلچسپی اور علمی ترقی کا سامان نہ دیکھیں۔

(دعوۃ الامیر، انوار العلوم جلد 7 صفحہ 513)

سوال :ایک غیر از جماعت عرب خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ میں نے ابھی بیعت نہیں کی کیونکہ ڈرتی ہوں کہ شاید شرائط بیعت کو پورا نہ کر سکوں۔ لیکن کیا میں اپنی سہیلیوں کو تبلیغ کر سکتی ہوں؟ نیز آسمانی بروج کے بارہ میں راہنمائی چاہی اور پوچھا ہے کہ کیا یہ کہنا درست ہے کہ میرا فلاں برج ہے؟ نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو شمس و نجوم کی تاثیرات کا ذکر فرمایا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 مارچ 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے:

جواب : اللہ تعالیٰ کے قرب کو پانے کیلئے مجاہدہ اور دعا لازمی شرط ہے۔ کسی نیکی کو پانے کیلئے صرف ارادہ کافی نہیں عمل بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جب اپنی سچی راہ دکھا دی ہے تو اب آپ کا کام ہے کہ دعا اور مجاہدہ کے ساتھ اس کا قرب پانے کی کوشش کریں۔ جب ایسا کریں گی تو اللہ تعالیٰ آپ کیلئے اپنے فضل سے اور بھی آسانیاں پیدا فرما دے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تقویٰ کا مرحلہ بڑا مشکل ہے اسے وہی طے کر سکتا ہے جو بالکل خدا کی مرضی پر چلے جو وہ چاہے وہ کرے اپنی مرضی نہ کرے۔ بناوٹ سے کوئی حاصل کرنا چاہے تو ہرگز نہ ہو گا۔ اس لئے خدا کے فضل کی ضرورت ہے اور وہ اسی طرح سے ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو دعا کرے اور ایک طرف کوشش کرتا رہے خدا تعالیٰ نے دعا اور کوشش دونوں کی تاکید فرمائی ہے اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ میں تو دعا کی تاکید

فرمائی ہے اور جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں کوشش کی۔ جب تک تقویٰ نہ ہو گا اولیاء الرحمٰن میں ہر گز داخل نہ ہو گا اور جب تک یہ نہ ہو گا حقائق اور معارف ہر گز نہ کھلیں گے۔"

(البدر جلد 3 نمبر 2 مؤرخہ 8 جنوری 1904ء صفحہ 3)

خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے انعامات کے شکرانہ کا ایک طریق یہ ہے کہ ان انعامات میں دوسروں کو بھی شریک کیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کی جو احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ اب آپ بھی جس طرح بہتر سمجھیں اپنی سہیلیوں کو اس سچی راہ کی تبلیغ کر کے اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا شکر ادا کر سکتی ہیں۔

آسمانی برجوں کا قرآن میں مختلف جگہوں پر ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (الحجر :17) اور یقیناً ہم نے آسمان میں (ستاروں کی) کئی منزلیں بنائی ہیں۔ پھر فرمایا تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (الفرقان:62) یعنی برکت والی ہے وہ ہستی جس نے آسمان میں ستاروں کے ٹھہرنے کے مقام بنائے ہیں۔ پھر فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ (البروج:2) یعنی میں برجوں والے آسمان کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند، کواکب اور نجوم وغیرہ اجرام فلکی کا بھی قرآن کریم میں بکثرت ذکر فرمایا ہے۔

احادیث نبوی ﷺ میں ان اجرام فلکی کا ذکر مختلف معنوں میں ملتا ہے۔ چنانچہ احادیث میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ قیصر روم ہرقل (جو علم النجوم کا بہت بڑا ماہر تھا) نے ستاروں کی نقل حرکت سے اندازہ لگالیا تھا کہ حضور ﷺ کی بعثت ہو چکی ہے یا آپ کی بعثت کا زمانہ قریب ہے۔

(صحیح بخاری کتاب بدء الوحی)

پھر حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ستارے آسمان کی زینت کیلئے، شیاطین کو مارنے کیلئے اور راستہ معلوم کرنے کیلئے علامت کے طور پر بنائے گئے ہیں اور جس نے اس سے ہٹ کر ان کی کوئی اور تاویل کی تو اس نے غلطی کی اور ایک ایسی چیز کے درپے ہوا جس کا اسے کوئی علم نہیں۔

(صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب فی النجوم)

اسی طرح فرمایا جس نے نجوم کے ذریعہ سے کچھ سیکھا اس نے جادو کا ایک حصہ پایا۔(سنن ابی داود کتاب الطب باب فی النجوم) پھر حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ سورج اور چاند کے گرہن کا کسی کی موت و حیات سے کوئی تعلق نہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الجمعة باب بَاب الصَّلَاةِ فِی کُسُوفِ الشَّمْسِ)

لیکن سورج اور چاند کے گرہنوں کو حضور ﷺ نے اپنے مہدی کے مبعوث ہونے کے دو بے مثل نشان قرار دیئے، جو اپنے وقت پر پوری شان کے ساتھ پورے ہوئے اور مسیح محمدی کی صداقت پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر گئے۔

(سنن دار قطنی کتاب العیدین باب صِفَةِ صَلاَةِ الْخُسُوفِ وَالْكُسُوفِ وَهَيْئَتِهِمَا)

قرآن و حدیث کی ان تعلیمات کی روشنی میں علمائے امت اجرام فلکی کی خدائی مشیت کے بغیر از خود زمینی حوادث پر اثر ڈالنے کی تاثیرات کے عقیدہ کو شرک قرار دیتے ہیں۔ نیز ان اجرام فلکی کی حرکات و سکنات سے غیب کی خبریں معلوم کرنے کے نظریہ کو شیطانی اور گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں۔ تاہم ان کی رفتار و حرکات کے ذریعہ وقت اور زمانہ کے تعین اور موسموں وغیرہ کی تبدیلی کے قائل ہیں۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں اجرام فلکی کا نہایت بصیرت افروز ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں مخالفین کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’ہم یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ سورج، چاند اور ستاروں میں سے کوئی ایک بھی اپنے فعل میں مستقلاً آزاد اور ذاتی طور پر مؤثر ہے یا اسے افاضہ تاثیرات میں کوئی اختیار ہے یا انوار کے پہنچانے اور بارشوں کو برسانے اور ابدان، اجسام اور ثمرات کی نشوونما میں انہیں بالارادہ کوئی دخل ہے...... اور اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اشیاء کے خواص ایک حقیقت ہیں اور ان میں اس علیم و حکیم خدا کے اذن سے جس نے کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی، تاثیرات ہیں...... اور حق یہ ہے کہ سورج، چاند اور ستاروں کی تاثیرات ایسی چیزیں ہیں جنہیں مخلوق ہر وقت اور ہر آن دیکھتی ہے اور ان سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ مثلاً موسموں اور ان کی حالتوں کا اختلاف اور ہر موسم کا مخصوص امراض، معروف

نباتات اور مشہور کیڑے مکوڑوں کے ساتھ خاص ہونا ایسی چیز ہے جسے تو جانتا ہے......اور تو جانتا ہے کہ جب سورج طلوع ہو اور روشنیاں پھیلیں تو بلا شبہ اس وقت نباتات، جمادات اور حیوانات میں خاص اثر ہوتا ہے۔ پھر جب دن ڈھلنے اور غروب ہونے کے قریب ہو تو اس وقت میں اور طرح کی تاثیرات ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ سورج کے بُعد اور اس کے قُرب کا درختوں، پھلوں، پتھروں اور بنی آدم کے مزاجوں میں نمایاں اثر اور قوی تاثیرات ہوتی ہیں......اور چاند کی کتنی خاصیتیں ہیں جنہیں دہقان اور زراعت پیشہ لوگ جانتے ہیں......اور حکماء اس بات پر متفق ہیں کہ لوگوں کی سب سے زیادہ معتدل صنف خط استواء میں رہنے والے لوگ ہیں اور خاص تاثیر ہی ان کی صحت کامل اور ان کے فہم اور فراست کی برتری کا سبب ہے۔"

(حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 285-288)

آسمانی برجوں کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"رحمٰن وہ ذات کثیر البرکت اور مصدر خیرات دائمی ہے جس نے آسمان میں برج بنائے۔ برجوں میں آفتاب اور چاند کو رکھا جو کہ عامہ مخلوقات کو بغیر تفریق کافر و مومن کے روشنی پہنچاتے ہیں۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 448 حاشیہ نمبر 11)

پھر ان اجرام فلکی کی تاثیرات کے بارہ میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یہ ستارے فقط زینت کیلئے نہیں ہیں جیسا عوام خیال کرتے ہیں بلکہ اِن میں تاثیرات ہیں۔ جیسا کہ آیت وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ ۖ وَحِفْظًا سے، یعنی حِفْظًا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی نظام دنیا کی محافظت میں ان ستاروں کو دخل ہے اُسی قسم کا دخل جیسا کہ انسانی صحت میں دوا اور غذا کو ہوتا ہے جس کو الوہیت کے اقتدار میں کچھ دخل نہیں بلکہ جبروت ایزدی کے آگے یہ تمام چیزیں بطور مردہ ہیں۔ یہ چیزیں بجز اذن الٰہی کچھ نہیں کر سکتیں۔ ان کی تاثیرات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ پس واقعی اور صحیح امر یہی ہے کہ ستاروں میں تاثیرات ہیں جن کا زمین پر اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس انسان سے زیادہ تر کوئی دنیا میں جاہل نہیں کہ جو بنفشہ اور نیلوفر اور تربد اور سقمونیا اور خیار شنبر کی تاثیرات کا تو قائل ہے مگر اُن ستاروں کی تاثیرات کا منکر ہے جو قدرت کے ہاتھ کے اوّل درجہ پر تجلی گاہ اور مظہر العجائب ہیں جن کی نسبت خود خدا تعالیٰ نے حفظًا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ لوگ جو سراپا جہالت میں غرق ہیں اس علمی سلسلہ کو

شرک میں داخل کرتے ہیں۔ نہیں جانتے جو دنیا میں خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت یہی ہے جو کوئی چیز اس نے لغو اور بے فائدہ اور بے تاثیر پیدا نہیں کی جبکہ وہ فرماتا ہے کہ ہر ایک چیز انسان کیلئے پیدا کی گئی ہے تو اب بتلاؤ کہ سماء الدنیا کو لاکھوں ستاروں سے پُر کر دینا انسان کو اس سے کیا فائدہ ہے؟ اور خدا کا یہ کہنا کہ یہ سب چیزیں انسان کیلئے پیدا کی گئی ہیں ضرور ہمیں اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ ان چیزوں کے اندر خاص وہ تاثیرات ہیں جو انسانی زندگی اور انسانی تمدّن پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ جیسا کہ متقدمین حکماء نے لکھا ہے کہ زمین ابتدا میں بہت ناہموار تھی خدا نے ستاروں کی تاثیرات کے ساتھ اس کو درست کیا ہے۔"

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 282-283 حاشیہ)

پس مذکورہ بالا حوالہ جات سے مستنبط ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں جو چاند، سورج، سیارے اور ستارے نیز بروج کے نام پر ان کی مختلف منزلیں اور مقام بنائے ہیں، یہ بلا مقصد نہیں ہیں۔ بلکہ جہاں ان اجرام فلکی کی حرکات و سکنات کے نتیجہ میں ہماری زمین پر دن رات ادلتے بدلتے ہیں، سال، مہینے اور دن بنتے، موسموں میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ وہاں یہ اجرام بہت سے اور طریقوں سے بھی زمین اور اہل زمین پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ ان کی بعض تاثیرات کا ہم اپنی روز مرہ کی زندگی میں مشاہدہ بھی کرتے رہتے ہیں اور ان کی کئی نئی تاثیرات سائنس روز بروز دریافت بھی کرتی رہتی ہے۔ اور شاید کئی تاثیرات سائنس کبھی بھی دریافت نہ کر سکے۔

علم النجوم کے ماہرین اور ہیئت دانوں نے سورج کے ستاروں میں حرکت کرنے اور زمین کے سورج کے گرد چکر لگانے کے حوالہ سے مختلف حساب لگا کر سال کے بارہ مہینوں کے لحاظ سے بارہ حصے بنائے ہیں اور انہیں بارہ برجوں کے نام دیئے ہیں۔ کسی کی تاریخ پیدائش کے اعتبار سے اسے کسی برج کے تحت شمار کرنے میں تو بظاہر کوئی حرج کی بات نہیں لیکن ان خیالی اور فرضی برجوں سے علم غیب حاصل کرنے اور آئندہ زندگی کے بارہ میں پیشگوئیوں کے دعاوی سب اٹکل پچو اور تک بندیوں کے زمرہ میں آتا ہے۔ اس کا حقیقت اور مصفیٰ علم غیب سے کوئی بھی تعلق نہیں۔

سوال :مالی لین دین کے ایک قضائی معاملہ میں ایک فریق کے محترم مفتی صاحب سے اس معاملہ کی بابت فتویٰ کی درخواست کرنے اور اس درخواست کی نقل حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں پیش کرنے پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے درخواست دہندہ کو اپنے مکتوب مؤرخہ 25مارچ 2021ء میں اس بارہ میں اصولی ہدایت دیتے ہوئے درج ذیل ارشاد فرمایا:

جواب : آپ نے اپنے تنازعہ کے بارہ میں فتویٰ کے حصول کیلئے جو تفصیلی خط محترم مفتی سلسلہ صاحب کو بھجوایا تھا اور اس کی ایک نقل مجھے بھی بھجوائی تھی۔ میں نے محترم مفتی صاحب کو آپ کے اس خط کا جواب دینے کی ہدایت دی تھی اور ساتھ انہیں لکھا تھا کہ وہ اس جواب کی ایک نقل مجھے بھی بھجوائیں۔

محترم مفتی صاحب کا فتویٰ نیز آپ کے تنازعہ سے متعلق دارالقضاء یوکے اور شعبہ امور عامہ یوکے میں موجود فائلز اسی طرح عدالت کے فیصلہ کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو فیصلہ ہوا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور عدالت نے جو (حرجانہ کی) زائد رقم آپ کے ذمہ ڈالی ہے وہ سود کے زمرہ میں ہرگز نہیں آتی۔ عدالت کی نظر میں وہ فریق ثانی کا حق ہے اور شرعی لحاظ سے بھی فریق ثانی کے اس رقم کے لینے میں کوئی امر مانع نہیں، وہ اس رقم کو وصول کر سکتے ہیں۔

سوال :روزہ کے دوران کورونا ویکسین کا انجیکشن لگوانے کے جواز کی بابت ایک غیر از جماعت ادارہ کے فتویٰ کی الفضل انٹرنیشنل میں اشاعت پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 اپریل 2021ء میں اس شرعی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : ایسی خبریں اور فتوے الفضل میں شائع کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے اسے شائع کرنا ناگزیر تھا تو ساتھ ہی جماعتی مسلک بھی شائع کرنا چاہئیے تھا کہ یہ فلاں ادارہ کا فتویٰ ہے۔ جبکہ جماعتی مسلک اس کے برعکس ہے۔ تاکہ آپ کا یہ خبرنامہ پڑھ کر کسی کو غلطی نہ لگتی۔

بہر حال فوری طور پر اب اس کی تردید شائع کریں اور اس میں صاف صاف جماعتی مسلک درج کریں کہ روزہ کی حالت میں ہر قسم کا انجیکشن خواہ وہ Intramuscular ہو یا Intravenous ہو لگوانا منع ہے۔ اور اگر کسی احمدی کو کورونا ویکسین کی Appointment رمضان میں ملتی ہے تو اسلام نے جو رخصت دی ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ انجیکشن والے دن روزہ نہ رکھے اور رمضان کے بعد اس روزہ کو پورا کر لے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو احادیث نبویہؐ سے استدلال فرماتے ہوئے روزہ کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ لگانے کی بھی اجازت نہیں دی۔ اور آپ الفضل میں اس فتویٰ کے مطابق انجیکشن کو بھی جائز قرار دے رہے ہیں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 14 اکتوبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 35

سوال :ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ حدیث رسول ﷺ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيمَانِ کے بارہ میں بعض غیر احمدی علماء بحث کرتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کا قول نہیں اور اس کا حوالہ مانگتے ہیں۔ میں نے حوالہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن مجھے نہیں ملا۔ ہمیں ان غیر احمدی علماء کو اس کا کیا جواب دینا چاہئے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 اپریل 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ارشاد فرمایا:

جواب : حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ مختلف کتب میں روایت ہوئی ہے۔ مثلاً علامہ ملا علی قاری نے اپنے تصنیف الموضوعات الکبریٰ میں، حافظ شمس الدین ابی الخیر محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی نے اپنی کتاب المقاصدُ الحسنۃ فی بیانِ کثیرٍ مِنَ الاحادیثِ المُشتہِرۃِ عَلٰی الْاَلْسِنَۃِ میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تالیف الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ میں اسے درج کیا ہے۔

حضور ﷺ کی اس حدیث کے بارہ میں بعض علماء سلف نے فضول بحثیں کر کے اور عجیب و غریب دلائل دے کر اس کے قول رسول ﷺ ہونے سے انکار کیا ہے اور اسے بعض سلف کا کلام قرار دیا ہے۔ جبکہ علماء کی یہ تمام بحثیں اور دلائل دوسری احادیث کی روشنی میں اور قرآن کریم میں بیان تعلیم کو سامنے رکھتے ہوئے قابل ردّ ٹھہرتی ہیں۔ لہٰذا علماء کی ان دلیلوں کی بناء پر اس حدیث کے حضور ﷺ کا قول ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

علماء کی دلیل یہ ہے کہ وطن کی محبت اور ایمان کے درمیان کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ وطن سے محبت تو کفار اور منافقین بھی کرتے تھے، حالانکہ ان کا ایمان سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں تھا۔ پھر وطن کی محبت کو ایمان کا حصہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

علماء سلف کی یہ دلیل اس لئے قابل قبول نہیں کہ احادیث کی مستند کتب میں مروی حضور ﷺ کی کئی ایسی حدیثیں ہیں جن کا مضمون اس مذکورہ بالا حدیث کے مضمون کی طرح مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کفار اور منافقین پر بھی اطلاق پاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی یہ حدیث کہ حضور ﷺ نے فرمایا لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ (صحیح بخاری کتاب الایمان) یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں بن سکتا، جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ (بخاری کتاب الایمان) یعنی حضور ﷺ ایک انصاری صحابی کے پاس سے گذرے جو اپنے بھائی کو حیاء کے بارہ میں نصیحت کر رہا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے (حیاء کے بارہ میں نصیحت کرنا) چھوڑ دو کیونکہ حیاء ایمان کا حصہ ہے۔ اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ کیا اپنے بھائی کیلئے وہی کچھ پسند کرنا جو انسان اپنے لئے پسند کرتا ہے یا حیاء کی صفت کو اپنانا صرف مومنوں کیلئے ہے اور کفار اور منافقین ایسا نہیں کر سکتے؟ یعنی اگر کوئی کافر یا منافق اپنے بھائی کیلئے وہی کچھ پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے یا کوئی کافر یا منافق حیاء کرنے والا ہو تو کیا اس بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کیونکہ ان باتوں میں کافر اور منافق بھی شامل ہو سکتے ہیں، اس لئے یہ احادیث (نعوذ باللہ) حضور ﷺ کے اقوال نہیں ہو سکتے۔

پھر قرآن و حدیث میں عہدوں کو پورا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے اور اسے ایک اچھی صفت گردانا گیا ہے۔ اب اگر کوئی کافر یا منافق بھی اپنے عہد کو پورا کر دے تو کیا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ عہدوں کو پورا کرنے کی تاکید قرآنی حکم نہیں ہے یا حضور ﷺ کا قول نہیں ہے کیونکہ کفار اور منافقین بھی اس پر عمل کر رہے ہیں۔

پس علماء سلف کے ان دلائل کی بناء پر ہم ہرگز یہ ماننے کو تیار نہیں کہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيمَانِ کے نہایت پر حکمت الفاظ پر مبنی حدیث حضور ﷺ کا قول نہیں۔ یہ یقیناً حضور ﷺ کے دہن مبارک سے

ہی بیان ہونے والے الفاظ ہیں جنہیں مذکورہ بالا کتب نے بیان کیا اور ان کتب کے مکمل حوالہ جات آپ کے ازدیاد علم کیلئے میں یہاں درج کر رہا ہوں۔

1. المقاصدُ الحسنة فی بیانِ کثیرٍ مِنَ الاحادیثِ المُشتہِرۃِ عَلٰی الْاَلْسِنَۃِ، تالیف الامام الحافظ الناقد المورخ شمس الدین ابی الخیر محمد بن عبد لرحمٰن السخاوی المتوفی 902ہجری۔ کتاب الایمان

2. الدرر المنتثرة فی الاحادیث المشتھرة، تالیف علامه جلال الدین سیوطی، حرف الحاء۔ (جزء1 صفحہ 9)

3. (الموضوعات الکبیر تالیف مُلّا علی القاری صفحہ 193-197 ناشر قرآن محل، اردو بازار، کراچی)

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ کیا مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ قوم لوط کے دو شہروں سدوم اور عمورہ کے لوگوں کو ان کے گناہوں زنا اور ہم جنس پرستی وغیرہ کی پاداش میں جلا دیا گیا تھا اور کیا یہ بات قرآن کریم سے ثابت ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 26 اپریل 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے:

جواب: قرآن نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ حضرت لوط کی قوم کو جلایا گیا تھا بلکہ یہ بائبل کا بیان ہے۔ چنانچہ بائبل میں لکھا ہے کہ ”تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورہ پر آسمان سے جلتی ہوئی گندھک برسائی۔ اس طرح اس نے ان شہروں کو اور سارے میدان کو، ان شہروں کے باشندوں اور زمین کی ساری نباتات سمیت غارت کر دیا۔ لیکن لوط کی بیوی نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی۔“

(پیدائش باب 19 آیت 24-27)

اسی طرح لکھاہے کہ

''اور یہ بھی دیکھیں گے کہ سارا ملک گویا گندھک اور نمک بنا پڑا ہے اور ایسا جل گیا ہے کہ اِس میں نہ تو کچھ بویا جاتا نہ پیدا ہوتا اور نہ کسی قسم کی گھاس اُگتی ہے اور وہ سدُوم اور عمورہ اور اَدمہ اور ضبوئیم کی طرح اُجڑ گیا جن کو خُداوند نے اپنے غضب اور قہر میں تباہ کر ڈالا۔''

(استثناء باب 29 آیت 23)

گویا بائبل کے بیان کے مطابق ان لوگوں کو جلایا اور گندھک اور نمک بنا دیا گیا تھا۔ جبکہ اس کے مقابلہ پر قرآن کریم کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم جن میں انبیاء کو مختلف طریقوں سے تنگ کرنا، انہیں بُرا بھلا کہنا، ان کا انکار کرنا، انہیں ان کے وطنوں سے نکال دینے کی دھمکی دینا، ان کے ساتھیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، راہگیروں کو لوٹنا، ہمسایوں اور مہمانوں کے ساتھ نہایت بُرا سلوک کرنا، کمزور لوگوں کو تنگ کرنا، بدفعلی اور ہم جنس پرستی میں مبتلا ہونا وغیرہ جیسے گناہ شامل تھے۔ انہیں ان گناہوں کی پاداش میں زلزلہ کے ذریعہ اس طرح تباہ کیا کہ ان کی بستیوں کو تہہ و بالا کر کے ان پر سنگریزوں سے بنے ہوئے پتھروں کی بارش برسائی۔ چنانچہ سورۃ الحجر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِیۡنَةِ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۶۸﴾ قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَیۡفِیۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ﴿۶۹﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ﴿۷۰﴾ قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ﴿۷۲﴾ لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِیۡ سَكۡرَتِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۳﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّیۡحَةُ مُشۡرِقِیۡنَ ﴿۷۴﴾ فَجَعَلۡنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ﴿۷۵﴾

(الحجر: 75-68)

یعنی اور اس شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے اس (یعنی لوط) کے پاس آئے (اس خیال سے کہ اب اسے پکڑنے کا موقعہ مل گیا ہے) (جس پر) اس نے (ان سے) کہا (کہ) یہ لوگ میرے مہمان ہیں۔ تم (انہیں ڈرا کر) مجھے رسوا نہ کرو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ انہوں نے کہا ہم نے تمہیں ہر ایرے غیرے کو اپنے پاس ٹھہرانے سے روکا نہ تھا۔ اس نے کہا (کہ) اگر تم نے (میرے خلاف) کچھ کرنا (ہی) ہو تو یہ میری بیٹیاں (تم میں موجود ہی) ہیں (جو کافی ضمانت ہیں)۔ (اے ہمارے

نبی!) تیری زندگی کی قسم (کہ) یہ (تیرے مخالفین بھی) یقیناً (انہی کی طرح) اپنی بد مستی میں بہک رہے ہیں۔ اس پر اس (موعود) عذاب نے انہیں (یعنی لوط کی قوم کو) دن چڑھتے (ہی) پکڑ لیا۔ جس پر ہم نے اس بستی کی اوپر والی سطح کو اس کی نچلی سطح کر دیا اور ان پر سنگریزوں سے بنے ہوئے پتھروں کی بارش برسائی۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس آیت میں بیان ہونے عذاب کی حکمت بیان کرتے ہوئے اور سنگریزوں کی بارش کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”لوط کی قوم نے چونکہ اعلیٰ اخلاق چھوڑ کر ادنیٰ اخلاق اختیار کئے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی ان کے شہر کے اوپر کے حصہ کو نیچے کر دیا اور کہا کہ جاؤ پھر نیچے ہی رہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں پتھر کیونکر گرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شدید زلزلہ سے بعض دفعہ زمین کا ٹکڑا اوپر اٹھ کر پھر نیچے گرتا ہے۔ ایسا ہی اس وقت ہوا۔ زمین جو پتھریلی تھی۔ اوپر اٹھی اور پھر دھنس گئی اور اس طرح وہ پتھروں کے نیچے آ گئے۔ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ان کے گھروں کی دیواریں ان پر آ پڑیں۔ معلوم ہوتا ہے وہ لوگ پتھروں سے مکان بنایا کرتے تھے۔ سِجِّیْل کہتے بھی ہیں اس پتھر کو جو گارہ سے ملا ہوا ہو۔ پس یہ ایسی دیواروں پر خوب چسپاں ہوتا ہے جن میں پتھر گارہ سے لگائے گئے ہوں۔“

(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ 99)

ایک اور جگہ پتھروں کی بارش کی وضاحت کرتے ہوئے حضورؓ فرماتے ہیں:

یہ بارش دراصل پتھروں کی تھی جو ایک خطرناک زلزلہ کے نتیجہ میں ہوئی۔ یعنی زمین کا تختہ الٹ گیا اور مٹی سینکڑوں فٹ اوپر جا کر پھر نیچے گری اور اس طرح گویا مٹی اور پتھروں کی ان پر بارش ہوئی۔

(تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 408)

پھر سورۃ الشعراء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٦٢﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٦٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٤﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿۱۶۵﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿۱۶۹﴾ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۴﴾

(الشعراء161۔174)

یعنی لوط کی قوم نے بھی رسولوں کا انکار کیا۔ جبکہ ان کے بھائی لوط نے کہا کہ کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ میں تمہاری طرف ایک امانت دار پیغامبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں اس (کام) کے بدلہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تمام مخلوقات میں سے تم نے نروں کو اپنے لئے چنا ہے۔ اور تم ان کو چھوڑتے ہو جن کو تمہارے رب نے تمہاری بیویوں کی حیثیت سے پیدا کیا ہے (صرف یہی نہیں کہ تم ایسا فعل کرتے ہو) بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) تم (انسانی فطرت کے) تقاضوں کو ہر طرح توڑنے والی قوم ہو۔ انہوں نے کہا، اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو تو ملک بدر کئے جانے والوں میں شامل ہو جائے گا۔ (لوط نے) کہا (بہر حال) میں تمہارے عمل کو نفرت سے دیکھتا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اور میرے اہل کو ان کے اعمال سے نجات دے۔ پس ہم نے اس کو اور اس کے اہل کو سب ہی کو نجات دی۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں شامل ہو گئی۔ پھر (لوط کو نجات دینے کے بعد) سب دوسروں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی۔ اور جن کو (خدا کی طرف سے) ہوشیار کر دیا جاتا ہے (لیکن پھر بھی باز نہیں آتے) ان پر برسائی جانے والی بارش بہت بری ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں سورۃ الاعراف، سورۃ التوبہ، سورۃ ہود، سورۃ النمل، سورۃ العنکبوت، سورۃ ق اور سورۃ القمر میں بھی اس قوم کے گناہوں اور ان پر نازل ہونے والے خدائی عذاب کا ذکر آیا ہے۔

پس ان تمام قرآنی آیات کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم کو ان کے گناہوں کی پاداش میں زلزلہ اور مٹی و پتھروں کی طوفانی بارش کے ذریعہ ہلاک کیا گیا۔ آگ سے نہیں جلایا گیا تھا۔

سوال :ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ جسم کے جس حصہ پر ٹیٹو بنوائے گئے ہوں، اس حصہ پر پانی جلد تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے ٹیٹو بنوانے والے شخص کے وضوء اور غسل جنابت کی تکمیل کے بارہ راہنمائی کی درخواست ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 مئی 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل اصولی ہدایات فرمائیں:

جواب : پہلی بات یہ ہے کہ ٹیٹو بنانا اور بنوانا تو ویسے ہی جائز نہیں ہے۔ احادیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن کے حصول کی خاطر جسموں کو گودنے والیوں اور گدھوانے والیوں پر لعنت کی ہے جو خدا کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس)

آنحضور ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا میں اور خاص طور پر جزیرۂ عرب میں قسم قسم کے شرک کا زہر ہر طرف پھیلا ہوا تھا اور مختلف قسم کی بے راہ رویوں نے انسانیت کو اپنے پنجہ میں جکڑا ہوا تھا اور عورتیں اور مرد مختلف قسم کی مشرکانہ رسومات اور معاشرتی برائیوں میں مبتلا تھے۔ جس میں مشرکانہ طور پر برکت کے حصول کیلئے جسم، چہرہ اور بازو وغیرہ پر کسی دیوی، بت یا جانور کی شکلیں گندھوائی جاتی تھیں۔ یا معاشرتی بے راہ روی اور فحاشی کو فروغ دینے کی خاطر حسن کے حصول کیلئے ایسا کیا جاتا تھا۔

جائز حدود میں رہتے ہوئے انسان کا اپنی خوبصورتی کیلئے کوئی جائز طریق اختیار کرنا منع نہیں۔ لیکن جس حسن کے حصول پر حضور ﷺ نے لعنت کا انذار فرمایا ہے، اس کا یقیناً کچھ اور مطلب ہے۔ اس لئے ان چیزوں کی ممانعت میں بظاہر یہ حکمت نظر آتی ہے کہ ان کے نتیجہ میں اگر شرک جو سب سے بڑا گناہ ہے اس کی طرف میلان پیدا ہونے کا اندیشہ ہو یا ان امور کو اس لئے اپنایا جائے کہ اپنی مخالف جنس کا ناجائز طور پر اپنی طرف میلان پیدا کیا جائے تو یہ سب افعال ناجائز اور قابل مواخذہ قرار پائیں گے۔

جہاں تک ٹیٹو بنوانے کا تعلق ہے تو مرد ہو یا عورت اس کے پیچھے صرف یہی ایک مقصد ہوتا ہے کہ اس کی نمائش ہو اور اپنی مخالف جنس کا ناجائز طور پر اپنی طرف میلان پیدا کیا جائے۔ اسی لئے لوگ عموماً ٹیٹو جسم کے ایسے حصوں پر بنواتے ہیں جنہیں وہ عام لوگوں میں کھلا رکھ کر اس کی نمائش کر سکیں۔ لیکن اگر کوئی ٹیٹو جسم کے ستر والے حصہ پر بنواتا ہے تو اوّل تو اس کے بنواتے وقت وہ بے پردگی جیسی بے حیائی کا ارتکاب کرتا ہے جو خلاف تعلیم اسلام ہے۔ نیز اس کے پیچھے بھی یہی سوچ ہوتی ہے کہ تا بُرائی

اور افعال بد کے ارتکاب کے وقت اپنی مخالف جنس کے سامنے ان پوشیدہ اعضاء پر بنے ٹیٹو کی نمائش کی جاسکے۔ یہ تمام طریق ہی اسلامی تعلیمات کے منافی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں۔

علاوہ ازیں ٹیٹو کے کئی ظاہری اور میڈیکل نقصانات بھی ہیں۔ چنانچہ جسم کے جن حصوں پر ٹیٹو بنوایا جاتا ہے، اس جگہ جلد کے نیچے پسینہ لانے والے گلینڈ بُری طرح متاثر ہوتے ہیں اور ٹیٹو بنوانے کے بعد جسم کے ان حصوں پر پسینہ آنا کم ہو جاتا ہے، جو طبی لحاظ سے نقصان دہ ہے۔ اسی طرح بعض اوقات ٹیٹو چونکہ مستقل طور پر جسم کا حصہ بن جاتا ہے، اس لئے جسم کے بڑھنے یا سکڑنے کے ساتھ ٹیٹو کی شکل میں بھی تبدیلی آجاتی ہے، جس سے ٹیٹو بظاہر خوبصورت لگنے کی بجائے بدصورت لگنے لگتا ہے اور کئی لوگ پھر اسے وبال جان سمجھنے لگتے ہیں لیکن اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ لہٰذا ان وجوہ کی بناء پر بھی ٹیٹو بنوانا ایک لغو کام ہے۔

پس ایک مومن مرد اور عورت کیلئے اپنے جسم پر ٹیٹو بنوانا جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی شخص نے احمدی ہونے سے پہلے اپنے جسم پر ٹیٹو بنوایا ہے اور اب اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی سچی راہ دکھاتے ہوئے احمدیت قبول کرنے کی توفیق بخشی ہے تو اس کا یہ فعل اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (یعنی سوائے اس کے جو پہلے گزر چکا) کے زمرہ میں آئے گا۔ نیز پہلے سے بنے ہوئے ٹیٹو سے اس کے وضوء اور غسل جنابت کی تکمیل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جس طرح خواتین کے نیل پالش لگانے سے ان کے وضوء پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور نیل پالش لگے ہونے کے باوجود ان کا وضوء ہو جاتا ہے اسی طرح اس شخص کا بھی ٹیٹو کے ساتھ وضوء اور غسل جنابت ہو جائے گا۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 21 اکتوبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر36

سوال: ایک عرب خاتون نے حضور انور کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ کسی خاتون نے اس سے پوچھا ہے کہ کیا اس کیلئے عورتوں کی بھنوؤں اور جسم پر ٹیٹو بنانے کا کاروبار کرنا جائز ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 27 اپریل 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات عطاء فرمائیں:

جواب: ٹیٹو بنانا اور بنوانا تو جائز نہیں ہے۔ احادیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن کے حصول کی خاطر جسموں کو گودنے والیوں، گدھوانے والیوں، چہرے کے بال نوچنے والیوں، سامنے کے دانتوں میں خلا پیدا کرنے والیوں اور بالوں میں پیوند لگانے اور لگوانے والیوں پر لعنت کی ہے جو خدا کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب اللباس)

اسلام کا ہر حکم اپنے اندر کوئی نہ کوئی حکمت رکھتا ہے۔ اسی طرح بعض اسلامی احکامات کا ایک خاص پس منظر ہوتا ہے، اگر اس پس منظر سے ہٹ کر ان احکامات کو دیکھا جائے تو حکم کی شکل بدل جاتی ہے۔ آنحضور ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو دنیا میں اور خاص طور پر جزیرۂ عرب میں جہاں مختلف قسم کے شرک کا زہر ہر طرف پھیلا ہوا تھا وہاں مختلف قسم کی بے راہ رویوں نے بھی انسانیت کو اپنے پنجہ میں جکڑا ہوا تھا اور عورتیں اور مرد مختلف قسم کی مشرکانہ رسوم اور معاشرتی برائیوں میں مبتلا تھے۔

مذکورہ بالا امور کی ممانعت پر مبنی احادیث میں دو چیزوں کا خاص طور پر ذکر ملتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی مقصود ہو اور دوسرا حسن کا حصول پیش نظر ہو۔

ان دونوں باتوں پر جب ہم غور کرتے ہیں تو پہلی بات یعنی خدا تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی جہاں معاشرتی برائیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے وہاں مشرکانہ افعال کی بھی عکاسی کرتی ہے چنانچہ بالوں میں لمبی

گوتیں لگا کر سر پر بالوں کی پگڑی بنا کر اسے بزرگی کی علامت سمجھنا، کسی پیر اور گرو کی نذر کے طور پر بالوں کی لٹیں بنانا یا بودی رکھ لینا، چار حصوں میں بال کر کے درمیان سے استرے سے منڈوا دینا اور اسے باعث برکت سمجھنا۔ اسی طرح برکت کیلئے جسم، چہرہ اور بازو وغیرہ پر کسی دیوی، بت یا جانور کی شکل گندھوانا۔ یہ سب مشرکانہ طریق تھے اور ان کے پیچھے مذہبی توہمات کارفرما تھے۔

دوسری بات یعنی حسن کے حصول کی خاطر ایسا کرنا، بعض اعتبار سے معاشرتی بے راہ روی اور فحاشی کو ظاہر کرتی ہے۔ جائز حدود میں رہتے ہوئے انسان کا اپنی خوبصورتی کیلئے کوئی جائز طریق اختیار کرنا منع نہیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے اچھا لگتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میرے کپڑے اچھے ہوں، میری جوتی اچھی ہو، تو کیا یہ تکبر میں شامل ہے؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا یہ تکبر نہیں ہے۔ تکبر تو حق کا انکار کرنے اور دوسروں کو حقیر جاننے کا نام ہے اور اس کے ساتھ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ وَّ يُحِبُّ الْجَمَالَ یعنی اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔(صحیح مسلم کتاب الایمان باب تَحْرِيمِ الْكِبْرِ وَبَيَانِهِ) اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ بچیوں کی جب شادی ہوتی تھی تو انہیں بھی اس زمانہ کے طریق کے مطابق بناؤ سنگھار کر کے تیار کیا جاتا اور خوبصورت بنایا جاتا تھا۔

(صحیح بخاری كِتَاب الْهِبَةِ وَفَضْلِهَا وَالتَّحْرِيضِ عَلَيْهَا بَاب الِاسْتِعَارَةِ لِلْعَرُوسِ عِنْدَ الْبِنَاءِ)

(فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب النکاح بَاب اسْتِعَارَةِ الثِّيَابِ لِلْعَرُوسِ وَغَيْرِهَا)

پس جس حسن کے حصول پر حضور ﷺ نے لعنت کا انذار فرمایا ہے، اس کا یقیناً کچھ اور مطلب ہے۔ چنانچہ جب ہم اس حوالہ سے ان احادیث پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات بھی نظر آتی ہے کہ ان باتوں کی ممانعت کے ساتھ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ بنی اسرائیل اس وقت ہلاک ہوئے جب ان کی عورتوں نے اس قسم کے کام شروع کئے۔ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت یہود میں فحاشی عام تھی اور مدینہ میں فحاشی کے کئی اڈے موجود تھے، جن میں ملوث خواتین، مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی خاطر اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتی تھیں، اس لئے رسول خدا ﷺ نے ان کاموں کی شناعت بیان فرما کر مومن عورتوں کو اس وقت اس سے منع فرما دیا۔

پس ان چیزوں کی ممانعت میں بظاہر یہ حکمت نظر آتی ہے کہ ان کے نتیجہ میں اگر انسان کی جسمانی وضع قطع میں اس طرح کی مصنوعی تبدیلی واقع ہو جائے کہ مرد و عورت کی تمیز جو خدا تعالیٰ نے انسانوں میں پیدا کی ہے وہ ختم ہو جائے، یا اس قسم کے فعل سے شرک جو سب سے بڑا گناہ ہے اس کی طرف میلان پیدا ہونے کا اندیشہ ہو یا ان امور کو اس لئے بجالایا جائے کہ اپنی مخالف جنس کا ناجائز طور پر اپنی طرف میلان پیدا کیا جائے تو یہ سب افعال ناجائز اور قابل مواخذہ قرار پائیں گے۔

پس جہاں تک ٹیٹو بنوانے کا تعلق ہے تو مرد ہو یا عورت اس کے پیچھے صرف یہی ایک مقصد ہوتا ہے کہ اس کی نمائش ہو اور اپنی مخالف جنس کا ناجائز طور پر اپنی طرف میلان پیدا کیا جائے۔ اسی لئے لوگ عموماً ٹیٹو جسم کے ایسے حصوں پر بنواتے ہیں جنہیں وہ عام لوگوں میں کھلا رکھ کر اس کی نمائش کر سکیں۔ لیکن اگر کوئی ٹیٹو جسم کے ستر والے حصہ پر بنواتا ہے تو اس کے پیچھے بھی یہی سوچ ہوتی ہے کہ تا بُرائی اور افعال بد کے ارتکاب کے وقت اپنی مخالف جنس کے سامنے ان پوشیدہ اعضاء پر بنے ٹیٹو کی نمائش کی جا سکے۔ یہ دونوں طریق ہی اسلامی تعلیمات کے منافی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں۔

علاوہ ازیں ٹیٹو کے کئی ظاہری اور میڈیکل نقصانات بھی ہیں۔ چنانچہ جسم کے جن حصوں پر ٹیٹو بنوایا جاتا ہے، اس جگہ جلد کے نیچے پسینہ لانے والے گلینڈ بُری طرح متاثر ہوتے ہیں اور ٹیٹو بنوانے کے بعد جسم کے ان حصوں پر پسینہ آنا کم ہو جاتا ہے، جو طبی لحاظ سے نقصان دہ ہے۔ اسی طرح بعض قسم کے ٹیٹو چونکہ مستقل طور پر جسم کا حصہ بن جاتے ہیں، اس لئے جسم کے بڑھنے یا سکڑنے کے ساتھ ٹیٹو کی شکل میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے، جس سے ٹیٹو بظاہر اچھا لگنے کی بجائے بد صورت لگنے لگتا ہے اور کئی لوگ پھر اسے وبال جان سمجھنے لگتے ہیں لیکن اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ لہٰذا ان وجوہ کی بناء پر بھی ٹیٹو بنوانا ایک لغو کام ہے۔

باقی جہاں تک عورتوں کے اپنی جائز اور اسلامی حدود میں رہتے ہوئے خوبصورتی کیلئے بھنویں بنوانے کا تعلق ہے تو حضور ﷺ نے ان برائیوں کے پس منظر میں جہاں اُس وقت مومن عورتوں کو ان کاموں سے منع فرمایا وہاں تکلیف یا بیماری کی بناء پر اس کا استثناء بھی فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ النَّامِصَةِ وَالْوَاشِرَةِ

وَالْوَاصِلَةِ وَالْوَاشِمَةِ إِلَّا مِنْ دَاءٍ (مسند احمد بن حنبل) یعنی میں نے حضور ﷺ کو عورتوں کو موچنے سے بال نوچنے، دانتوں کو باریک کرنے، مصنوعی بال لگوانے اور جسم کو گودنے سے منع فرماتے ہوئے سنا۔ ہاں کوئی بیماری ہو تو اس کی اجازت ہے۔

اسلام نے اعمال کا دار و مدار نیتوں پر رکھا ہے۔ لہٰذا اس زمانہ میں پردہ کے اسلامی حکم کی پابندی کے ساتھ اگر کوئی عورت جائز طریق پر اور جائز مقصد کی خاطر ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر ان افعال کے نتیجہ میں کسی برائی کی طرف میلان پیدا ہو یا کسی مشرکانہ رسم کا اظہار ہو یا اسلام کے کسی واضح حکم کی نافرمانی ہو، مثلاً اس زمانہ میں بھی خواتین اپنی صفائی یا ویکسنگ وغیرہ کرواتے وقت اگر پردہ کا التزام نہ کریں اور دوسری خواتین کے سامنے ان کے ستر کی بے پردگی ہوتی ہو تو پھر یہ کام حضور ﷺ کے اسی انذار کے تحت ہی شمار ہو گا اور اس کی اجازت نہیں ہے۔

پھر اس ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے فتنہ اور فساد کو قتل سے بھی بڑا گناہ قرار دیکر فساد کو روکنے کا حکم دیا ہے اور بعض ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ رشتے اس لئے ختم کر دیئے گئے یا شادی کے بعد طلاقیں ہوئیں کہ مرد کو بعد میں پتہ چلا کہ عورت کے چہرے پر بال ہیں۔ اگر چند بالوں کو صاف نہ کیا جائے یا کھنچوایا نہ جائے تو اس سے مزید گھروں کی بربادی ہو گی۔ ناپسندیدگیوں کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور آنحضور ﷺ کا اس حکم سے یہ مقصود بہر حال نہیں ہو سکتا کہ معاشرے میں ایسی صورتحال پیدا ہو کہ جس کے نتیجہ میں گھروں میں فساد پھیلے۔ ایسے سخت الفاظ کہنے میں جو حکمت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور یہ باتیں چونکہ دیوی، دیوتاؤں وغیرہ کی خاطر اختیار کی جاتی تھیں یا ان کے نتیجہ میں فحاشی کو عام کیا جاتا تھا، اس لئے آپ نے سخت ترین الفاظ میں اس سے کراہت کا اظہار فرمایا ہے اور اس طرح مشرکانہ رسوم و عادات اور فحاشی کی بیخ کنی فرمائی ہے۔

(**نوٹ از مرتب** : مذکورہ بالا جواب کے کچھ حصہ قبل ازیں بھی مختلف اقساط میں بعض سوالات کے جواب میں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن یہاں پر مکمل اور یکجا صورت میں اس جواب کو جو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مذکورہ بالا سوال کے جواب میں عطاء فرمایا قارئین کے استفادہ کیلئے درج کیا جا رہا ہے۔)

سوال :عید اور جمعہ کے ایک ہی دن جمع ہو جانے پر نماز عید کی ادائیگی کے بعد نماز جمعہ یا نماز ظہر پڑھنے کے بارہ میں محترم ناظم صاحب دارالافتاء کی ایک رپورٹ کے جواب میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 مئی 2021ء میں اس مسئلہ پر درج ذیل اصولی ہدایات عطاء فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : عید اور جمعہ کے ایک ہی دن جمع ہو جانے پر نماز عید کی ادائیگی کے بعد اس روز نماز جمعہ اور نماز ظہر دونوں نہ پڑھنے کے بارہ میں تو صرف حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا ہی موقف اور عمل ملتا ہے اور وہ بھی ایک مقطوع روایت پر مبنی ہے، نیز اس روایت کے دو راویوں کے بیان میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔ جبکہ مستند اور قابل اعتماد روایات میں تو حضور ﷺ کی سنت اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کا یہی مسلک ملتا ہے کہ ان سب نے یا تو اس روز نماز عید کی ادائیگی کے بعد جمعہ بھی اپنے وقت پر ادا کیا ہے اور دور کے علاقوں سے آنے والوں کو جمعہ سے رخصت دیتے ہوئے ہدایت کی کہ وہ اپنے علاقوں میں ظہر کی نماز ادا کر لیں اور بعض مواقع پر نماز عید کی ادائیگی کے بعد جمعہ ادا نہیں کیا لیکن ظہر کی نماز ضرور اپنے وقت پر ادا کی گئی۔

یہی موقف اور عمل حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کا بھی ملتا ہے۔ سوائے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ایک مرتبہ کے عمل کے کہ جب آپ نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی اسی مذکورہ بالا روایت پر عمل کرتے ہوئے عید پڑھانے کے بعد نہ جمعہ ادا کیا اور نہ ظہر کی نماز پڑھی۔

لیکن حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی یہ روایت آنحضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے کسی قول یا فعل پر مبنی نہیں ہے اس لئے صرف اس مقطوع روایت کی وجہ سے جس کے راویوں کے بیانات میں بھی تضاد موجود ہے فرض نماز کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس روایت پر مبنی حصہ کو فقہ احمدیہ سے حذف کر دیں اور فقہ احمدیہ میں لکھیں کہ اگر عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہوتے ہیں تو نماز عید کی ادائیگی کے بعد اگر جمعہ نہ پڑھا جائے تو ظہر کی نماز اپنے وقت پر ضرور ادا کی جائے گی۔

سوال: ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں استفسار کیا کہ بارہ بجے سے ایک بجے تک نیز جب سورج نکل رہا ہو تو قرآن کیوں نہیں پڑھنا چاہیے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 مئی 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا:

جواب: آپ کے خط میں بیان اوقات میں قرآن کریم پڑھنے سے تو کہیں منع نہیں کیا گیا۔ البتہ دن کے تین اوقات میں (جب سورج طلوع ہو رہا ہو، جب سورج غروب ہو رہا ہو اور دوپہر کے وقت جب سورج عین سر پر ہو) آنحضور ﷺ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور حضور ﷺ نے اس ممانعت کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عبسہ السلمیؓ روایت کرتے ہیں: قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ أَخْبِرْنِي عَمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ وَأَجْهَلُهُ أَخْبِرْنِي عَنِ الصَّلَاةِ قَالَ صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَتَّى تَرْتَفِعَ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ حِينَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ حِينَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ۔ (صحیح مسلم کتاب صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا باب اسلام عمرو بن عبسه) یعنی میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبیؐ! مجھے اس بارہ میں بتائیے جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے اور میں اس سے بے خبر ہوں۔ مجھے نماز کے بارہ میں بتائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ صبح کی نماز پڑھو، پھر نماز سے رُکے رہو یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور بلند ہو جائے کیونکہ جب یہ طلوع ہو رہا ہوتا ہے تو شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے نکلتا ہے اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔ پھر نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کی نماز کی گواہی دی جاتی ہے اور اس میں حاضر ہوا جاتا ہے یہاں تک کہ سایہ کم ہو کر نیزہ کے برابر ہو جائے۔ پھر نماز سے رُکے رہو یقیناً اس وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے۔ پھر جب سایہ ڈھل جائے تو نماز پڑھو کیونکہ اس وقت کی نماز کی گواہی دی جاتی ہے اور اس میں حاضر ہوا جاتا ہے یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھ لو۔ پھر سورج کے غروب ہونے تک نماز سے رُکے رہو کیونکہ اس وقت سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔

پس ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا۔ لیکن قرآن کریم پڑھنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ اس لئے قرآن کریم آپ بے شک جس وقت چاہیں پڑھیں، اس میں کوئی روک نہیں ہے۔

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ''Short Selling'' کے حلال و حرام ہونے کے بارہ میں راہنمائی چاہی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 مئی 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات سے نوازا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : اصل میں'' Short Selling'' جلد پیسہ کمانے کا ایک آسان راستہ سمجھا جاتا ہے، جس میں بعض لوگ شیئرز رکھنے والے بروکرز سے کچھ شیئرز ادھار لیکر انہیں بازار میں مہنگے داموں بیچتے اور پھر ان شیئرز کے سستے ہونے پر انہیں بازار سے خرید کر بروکرز کو واپس کر دیتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں منافع کا ایک حصہ یہ لوگ کماتے ہیں اور ایک حصہ بطور کمیشن بروکر کو دیتے ہیں۔

اسلام نے جس طرح زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی راہنمائی فرمائی ہے، تجارت میں بھی صاف اور سیدھی راہ اختیار کرنے اور کھری اور دو ٹوک بات کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے تجارت کے معاملہ میں اس حد تک ہدایت فرمائی کہ اگر تمہارے مال میں کوئی نقص ہو تو اسے مت چھپاؤ بلکہ واضح طور پر گاہک کو اس نقص سے آگاہ کرو۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب من غشنا فلیس منا) ماپ تول کو پورا رکھو، اس میں کسی قسم کی کمی نہ کرو اور جب تک خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہ لے لو اسے آگے فروخت مت کرو۔

(صحیح بخاری کتاب البیوع باب الکیل علی البائع والمعطی)

پس ہر کاروبار پوری طرح تحقیق کر کے کرنا چاہئے تا کہ نہ انسان خود دھوکہ کھائے اور نہ ہی کسی دوسرے شخص کو دھوکہ دے۔ ''Short Selling'' کے کاروبار میں کمپنیوں کی سطح پر بھی اور انفرادی طور پر بھی خریدار کو دھوکہ دیا جا رہا ہوتا ہے اور جن شیئرز کی قیمت گرنے والی ہوتی ہے انہیں اس نیت سے فروخت کیا جاتا ہے کہ چند دن بعد جب ان شیئرز کی قیمت گرے گی تو انہیں سستے داموں خرید کر

اصل مالک کو شیئرز واپس کر دیئے جائیں گے۔ گویا اس بات کا علم ہونے کے باوجود کہ ان شیئرز کی چند دنوں میں قیمت گر جائے گی خریدار کو اندھیرے میں رکھ کر اسے یہ شیئرز فروخت کیا جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں سٹاک مارکیٹ کے حوالہ سے ہونے والے مختلف کاروباروں میں سے "Short Selling" کا کاروبار ایک لحاظ سے جوا کی ہی صورت رکھتا ہے اس لئے بعض اوقات Short Sellers کو فائدہ ہونے کی بجائے بہت بڑا نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے جیسا کہ کچھ عرصہ قبل Game Stop کے شیئرز کے معاملہ میں ہوا تھا۔

پس اسلام تعلیمات کی روشنی میں ایک مومن تاجر کی ذمہ داری ہے کہ نہ خود دھوکہ کھائے اور نہ دوسروں کو دھوکہ دے بلکہ صاف صاف تجارت کر کے مالی فائدہ اٹھائے اور اپنے رب کو راضی رکھے۔

سوال :ایک عرب خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے باقی ہوں تو اس کے بچے اس کی طرف سے یہ روزے رکھ سکتے ہیں، اس بارہ میں جماعت کا کیا موقف ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 24 مئی 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : نماز اور روزہ بدنی عبادات ہیں، اس لئے ان کا ثواب اسی شخص کو پہنچتا ہے جو ان عبادات کو بجالاتا ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک میت کی طرف سے نماز اور روزے رکھنا مرنے والے کی اولاد کی ذمہ داری نہیں ہے۔

فقہاء کی اکثریت جن میں حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالک اور امام شافعیؒ شامل ہیں، ان روزوں کے رکھنے کو درست نہیں سمجھتے اور ان کی بھی یہی دلیل ہے کہ روزہ ایک بدنی عبادت ہے جو اصول شرع سے واجب ہوتی ہے اور زندگی اور موت کے بعد اس میں نیابت نہیں چلتی۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ کتاب الصوم، از ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی)

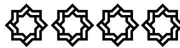
باقی جہاں تک کتب احادیث میں اس قسم کی روایات کے بیان ہونے کا تعلق ہے تو علماء حدیث اور شارحین نے ان روایات کی تشریح میں اس سے مختلف روایات کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً میت کی طرف سے اس کے اولاد کے روزہ رکھنے والی روایات حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں، لیکن کتب احادیث میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی طرف سے یہ روایت بھی موجود ہے کہ وفات یافتہ کی طرف سے روزے نہ رکھو بلکہ اس کی طرف سے کھانا کھلاؤ۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الصوم بَاب مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ) اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے مروی اس قسم کی روایات میں کئی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ سوال پوچھنے والا مرد ہے اور دوسری جگہ عورت۔ اسی طرح روزوں کے بارہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ رمضان کے روزے تھے یا نذر کے روزے تھے۔ نیز ایک جگہ روزوں کی بابت پوچھا جارہا ہے اور دوسری جگہ حج کی بابت پوچھا ہے۔

(شرح بخاری از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ جلد سوم صفحہ 630 کتاب الصوم)

پس اس قسم کے اختلافات کی وجہ سے محدثین میں بھی میت کی طرف سے روزے رکھنے کے بارہ میں مختلف آراء پائی جاتی ہے لیکن کسی نے بھی اسے واجب قرار نہیں دیا۔

البتہ میت کی طرف سے کوئی ایسا کام کرنا جس سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچتا ہو تو وہ ایک صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کا ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 28 اکتوبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات
قسط نمبر37

سوال :ایک دوست نے حضور انور کی خدمت اقدس میں لکھا کہ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق مردوں کو زرد رنگ کا لباس پہننے کی مناہی ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے بارہ میں روایات میں آتا ہے کہ وہ اس رنگ کا لباس استعمال کرتے تھے۔ ہر دو باتوں کی تطبیق کس طرح ہو سکتی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 24؍ مئی 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:

جواب : کتب احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے مردوں کیلئے معصفر، ورس اور زعفران سے رنگے کپڑوں (جو عموماً زرد اور سرخ رنگ یا ان سے ملتے جلتے رنگ ہوتے تھے) نیز خالص ریشم یا قسّی (ایک قسم کا ریشم) کا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ بَاب النَّهْيِ عَنْ لُبْسِ الرَّجُلِ الثَّوْبَ الْمُعَصْفَرَ) (صحیح بخاری کتاب المرضی بَاب وُجُوبِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ) (صحیح بخاری کتاب اللباس بَاب الثَّوْبِ الْمُزَعْفَرِ) جبکہ اصفر اور صفرہ (یہ بھی زرد رنگ ہی تھا) کا حضور ﷺ نے خود بھی استعمال فرمایا اور خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ بھی یہ رنگ استعمال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے سرخ اور زرد رنگ کا جبہ (حُلَّةٌ حَمْرَاء) پہنا۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس بالثَّوْبِ الْاَحْمَرِ) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو زرد رنگ سے اپنے (بالوں اور داڑھی) کو رنگتے ہوئے دیکھا اس لئے میں بھی اپنے (بالوں اور داڑھی) کو اس رنگ سے رنگتا ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الوضوء بَاب غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ فِي النَّعْلَيْنِ وَلَا يَمْسَحُ عَلَى النَّعْلَيْنِ) اسی طرح حضرت عبد الرحمٰن بن عوف پر حضور ﷺ نے زرد رنگ دیکھا تو حضور ﷺ کے پوچھنے پر انہوں نے عرض کی کہ انہوں نے شادی کی ہے، اس لئے ان پر زرد رنگ لگا ہوا ہے۔

(سنن نسائی کتاب النکاح باب التَّزْوِيجُ عَلَى نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ)

رنگوں کی کئی اقسام اور کئی Shades ہوتے ہیں۔ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے کسی خاص قسم کے زرد رنگ سے منع فرمایا تھا جسے یا تو اس زمانہ میں اس علاقہ میں عورتیں استعمال کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کو گلابی مائل زرد (بِعُصْفُرٍ مُوَرَّد) کپڑا پہنے دیکھا تو اسے ناپسند فرمایا۔ جس پر حضرت عبد اللہ بن عمرو نے اس کپڑے کو جلا دیا۔ حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اسے جلانے کی بجائے اپنی کسی بیوی کو دیدیتے۔ (سنن ابی داؤد کتاب اللباس بَاب فِي الْحُمْرَةِ) یا پھر کفار اس زرد رنگ کو پہنتے تھے۔ لہٰذا حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو کفار سے مشابہت سے بچانے کیلئے اس رنگ کے استعمال سے انہیں وقتی طور پر منع فرمایا۔ (صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ بَاب النَّهْيِ عَنْ لُبْسِ الرَّجُلِ الثَّوْبَ الْمُعَصْفَرَ) جس طرح حضور ﷺ نے بعض ایسے برتنوں کے استعمال سے صحابہ کو وقتی طور پر منع فرمایا تھا جو ان کے علاقہ میں شراب کشید کرنے کیلئے استعمال ہوتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان بَاب أَدَاءُ الْخُمُسِ مِنْ الْإِيمَانِ)

سورۃ البقرہ میں بنی اسرائیل کی گائے کے رنگ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بعض رنگ باہم مشابہ ہوتے ہیں اور مختلف نقطۂ نگہ سے ان پر مختلف الفاظ بول لئے جاتے ہیں۔ گہرا زرد رنگ بھی ایسے ہی رنگوں میں سے ہے۔ کوئی دیکھنے والا اسے زرد قرار دیدیتا ہے اور کوئی سرخ جیسے زعفران ہے۔ زعفران اگر مختلف لوگوں کے سامنے رکھا جائے تو بعض لوگ اس کا رنگ سرخ بتائیں گے اور بعض اس کا زرد رنگ قرار دیں گے۔

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 505-506)

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معصفر، ورس اور زعفران سے رنگا جانے والا کپڑا زیادہ قیمتی ہو اور ریشم کے لباس کی طرح اس زمانہ میں تکبر اور فخر کی علامت سمجھا جاتا ہو۔ اس لئے حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کی تربیت کے پیش نظر اور انہیں دنیوی آسائشوں کی بجائے اخروی نعماء کی طرف مائل کرنے اور ان میں فخر و مباحات کی بجائے عاجزی اور انکساری پیدا کرنے کیلئے اس قسم کے قیمتی لباس کے استعمال سے منع فرمایا

ہو اور اس کے مقابلہ پر عام زرد رنگ کے استعمال یا عام زرد رنگ کے لباس کے استعمال جس کے نتیجہ میں ان برائیوں اور ان دنیوی آسائشوں کی طرف میلان نہ پیدا ہوتا ہو، اس کی اجازت دی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور بعد میں آنے والے علماء وفقہاء کا مردوں کیلئے اس رنگ کے لباس کے استعمال میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثریت نے جن میں حضرت ابو حنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی شامل ہیں اس کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ بعض نے اسے مکروہ تنزیہی (جس کام کے ترک کرنے میں سختی نہ پائی جاتی ہو۔ یا جس کام کے نہ کرنے سے ثواب ہو اور کرنے سے سزا کی وعید نہ ہو) قرار دیا ہے۔

پس حضور ﷺ نے جس خاص زرد رنگ یا خاص Shade کے استعمال سے مسلمانوں کو منع فرمایا تھا حضرت عثمانؓ نے اس رنگ یا اس Shade کو ہر گز استعمال نہیں فرمایا بلکہ یہ وہ زرد رنگ تھا جو حضور ﷺ نے بھی استعمال فرمایا اور دیگر صحابہ بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے لباس کے رنگ کیلئے ان روایات میں اصفر اور صفرہ کے الفاظ آئے ہیں، معصفر اور زعفران کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے۔

سوال :ایک خاتون نے حدیث نبوی ﷺ "لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ إِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثٍ فِي الْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ وَالدَّارِ " کے پہلے حصہ کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ تشریح کا ذکر کر کے اس حدیث کے دوسرے حصہ یعنی گھوڑے، عورت اور گھر میں نحوست کے ہونے، کے بارہ میں کئے جانے والے اعتراض کے ضمن میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ سے اس حدیث کی وضاحت چاہی ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 29 مئی 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل راہنمائی عطاء فرمائی۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب :شارحین حدیث نے اس حدیث کی مختلف تشریحات بیان کی ہیں۔ چنانچہ ابن عربی کہتے ہیں کہ حدیث میں ان چیزوں کا نحوست کے ساتھ جو حصر کیا گیا ہے وہ ان کی تخلیق کے لحاظ سے نہیں بلکہ ان کی صفت کے لحاظ سے ہے۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں

نحوست ہو سکتی ہے تو وہ ان تین چیزوں میں ہو سکتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس عورت کے ہاں اولاد نہ ہو اور جو گھوڑا جنگ میں استعمال نہ ہو اور جس مکان کا ہمسایہ بُرا ہو تو یہ ان چیزوں کی نحوست ہے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ نحوست کا اعتقاد رکھتے تھے، چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں اس سے منع فرمایا اور انہیں بتایا کہ نحوست کوئی چیز نہیں۔ اس کے باوجود ان تین چیزوں کی نحوست کے وہ قائل رہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الجهاد و السیر باب مَا يُذْكَرُ مِنْ شُؤْمِ الْفَرَسِ)

اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنا موقف بیان نہیں فرمایا بلکہ اس زمانہ کے لوگوں کا اعتقاد بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اس نظریہ کی تائید حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں حضرت عائشہؓ سے ذکر کیا گیا کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑے، عورت اور گھر میں نحوست ہوتی ہے۔ اس پر ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ شدید ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ حضور ﷺ نے ہرگز ایسا نہیں فرمایا بلکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ ان تین چیزوں کو نحوست کا باعث خیال کرتے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل کتاب باقی مسند الانصار باب باقی المسند السابق، حدیث نمبر 24841) اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حضور ﷺ کی بات کا صرف آخری حصہ سنا، پہلا حصہ نہیں سنا۔ اصل میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے جو کہتے ہیں کہ ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی ہے۔

(مسند ابی داؤد الطیالسی کتاب احادیث النساء باب علقمة بن قیس عن عائشة)

ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ اصل میں اس حدیث میں زمانہ جاہلیت کے نحوست کے بارہ میں غلط عقیدہ کا بطلان کیا گیا ہے اور کہا گیا کہ اگر کسی کا گھر ایسا ہو جس میں وہ رہنا ناپسند کرے، یا کسی کی بیوی ایسی ہو جس کی صحبت اسے ناپسند ہو یا کسی کا گھوڑا ایسا ہو جس کی سواری اسے پسند نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ان

چیزوں سے الگ ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ مارنے والا گھوڑا، اپنے خاوند سے بے وفائی کرنے والی بیوی اور مسجد سے دور ایسا گھر جہاں اذان کی آواز نہ پہنچے نحوست کا باعث ہیں۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الجهاد و السیر بَاب مَا يُذْكَرُ مِنْ شُؤْمِ الْفَرَسِ)

بہر حال یہ مختلف تشریحات ہیں جو شارحین نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق کی ہیں۔ لیکن اگر اس حدیث پر غور کیا جائے اور قرآن و حدیث میں بیان تعلیمات کو سامنے رکھا جائے تو اس حدیث کے مطلق یہ معانی کہ عورت، گھوڑا اور گھر نحوست کا باعث ہیں درست نہیں ٹھہرتے۔ کیونکہ آنحضور ﷺ نے ان تینوں چیزوں کو پسند فرمایا اور ان کی تعریف فرمائی۔ گھر اور گھوڑا حضور ﷺ کے زیر استعمال رہے جبکہ عورتوں سے حضور ﷺ کا بطور والدہ، بیوی اور بیٹی بہت گہرا تعلق رہا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے عورت کے متعلق بطور ماں کے فرمایا کہ جنت اس کے قدموں تلے ہے۔ (سنن نسائی کتاب الجهاد باب الرُّخْصَةُ فِي التَّخَلُّفِ لِمَنْ لَهُ وَالِدَةٌ) نیک بیوی کو دنیا کی سب سے بہترین متاع قرار دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الرضاع بَاب خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ) بیٹی کی اچھی تربیت کو جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے نجات کا ذریعہ قرار دیا۔ (صحیح مسلم كِتَاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ بَاب فَضْلِ الْإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ) بیوی سے حسن سلوک کرنے والے خاوند کو بہترین انسان قرار دیا۔ (سنن ترمذی کتاب الرضاع بَاب مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا) اور دنیا کی چیزوں میں سے خواتین اور خوشبو کو اپنی محبوب متاع قرار دیا۔

(سنن نسائی کتاب عشرۃ النساء بَاب حُبِّ النِّسَاءِ)

اسی طرح قرآن کریم نے گھوڑوں کو انسان کیلئے زینت کا باعث قرار دیا۔ (سورۃ النحل:9)۔ حضرت سلیمان کے گھوڑوں سے غیر معمولی محبت کے اظہار کو یاد الٰہی کا موجب قرار دیا۔ (ص:23-34)۔ نیز آنحضور ﷺ نے گھوڑوں کی غیر معمولی اہمیت کے حوالہ سے فرمایا کہ قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر و برکت رکھ دی گئی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الجهاد و السیر بَاب الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) گھروں کی بابت آنحضور ﷺ نے انصار کے گھروں میں سے بنو نجار، بنو عبد الاشھل، بنو حارث اور بنو ساعدہ کے گھروں کو بہترین گھر قرار دیا۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب بَاب فَضْلِ دُورِ الْأَنْصَارِ)

پھر حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ نیا گھر لینے، نئی سواری خریدنے اور نئی بیوی کے آنے پر صدقہ بھی دو۔ تو یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے بد اثرات سے محفوظ رکھے اور ان ذرائع سے برکات حاصل ہوں۔

پس قرآن کریم اور آنحضور ﷺ کا ان چیزوں کو اس طرح قابل تعریف قرار دینا ثابت کرتا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث کے وہ معانی بہر حال نہیں ہو سکتے جن کی وجہ سے یہ حدیث قابل اعتراض ٹھہرتی ہو۔

ان تمام امور کے اس حدیث کو سمجھنے کیلئے بنیادی بات وہی ہے جو اس زمانہ کے حکم وعدل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حدیث کے پہلے حصہ کی تاویل کرتے ہوئے اپنی تصنیف نور الحق میں بیان فرمائی ہے (اور آپ نے بھی اپنے خط میں اس کا ذکر کیا ہے) کہ ”تمام تاثیریں عدویٰ وغیرہ کی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور بجز اس کے حکم اور ارادہ اور مشیت کے اس عالم کون اور فساد میں کوئی مؤثر نہیں۔ “(نور الحق، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 15) یعنی دنیا کی ہر چیز کی اچھی اور بُری تاثیرات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی ہیں اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت کے بغیر اپنے اچھے یا بُرے اثرات دوسرے پر نہیں ڈال سکتی۔

پس حضور علیہ السلام کی بیان فرمودہ اس تشریح کے مطابق مذکورہ بالا حدیث کے اگلے حصہ کا بھی یہی مطلب بنے گا کہ عورت ہو یا انسان کی سواری ہو یا اس کا گھر ہو، ان تمام چیزوں کے اچھے یا بُرے اثرات خدا تعالیٰ کے اذن سے ہی دوسرے شخص پر پڑ سکتے ہیں۔ اور بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان اپنی بیوی سے یا اپنی سواری سے یا اپنے گھر سے خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہی فائدہ یا نقصان اٹھاتا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس سے یہ غلط فہمی پیدا نہیں ہونی چاہئے کہ کسی چیز کے اچھے یا بُرے اثرات پیدا ہونے میں انسان کا کچھ بھی دخل نہیں اور جو کچھ بھی ہوتا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں اس مضمون کو مختلف پیرایوں میں خوب کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ انسان کے جیسے اعمال ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے مطابق ان کے نتائج بھی مرتب فرماتا ہے۔ چنانچہ سورۃ التغابن میں مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہارے ازواج میں سے اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن

ہیں، پس ان سے ہوشیار رہو۔ (التغابن:15-16)اور سورۃ النور میں فرمایا کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کیلئے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کیلئے ہیں۔ اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کیلئے ہیں۔(سورۃ النور:27)پھر ایک حدیث میں یہ بھی ذکر ہے کہ صالحہ بیوی، اچھا گھر اور اچھی سواری انسان کیلئے سعادت کا موجب ہے اور بد عورت، بُرا گھر اور بُری سواری انسان کیلئے بد بختی کا باعث ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل مُسْنَدُ الْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرِينَ بِالْجَنَّةِ مُسْنَدُ أَبِي إِسْحَاقَ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، حدیث نمبر 1368)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارہ میں فرماتے ہیں:

”جب انسان سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو اسی کے مطابق خدا بھی اپنی طرف سے ایک فعل صادر کرتا ہے مثلاً انسان جس وقت اپنی کوٹھڑی کے تمام دروازوں کو بند کر دے تو انسان کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ اس کوٹھڑی میں اندھیرا پیدا کر دے گا۔ کیونکہ جو امور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں ہمارے کاموں کیلئے بطور ایک نتیجہ لازمی کے مقدر ہو چکے ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے فعل ہیں۔ وجہ یہ کہ وہی علّتُ العلل ہے۔ ایسا ہی اگر مثلاً کوئی شخص زہر قاتل کھالے تو اس کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل صادر ہوگا کہ اسے ہلاک کر دے گا۔ ایسا ہی اگر کوئی ایسا بیجا فعل کرے جو کسی متعدّی بیماری کا موجب ہو۔ تو اس کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ متعدّی بیماری اس کو پکڑ لے گی۔ پس جس طرح ہماری دنیوی زندگی میں صریح نظر آتا ہے کہ ہمارے ہر ایک فعل کیلئے ایک ضروری نتیجہ ہے اور وہ نتیجہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ ایسا ہی دین کے متعلق بھی یہی قانون ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ ان دو مثالوں میں صاف فرماتا ہے۔ الَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: 70) فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ (الصف: 6) یعنی جو لوگ اس فعل کو بجالائے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی جستجو میں پوری پوری کوشش کی تو اس فعل کیلئے لازمی طور پر ہمارا یہ فعل ہوگا کہ ہم ان کو اپنی راہ دکھاویں گے اور

جن لوگوں نے کجی اختیار کی اور سیدھی راہ پر چلنا نہ چاہا تو ہمارا فعل اس کی نسبت یہ ہو گا کہ ہم ان کے دلوں کو کج کر دیں گے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد10 صفحہ 388-389)

سوال :ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے تین طلاقوں کے بعد اسی بیوی کے ساتھ خانہ آبادی کی بابت مسئلہ دریافت کیا۔ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 8/جون 2021ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل اصولی ہدایات سے نوازا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب :اس معاملہ پر میں آپ ہی کی بیان کردہ تین طلاقوں کے اجراء کی صورتحال کی ظاہری حالت کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی تعلیم کی رو سے آپ کو جواب دے چکا ہوں۔ تفسیر صغیر اور تفسیر کبیر میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ البقرہ کی اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (البقرہ :230) والی آیت کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے، اسی کی روشنی میں آپ کو یہ جواب دیا گیا ہے اور اس کے مطابق تو آپ اپنی اہلیہ کو طلاق بتہ دے چکے ہیں۔

اس لئے اگر آپ کی سابقہ اہلیہ کے والدین اپنی بیٹی کیلئے نیا رشتہ تلاش کر رہے ہیں تو انہیں ایسا کرنے دیں۔ کیونکہ آپ اپنی طلاقوں کی جو بھی توجیہہ کریں، ان کے نزدیک تو ان کی بیٹی کو طلاق بتہ ہو چکی ہے۔

باقی اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ نے دیوانگی کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاقیں دی ہیں اور اس وقت آپ اپنے ہوش میں نہیں تھے تو پھر آپ اپنے لئے جو بہتر سمجھتے ہیں فیصلہ کر لیں لیکن غلطی کی صورت میں پھر اس کا گناہ آپ ہی کے سر ہو گا۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 4 نومبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 38

سوال : انڈونیشیا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ کیا عید الاضحیہ کے موقع پر وفات شدگان کے نام پر جانور کی قربانی کی جاسکتی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 8/جون 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا:

جواب : وفات شدگان کی طرف سے قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ تو حضور ﷺ کی سنت ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ عید الاضحیہ کے موقع پر ایک قربانی اپنے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے دیا کرتے تھے اور ایک قربانی اپنی امت کی طرف سے کیا کرتے تھے۔ اور آپ کی امت میں بہت سے ایسے صحابہ بھی شامل تھے جو حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں شہید ہو چکے تھے اور وہ بھی حضور کی طرف سے کی جانے والی اس قربانی میں شامل ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الاضاحی۔مسند احمد بن حنبل، مسند الانصار مِنْ مُسْنَدِ الْقَبَائِلِ حَدِيثُ أَبِي رَافِعٍؓ حدیث نمبر 25937)

علاوہ ازیں حدیث میں یہ بھی روایت آتی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو جانوروں کی قربانی کرتے ہوئے دیکھا تو اس کا سبب پوچھا۔ جس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کیا کروں۔ اس لئے میں ایک جانور آپ کی طرف سے قربان کرتا ہوں۔

(سنن ابی داؤد کتاب الضحایا بَاب الْأُضْحِيَّةِ عَنْ الْمَيِّتِ)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کا جو مقام اور مرتبہ اور آپ کیلئے جو محبت تھی، اس کا اظہار کرتے ہوئے ایک موقع پر آپ فرماتے ہیں:

''حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات پر 42 سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر میں ہر قربانی کے موقع پر آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں...... پھر جب میں حج پر گیا تو اس وقت بھی میں نے آپ کی طرف سے قربانی کی تھی اور اب تک ہر عید کے موقع پر آپ کی طرف سے قربانی کرتا چلا آیا ہوں۔''

(انوار العلوم جلد 25 صفحہ 468)

پس وفات شدگان عزیزوں اور پیاروں کی طرف سے عید الاضحیہ کے موقع پر قربانی کرنا عین سنت رسول ﷺ ہے۔

سوال :ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ کیا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام حقیقی بھائی تھے۔ نیز یہ کہ جب فرعون بنی اسرائیل کے سب لڑکوں کو قتل کروا دیتا تھا تو حضرت ہارون علیہ السلام کیسے زندہ بچ گئے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 /جون 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : بائبل کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام حقیقی بھائی تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:''اور عمرام نے اپنے باپ کی بہن یوکبد سے بیاہ کیا جس سے اس کے بیٹے ہارون اور موسیٰ پیدا ہوئے۔ اور عمرام ایک سو سینتیس برس زندہ رہا ...اور یہ وہی ہارون اور موسیٰ ہیں جنہیں خداوند نے فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کو ان کے جتھوں کے مطابق مصر سے نکال لے جاؤ۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے جانے کیلئے فرعون شاہ مصر سے بات کی تھی۔''

(خروج باب 6 آیت 20 اور 26-27)

بائبل کے مطابق حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ سے بڑے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ''موسیٰ اسی برس کا اور ہارون تراسی برس کا تھا جب وہ فرعون سے ہمکلام ہوئے۔''

(خروج باب 7 آیت 7)

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی پیدائش کے وقت اپنے خواب کی وجہ سے نجومیوں اور جوتشیوں کے مشورہ پر عبرانیوں کے لڑکوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ حضرت ہارون چونکہ پہلے پیدا ہو چکے تھے اس لئے وہ زندہ بچ گئے۔

حضرت ہارونؑ کے زندہ بچنے کی ایک وجہ بائبل میں یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کا زمانہ گزر جانے کے بہت عرصہ بعد جب بنی اسرائیل کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ ملک ان سے بھر گیا تو اس وقت کے بادشاہ نے ان کی تعداد سے خوف کھا کے ان پر طرح طرح کی سختیاں شروع کر دیں۔ لیکن وہ جس قدر ستائے گئے اسی قدر ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ چنانچہ شاہ مصر نے دائیوں کو حکم دیا کہ اگر اسرائیلی عورتوں کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو اسے مار دینا اور اگر لڑکی پیدا ہو تو اسے زندہ رہنے دینا۔ لیکن دائیوں نے بادشاہ کے حکم پر عمل نہ کیا۔

(ماخوذ از خروج باب 1 آیت 7 تا 17)

ازیں تفاسیر میں بھی لکھا ہے کہ مصری چونکہ بنی اسرائیل سے بیگار کا کام لیتے تھے اس لئے ایک سال اسرائیلیوں کے لڑکوں کو زندہ رکھتے تھے اور ایک سال قتل کروا دیتے تھے تا کہ بنی اسرائیل کی تعداد زیادہ نہ بڑھ سکے لیکن مصریوں کو محنت مزدوی کیلئے لیبر ملتی رہے۔ چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام کی پیدائش اس سال ہوئی جس سال بنی اسرائیل کے لڑکوں کو زندہ رکھا گیا تھا۔

(معالم التنزیل (تفسیر البغوی) مؤلفہ ابو محمد الحسین بن مسعود زیر آیت نمبر 50 از سورۃ البقرہ)

پس حضرت ہارون علیہ السلام کے زندہ رہنے کی یہ مختلف وجوہات ہیں جو بائبل اور تفاسیر کی کتب میں بیان ہوئی ہیں۔

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے مراقبہ اور اس کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات اور طریق کے بارہ میں دریافت کیا ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13 جون 2021ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ہدایات سے نوازا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب :مراقبہ کے معانی عام طور پر دھیان لگانے، توجہ دینے اور اپنے اعمال پر غور و فکر کرنے کو کہتے ہیں۔ جس کی عادت انسانوں کے علاوہ جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے، میں نے مراقبہ بلی سے سیکھا ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 147 مطبوعہ 2016ء)

مراقبہ کا عمل جہاں مسلمان اولیاء اور صوفیاء کا ایک خاص شغل رہا ہے، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی اپنے اپنے طریق کے مطابق اس کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ یہود کے اسینی فرقہ جنہیں فریسی بھی کہا جاتا تھا کے بارہ میں انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ لوگ روزے رکھتے اور پاک زندگی بسر کرتے تھے اور غیب کی خبریں بتاتے تھے اور عبادت کے وقت مراقبہ کرتے تھے تا ان کی ارواح کا تعلق آسمانی باپ سے پیدا ہو جائے۔

(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ 384 کالم نمبر 2)

اسلامی عبادات کی بڑی غرض یہی ہے کہ انسان اور خدا کے درمیان گہرا تعلق پیدا ہو۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک سائل کے سوال کے جواب میں احسان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔ یعنی انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے لیکن اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو کم سے کم یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان بَاب سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

عبادت کی یہ دونوں کیفیات مراقبہ کی ہی صورتیں ہیں۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازوں کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

درحقیقت نماز میں ہم کو یہ بتایا گیا ہے کہ انسانی روح کے کمال کیلئے دوسرے کے ساتھ تعاون، وعظ و تذکیر اور مراقبہ یہ تین چیزیں ضروری ہیں۔ مراقبہ کا قائم مقام خاموش نمازیں ہوتی ہیں جن میں انسان اپنے مطلب کے مطابق زور دیتا ہے۔

(روزنامہ الفضل قادیان 5/ستمبر 1936ء صفحہ 4)

مراقبہ کا طریق اور اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

"ہمارے ملک میں یہ کیفیت ہے کہ ہم ہر چیز کے متعلق اس طرح کُودتے ہیں جس طرح بندر درخت پر کُودتا ہے۔ ابھی ایک خیال ہوتا ہے پھر دوسرا خیال ہوتا ہے پھر تیسرا خیال ہوتا ہے پھر چوتھا خیال ہوتا ہے ایک جگہ پر ہم ٹکتے ہی نہیں جس کی وجہ سے اعلیٰ سے اعلیٰ قرآنی تعلیم اور حدیثی تعلیم ہمارے اندر جذب نہیں ہوتی کیونکہ ہم جھٹ اس سے کُود کر آگے چلے جاتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے اس کا علاج مراقبہ بتایا ہے اور مختلف شکلوں میں صوفیائے کرام نے اس پر عمل کی تدابیر نکالی ہیں مگر اس مادی دور میں اس کو پوچھتا کون ہے... ہمارے علماء نے وہ علاج اختیار نہیں کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ قرآن کی تعلیم اور حدیث کی تعلیم جو ان امور کے متعلق ہے اس کو بار بار ذہن میں لایا جائے جسے مراقبہ کہتے ہیں۔ اور پھر بار بار لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ مگر ہمارے ہاں تو بجائے یہ کہنے کے کہ اخلاق کی درستی ہونے چاہئے بس یہی ہوتا ہے کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، یوں سجدہ کرو، یوں ڈھیلا استعمال کرو۔ کم سے کم سات دفعہ جب تک پتھر سے خاص خاص حرکات نہ کرو تمہارا ڈھیلے کا فعل درست ہی نہیں ہو سکتا۔ غرض یا قشر پر زور دیا جاتا ہے یا رسم پر زور دیا جاتا ہے اور جو اصل سبق ان احکام کے پیچھے ہے اسے بالکل نظر انداز کیا جاتا ہے۔"

(انوار العلوم جلد 24 صفحہ 515)

احباب جماعت کو مراقبہ کی نصیحت کرتے ہوئے حضورؓ فرماتے ہیں:

"تمہیں ہر روز کچھ وقت خاموشی کے ساتھ ذکر الٰہی یا مراقبے کیلئے خرچ کرنے کی عادت بھی ڈالنی چاہئے۔ ذکر الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ علاوہ نمازوں وغیرہ کے روزانہ تھوڑا سا وقت خواہ وہ ابتداء میں پانچ منٹ ہی ہو اپنے لئے مقرر کر لیا جائے جبکہ تنہائی میں خاموش بیٹھ کر تسبیح و تحمید کی جائے۔ مثلاً سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور اسی طرح دیگر صفات الٰہیہ کا ورد کیا جائے اور ان پر غور کیا جائے۔

مراقبے کے یہ معنے ہیں کہ روزانہ کچھ دیر خلوت میں بیٹھ کر انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرے کہ اس سے کون کونسی غلطیاں سرزد ہو گئی ہیں۔ آیا وہ انہیں دُور کر سکتا ہے یا نہیں۔ اگر کر سکتا ہے تو اب تک کیوں نہیں کیں۔ اگر دُور نہیں کر سکتا تو اس کی کیا وجوہ ہیں اور کیا علاج ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے آگے وہ

سوچ سکتا ہے کہ اس کے عزیزوں اور ہمسایوں کی اصلاح کی کیا صورت ہے۔ تبلیغ کے کیا مؤثّر ذرائع ہیں۔ کیا رکاوٹیں ہیں اور انہیں کس طرح دُور کیا جاسکتا ہے۔ اس قسم کے محاسبہ کا جو نتیجہ نکلے اسے ڈائری کے رنگ میں لکھ لیا جائے اور پھر اسی سلسلے کو وسیع کرنے کی کوشش کی جائے۔
اگر اس رنگ میں ذکرِ الٰہی اور مراقبہ کی عادت ڈالی جائے تو یقیناً اس سے روحانیت ترقی کرے گی، عقل تیز ہو گی اور امام وقت کی ہدایات و تقاریر پر زیادہ غور و تدبر کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق مل جائے گی۔ ایسا شخص آہستہ آہستہ ایک حد تک دنیا کیلئے ایک روحانی ڈاکٹر اور مصلح بن جائے گا۔"

(انوار العلوم جلد 23 صفحہ 61-62)

حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے متبعین کیلئے مراقبہ کا حقیقی طریق اور اس کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آپ اپنے سارے جسم و جان روح و رواں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہو جاویں۔ پھر خدا تعالیٰ خود بخود تم سب کا حافظ و ناصر معین و کارساز ہو جاوے گا۔ چاہئے کہ انسان کے تمام قویٰ آنکھ، کان، دل، دماغ، دست و پا جملہ متمسک باللہ ہو جاویں۔ ان میں کسی قسم کا اختلاف نہ رہے اسی میں تمام کامیابیاں و نصرتیں ہیں یہی اصل مراقبہ ہے اسی سے حرارت قلبی و روحانیت پیدا ہوتی ہے اور اسی کی بدولت ایمان کا مل نصیب ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 320 ایڈیشن 2016ء)

سوال : ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا کہ اگر ہوا خارج ہونے سے وضوء ٹوٹ جائے تو کیا نماز کیلئے دوبارہ وضوء کرنے سے پہلے استنجا کرنا ضروری ہوتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22؍جولائی 2021ء میں اس مسئلہ کا درج ذیل جواب ارشاد فرمایا:

جواب : حضور ﷺ کے اسوہ سے یا جہاں حضور ﷺ نے وضوء کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، ان میں کہیں پر بھی وضوء سے پہلے استنجا کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے صرف ہوا خارج ہونے سے وضوء ٹوٹنے پر نماز کیلئے دوبارہ وضوء کرتے وقت وضوء سے پہلے استنجا کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر اخراج

ریح کے ساتھ غلاظت یا پیشاب بھی نکل جائے تو پھر وضوء سے پہلے استنجاء کرنا ضروری ہے تا کہ اخراج ریح کے ساتھ جو گندگی نکلی ہے پہلے اسے دھویا جاسکے۔ورنہ ایک دفعہ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر استنجاء کر کے جب وضو کر لیا جائے تو اس کے بعد صرف ہوا کے خارج ہونے پر وضو تازہ کرتے وقت استنجاء کرنا ضروری نہیں۔

سوال :ایک مربی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ قرآن کریم کی آیت وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ میں کونسی عورتیں مراد ہیں اور کیا ان کے خاوندوں کے ہوتے ہوئے بھی ان سے شادی ہو سکتی ہے، یا یہ آیت مخصوص زمانہ کیلئے تھی اور کیا اب یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22/جولائی 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل اصولی ہدایات سے نوازا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : آپ مربی بھی ہیں اور آپ کو یہ بھی علم نہیں کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہو سکتی۔ آپ کے سوال سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا اور نہ ہی حضرت مصلح موعودؓ کی کتب کا مطالعہ کیا ہے اور نہ ہی آپ خلفاء احمدیت کے خطبات و خطابات سنتے ہیں، بلکہ آپ کو تو جماعت کے بنیادی عقائد کا بھی علم نہیں جو آپ یہ پوچھ رہے ہیں کہ کیا قرآن کریم کی یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے؟ کیونکہ جماعت احمدیہ کا بنیادی عقیدہ ہے کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا ایسا کلام ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدا تعالیٰ نے لے رکھی ہے اور اس کی بسم اللہ کی ''ب'' سے والناس کی ''س'' تک ساری عبارت خدا تعالیٰ کے اذن کے تحت محفوظ اور غیر مبدل ہے اور اس کا ایک نقطہ بلکہ ایک شوشہ بھی قابل منسوخ نہیں اور جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن کریم قابل عمل تھا، اب بھی اسی طرح قابل عمل ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک اسی طرح قابل عمل رہے گا۔

ہاں یہ بات درست ہے کہ قرآن کریم کے بعض احکام بعض مخصوص حالات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں جب وہ حالات تھے تو یہ احکام ان پر لاگو ہوتے تھے، آئندہ کسی

زمانہ میں اگر ویسے ہی حالات دوبارہ پیدا ہوتے ہیں تو پھر ان احکامات کا ان حالات پر نفاذ ہو گا۔ اس آیت میں بیان لونڈیوں کے متعلق احکامات بھی اسی قسم کے حالات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

ایک مربی کا صرف یہ کام نہیں کہ وہ صرف سوال کر کے اپنے مسائل حل کر لے۔ یا کوئی بات معلوم کرنے کیلئے صرف Google Search کا سہارا لے۔ بلکہ ایک مربی کو خود تحقیق کر کے اپنے علم میں اضافہ کرنے کی عادت ہونی چاہئے اور اس کا علم پختہ اور گہرا ہونا چاہئے۔ اس کی علمی اور جماعتی کتب کے مطالعہ پر گہری نظر ہونی چاہئے، اسے سوچنے اور غور کر کے نئے نئے علمی نکات نکالنے کی عادت ہونی چاہئے۔

باقی جہاں تک مذکورہ بالا آیت میں بیان عورتوں سے متعلق سوال ہے تو اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جبکہ دشمنان اسلام مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلموں کا نشانہ بناتے تھے اور اگر کسی غریب مظلوم مسلمان کی عورت ان کے ہاتھ آجاتی تو وہ اسے لونڈی کے طور پر اپنی عورتوں میں داخل کر لیتے تھے۔ چنانچہ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا (الشوریٰ :41) کی قرآنی تعلیم کے مطابق دشمن اسلام کی ایسی عورتیں جو اسلام پر حملہ کرنے والے لشکر کے ساتھ ان کی مدد کیلئے آتی تھیں اور اُس زمانہ کے رواج کے مطابق جنگ میں بطور لونڈی کے قید کر لی جاتی تھیں اور پھر دشمن کی یہ عورتیں تاوان کی ادائیگی یا مکاتبت کے طریق کو اختیار کر کے جب آزادی بھی حاصل نہیں کرتی تھیں تو چونکہ اس زمانہ میں ایسے جنگی قیدیوں کو رکھنے کیلئے کوئی شاہی جیل خانے وغیرہ نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے انہیں مجاہدین لشکر میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور یہ مجاہدین جب اپنے حصہ میں آنے والی ایسی لونڈیوں کی جہاں رہائش، خوراک اور لباس وغیرہ کی ضروریات پورا کرتے تھے تو بدلے میں اس زمانہ کے دستور کے مطابق ان مجاہدین کو ان عورتوں سے فائدہ اٹھانے کا بھی پورا پورا حق ہوتا تھا جس میں ان کے ساتھ جسمانی تعلق استوار کرنا بھی شامل تھا۔ پس اس آیت میں دشمن کی اسی قسم کی عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر وہ مذکورہ بالا حالات میں مسلمانوں کے قبضہ میں آتی ہیں تو قطع نظر اس کے کہ وہ شادی شدہ ہیں یا غیر شادی شدہ، لونڈی کی حیثیت میں ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی اجازت ہے۔

یہاں پر میں یہ بھی واضح کر دوں کہ قرآن کریم، احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کی روشنی میں میرا موقف ہے کہ ایسی عورتوں سے ایک قسم کے نکاح کے بعد ہی ازدواجی تعلقات قائم ہو سکتے تھے۔ لیکن اس نکاح کیلئے اس لونڈی کی رضامندی ضروری نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی اس نکاح کیلئے اسلامی دستور کے مطابق ولی کی رضامندی ضروری ہوتی تھی، بلکہ جس طرح بہت سے قبائل اور معاشروں میں یہ طریق رائج رہا اور اب بھی بعض ممالک میں یہ طریق موجود ہے کہ معاشرہ میں صرف یہ بتادیا جاتا ہے کہ ہم میاں بیوی ہیں اور یہی ایک قسم کا اعلان نکاح ہوتا ہے، اسی طرح مذکورہ بالا قسم کی لونڈیوں کا جنگ کے بعد مال غنیمت کی تقسیم میں کسی مجاہد کے حصہ میں آنا ان دونوں کا ایک طرح کا اعلان نکاح ہی ہوتا تھا۔ ایسی لونڈی سے اس قسم کے نکاح کے نتیجہ میں مرد کیلئے چار شادیوں تک کی اجازت پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا یعنی ایک مرد چار شادیوں کے بعد بھی مذکورہ قسم کی لونڈی سے ازدواجی تعلقات قائم کر سکتا تھا۔ البتہ اگر اس لونڈی کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا تھا تو وہ ام الولد کے طور پر آزاد ہو جاتی تھی۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 18 نومبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 39

سوال:انڈیا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ انہیں Feminist خیالات آتے ہیں جو اسلام کی تعلیم سے متضاد ہیں۔ نیز انہوں نے پوچھا ہے کہ عورت نکاح میں اپنا مہر خود کیوں مقرر نہیں کر سکتی۔ اس کی خاموشی اس کی رضامندی کیوں سمجھی جاتی ہے۔ عورت میں شرم اور خاموشی اتنی پسند کیوں کی جاتی ہے، جبکہ ہم ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جہاں عورتوں کے حقوق کی بات ہوتی ہے۔ نیز نکاح کے وقت اگر عورت خود موجود ہی نہیں تو اس کی مرضی کے بارے میں اس کا ولی غلط بیانی بھی تو کر سکتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مورخہ 18/جون 2021ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: کسی چیز کے بارے میں خیالات کا آنا یا کسی چیز کے بارے میں اعتراض پیدا ہونا عموماً عدم علم یا اس چیز کے بارے میں پوری طرح معلومات نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور اعتراض کرنے والا انسان بعض اوقات صرف سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے اعتراض کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اس چیز کے بارے میں پوری طرح تحقیق کر لیا کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ (النساء:95) یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کر رہے ہو تو اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو اور جو تم پر سلام بھیجے اس سے یہ نہ کہا کرو کہ تُو مومن نہیں ہے۔ تم دنیاوی زندگی کے

اموال چاہتے ہو تو اللہ کے پاس غنیمت کے کثیر سامان ہیں۔ اس سے پہلے تم اسی طرح ہوا کرتے تھے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا۔ پس خوب چھان بین کر لیا کرو۔ یقیناً اللہ اس سے جو تم کرتے ہو بہت باخبر ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۔ (الحجرات:7) یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہارے پاس اگر کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو (اس کی) چھان بین کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم جہالت سے کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو پھر تمہیں اپنے کیے پر پشیمان ہونا پڑے۔

پس اسلام نے اپنے متبعین کو اپنے اور پرائے ہر ایک کے معاملے میں پوری طرح چھان بین کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور یقین کے مقابلہ پر صرف گمان کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا (یونس:37) یقیناً ظن حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دیتا۔ اس کے ساتھ قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر اس مضمون کو بھی مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے منکرین کی مذہب کے معاملات میں کبھی کسی یقین پر بنیاد نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف ظنی اور خیالی باتیں کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم نے مومنوں کو ظن سے بچنے کی تلقین فرمائی اور بعض قسم کے ظن کو گناہ بھی قرار دیا۔ جیسا کہ فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ (الحجرات:13) کہ اے مومنو! ظن سے بکثرت اجتناب کیا کرو۔ یقیناً بعض ظن گناہ ہوتے ہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ آپ کو ایسے خیالات آتے ہیں جو اسلام کی تعلیم سے متضاد ہیں نیز آپ نے لکھا ہے کہ آپ اسلام کے احکامات کے بارے میں ریسرچ کر رہی ہیں۔ ریسرچ کرنا بہت اچھی عادت ہے لیکن اس ضمن میں یہ بات مدنظر رکھنی بھی ضروری ہے کہ آپ کی ریسرچ کی بنیاد کن چیزوں پر ہے۔ قرآن کریم، سنت نبوی ﷺ اور احادیث کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس دور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو حکم و عدل بنا کر دنیا کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے اس کا یہی مقصد ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیم جو زمین سے اٹھ کر ثریا پر جا چکی تھی، اسے آپ نے واپس لا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس لیے اپنی ریسرچ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ کو مقدم رکھیں اور بار بار ان کا مطالعہ کریں۔

اس کے بعد خلفائے احمدیت کی کتب جن کی بنیاد بھی دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہی عطا فرمودہ علم الکلام پر ہے ان کا مطالعہ کریں تو انشاء اللہ آپ کے تمام شکوک وشبہات دور ہو جائیں گے۔

باقی جہاں تک آپ کے سوالات کا تعلق ہے تو یہ بھی غلط فہمی اور اسلام کی تعلیمات سے پوری طرح واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔ اسلامی تعلیم کی رو سے لڑکی کے نکاح کے لیے لڑکی کی رضامندی سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور کوئی نکاح اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہنا کہ اس کی خاموشی کو اس کی رضامندی سمجھا جاتا ہے، یہ بھی غلط بات ہے۔ نکاح کے لیے لڑکی سے نہ صرف اس کی باقاعدہ مرضی پوچھی جاتی ہے بلکہ نکاح فارم پر لڑکی کے دستخط ہوتے ہیں اور اس کے دستخطوں کے ساتھ دو گواہوں کی اس بات پر گواہی ہونی ضروری ہے کہ اس لڑکی نے ان دو گواہوں کے سامنے اپنی مرضی سے اس نکاح فارم پر دستخط کیے ہیں۔ خاموشی کو رضامندی سمجھنا یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے، بلکہ علاقائی اور روایتی رسم ورواج ہیں۔ ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہ اسلام نے لڑکی کے نکاح کے لیے لڑکی کی مرضی کے علاوہ اس کے ولی جو اس کا بہت ہی قریبی رشتہ دار یعنی اس کا باپ یا بھائی وغیرہ ہوتا ہے، کی مرضی کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ اس حکم میں ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ چونکہ لڑکی بیاہ کر ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں جا رہی ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے نکاح میں اس کے ساتھ ولی کی شرط کو رکھ کر دوسرے خاندان پر واضح کیا گیا ہے کہ عورت، جسے معاشرہ میں عموماً مردوں کی نسبت کمزور سمجھا جاتا ہے، اگر اس پر کسی قسم کا ظلم ہوا تو اس کے اپنے خاندان کے لوگ اس کے ساتھ ہیں جو تم لوگوں سے اس بارے میں باز پُرس کر سکتے ہیں۔ لیکن ولی کی اس شرط میں بھی عورت کی مرضی کو اس طرح مقدم رکھا گیا کہ اگرچہ ولی عورت کا کوئی بہت قریبی رشتہ دار ہی ہوتا ہے جس کے متعلق یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس عورت کی یقیناً بھلائی ہی پیش نظر رکھے گا۔ اس کے باوجود اگر کسی لڑکی کو شکایت پیدا ہو کہ اس کا یہ ولی اس کی مرضی کے خلاف اس کا رشتہ کرنا چاہتا ہے تو آنحضور ﷺ کی سنت کے عین مطابق خلیفۃ المسیح روحانی باپ ہونے کی حیثیت سے اس عورت کے اس جسمانی ولی کی ولایت کو منسوخ کر کے اپنی نمائندگی میں اس عورت کا وکیل مقرر کر کے اس عورت کی مرضی کے مطابق اس کا نکاح کروانے کا حق رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں اسی پر عمل ہوتا ہے اور متعدد احمدی بچیوں نے خلیفۃ المسیح کے

توسط سے اپنے اس حق کو حاصل کیا ہے۔ ایجاب و قبول کی مجلس چونکہ مردوں کی مجلس ہوتی ہے اور اسلام نے بہت سی حکمتوں کے پیش نظر غیر محرم مردوں اور عورتوں کے بر ملا ملنے جلنے کو پسند نہیں کیا لہٰذا اسلام نے عورت کے وقار اور عزت کو مد نظر رکھتے ہوئے خود عورت کی بجائے اس کے ولی کو اس میں ایجاب و قبول کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ لیکن اس سے پہلے نکاح کے تمام تر معاملات طے کرنے میں عورت کی مرضی اور رضامندی کو پوری طرح مقدم رکھا ہے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں حضور ﷺ نے جب ایک صحابی کو رشتہ طے کرنے سے پہلے لڑکی کو ایک نظر دیکھنے کا ارشاد فرمایا، اور لڑکی کے باپ نے اپنی لڑکی غیر مرد کو دکھانے سے انکار کیا تو لڑکی حضور ﷺ کا ارشاد سن کر دروازہ سے باہر آگئی اور اس نے اس صحابی سے کہا کہ اگر حضور ﷺ کا ارشاد ہے تو تم مجھے دیکھ سکتے ہو۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح بَاب النَّظَرِ إِلَى الْمَرْأَةِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا) پس اسلام نے دیگر احکامات کی طرح نکاح اور شادی کے معاملات میں بھی جائز حدود میں رہتے ہوئے عورت کو پورا پورا اختیار دیا ہے۔ ہاں مذہب بعض امور میں جہاں عورتوں پر کچھ پابندیاں لگاتا ہے وہاں اس نے مردوں پر بھی کچھ پابندیاں لگائی ہیں۔ لیکن چونکہ شیطان ہر دور اور ہر زمانے میں انسان کو بہکانے کے لیے طرح طرح کے راستے تلاش کرتا رہتا ہے اور یہ زمانہ جس میں دجالی قوتیں جو شیطان ہی کی نمائندہ ہیں پوری شدت کے ساتھ لوگوں کو خدا تعالیٰ کے راستہ سے بھٹکانے کے لیے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں، وہ مختلف طریقوں سے لوگوں اور خصوصاً نوجوان نسل کے ذہنوں میں طرح طرح کے شبہات پیدا کر کے انہیں مذہب سے متنفر کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ لہٰذا ہر احمدی مرد و عورت کا فرض ہے کہ وہ اس معاشرہ میں رہتے ہوئے معاشرہ کی برائیوں سے جہاں خود کو بچائے وہاں اسلامی اقدار کا بہترین نمونہ باقی لوگوں کے سامنے پیش کر کے انہیں اسلام کا حقیقی پیغام پہنچائے اور معاشرہ میں اسلامی تعلیمات کو رائج کرنے کی بھرپور کوشش کرے، نہ یہ کہ اندھا دھند ان معاشرتی برائیوں کا اسیر ہو کر اسلامی تعلیمات کو بھلا دے۔ پس اب آپ نے خود یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آپ نے خدا تعالیٰ کے حکموں کو مانتے ہوئے مذہب کے راستہ پر چل کر جو بہر حال کچھ مشکلات والا راستہ ہے، اپنی دنیا اور آخرت کو حسین بنانا ہے یا شیطان اور ان دجالی قوتوں کی ملمع شدہ باتوں اور ان کے بظاہر چکا چوند کر دینے والے پُر کشش راستوں پر چل کر اپنی دنیا اور آخرت کو تباہ کرنے کے سامان کرنے ہیں۔

سوال: محترم سیکرٹری صاحب امور عامہ جرمنی نے ایک احمدی کے ایک غیر از جماعت خاتون کے ساتھ اپنا نکاح خود پڑھنے اور بعد ازاں اس عورت کو طلاق دینے اور پھر اس عورت کے بیعت کرنے کے معاملات تحریر کر کے اس نکاح کی شرعی حیثیت کی بابت محترم مفتی صاحب سے مسئلہ دریافت کیا۔ یہ معاملہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں پیش ہونے پر حضور انور نے محترم امیر صاحب جرمنی کو اپنے مکتوب مورخہ 25 جولائی 2022ء میں درج ذیل اصولی ہدایات سے نوازا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اس شخص نے یہ نکاح اگر لڑکی اور اس کے ولی کی رضامندی کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں پڑھا ہے، اور جماعتی نظام کے تحت اس نکاح کے لیے انہوں نے فارم بھی پُر کر کے اس نکاح کو رجسٹر کروایا ہے اور جس جماعت میں یہ صاحب مقیم ہیں، اس حلقہ میں ان کے نکاح کا لوگوں کو علم ہوا ہے تو پھر یہ نکاح جائز اور درست ہے۔ لیکن اگر اس نکاح میں مذکورہ بالا امور کا خیال نہیں رکھا گیا اور چھپ چھپا کر نکاح پڑھ لیا گیا ہے اور نکاح کے بعد بھی اس کی اس طرح تشہیر نہیں ہوئی کہ فریقین کے حلقہ احباب کو اس کا علم ہوا ہو تو یہ خفیہ نکاح کے زمرہ میں آئے گا۔ لہٰذا اس بارے میں ان صاحب کو جو تعزیری سزا ہوئی ہے وہ بالکل درست ہے۔

سوال: ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے نماز تسبیح پڑھنے کے طریق کے بارے میں دریافت کیا ہے کہ اس نماز میں پڑھی جانے والی تسبیحات چار رکعات میں تین سو کی تعداد میں کس طرح مکمل ہو سکتی ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مورخہ 25/جولائی 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب ارشاد فرمایا:

جواب: نماز تسبیح کے بارے میں مروی احادیث سے یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے خود اس نماز کو کبھی ادا نہیں کیا اور نہ ہی خلفائے راشدین سے اس نماز کے پڑھنے کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اسی طرح اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لیے مبعوث ہونے والے حضور ﷺ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی اس نماز کے پڑھنے کی کوئی روایت ہمیں نہیں ملتی۔

البتہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے کچھ صحابہؓ کو یہ نماز سکھائی اور اس کے پڑھنے کی انہیں تلقین فرمائی۔ اسی لیے علمائے سلف میں نماز تسبیح کے متعلق مروی احادیث کے بارے میں دونوں قسم کی آرا موجود ہیں، کچھ نے ان احادیث کو قابل قبول قرار دیا ہے اور کچھ نے ان احادیث کی اسناد پر جرح کرتے ہوئے انہیں موضوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح ائمہ اربعہ میں بھی اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس نماز کو مستحب کا درجہ بھی نہیں دیتے جبکہ دیگر فقہاء اسے مستحب قرار دیتے ہیں اور اس کی فضیلت کے بھی قائل ہیں۔

میرے نزدیک اس نماز کا پڑھنا ضروری نہیں لیکن اگر کوئی شخص اپنے طور پر یہ نماز پڑھے تو پھر ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھنا چاہیے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص ایسے وقت میں نماز ادا کر رہا تھا جس وقت میں نماز جائز نہیں۔ اس کی شکایت حضرت علیؓ کے پاس ہوئی تو آپ نے اسے جواب دیا کہ میں اس آیت کا مصداق نہیں بننا چاہتا أَرَأَيْتَ الَّذِيْ يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ۔ (سورۃ العلق:8) یعنی تو نے دیکھا اس کو جو ایک نماز پڑھتے بندے کو منع کرتا ہے۔ (البدر نمبر 15، جلد2، مورخہ یکم مئی 1903ء صفحہ 114) (مصنف عبد الرزاق کتاب صلاۃ العیدین باب الصلاۃ قبل خروج الامام وبعدہ۔ الجزء3 حدیث نمبر 5626) پس اگر کوئی یہ نماز اکیلا پڑھنا چاہے تو ہم اسے روکتے نہیں ہیں۔ لیکن اس نماز کو باجماعت ادا کرنا بدعت ہے اور منع ہے۔ جہاں تک اس نماز کے پڑھنے کا طریق ہے تو سنن ابی داؤد میں مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ آپ چار رکعات نماز اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورت فاتحہ اور قرآن کریم کی قراءت سے فارغ ہو کر 15 مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھیں۔ پھر رکوع میں 10 مرتبہ۔ پھر رکوع سے اٹھ کر 10 مرتبہ۔ پھر سجدہ میں 10 مرتبہ۔ پھر دونوں سجدوں کے درمیانی قعدہ میں 10 مرتبہ۔ پھر دوسرے سجدہ میں 10 مرتبہ اور پھر دوسرے سجدہ سے اٹھ کر 10 مرتبہ یہ تسبیحات پڑھیں۔ اس طرح ہر رکعت میں 75 مرتبہ یہ تسبیحات ہوں گی۔ اور اگر آپ طاقت رکھتے ہوں تو روزانہ ایک مرتبہ یا ہر جمعہ کو ایک مرتبہ یا ہر مہینہ میں ایک مرتبہ یا ہر سال میں ایک مرتبہ یا اپنی پوری عمر میں ایک مرتبہ یہ نماز پڑھیں۔

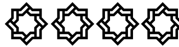
(سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب صلاۃ التسبیح)

سوال: ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے سرکاری اور غیر سرکاری بینکوں سے ملنے والے منافع کی بابت دریافت کیا کہ کیا یہ سود کے زمرہ میں آتا ہے یا نہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مورخہ 23 اگست 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب ارشاد فرمایا:

جواب: بینک یا کسی مالیاتی ادارہ میں اس شرط کے ساتھ رقم جمع کروانا کہ مجھے اس پر پہلے سے طے شدہ معین شرح کے ساتھ صرف منافع ملے۔ یہ صورت ناجائز ہے، کیونکہ یہ زائد رقم سود کے زمرہ میں آتی ہے۔ لیکن اگر بینک یا مالیاتی ادارہ میں نفع و نقصان میں شراکت کی شرط کے ساتھ رقم جمع کروائی جائے جیسا کہ ہمارے پاکستان میں PLS یعنی Profit and loss sharing اکاؤنٹس ہوتے ہیں، ایسے اکاؤنٹ سے ملنے والی زائد رقم سود میں شامل نہیں اور انسان اسے اپنے ذاتی مصرف میں لا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں حکومتی بینک یا حکومتی مالیاتی ادارے چونکہ اپنے سرمایہ کو ملک بھر کے لیے رفاہی کاموں میں لگاتے ہیں اور ان رفاہی کاموں سے نہ صرف اس بینک یا مالیاتی ادارہ میں رقم جمع کروانے والا فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ اس ملک کے دوسرے عوام و خواص بھی فائدہ اٹھا رہے ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ ان حکومتی بینکوں اور مالیاتی اداروں کی سرمایہ کاری سے ملکی معیشت میں ترقی ہوتی اور روزگار کے زیادہ مواقع پیدا ہوتے ہیں جو حکومت کی آمدنی میں اضافہ کا باعث ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ حکومتی بینک یا حکومتی مالیاتی ادارے جب اپنے پاس رقم جمع کروانے والے عوام و خواص کو اپنے منافع میں شریک کرتے ہیں اور اپنے منافع میں سے کچھ معین حصہ اپنے اکاؤنٹ ہولڈرز کو بھی دیتے ہیں تو یہ جائز ہے اور یہ زائد ملنے والا منافع سود کے زمرہ میں نہیں آتا اور انسان اسے اپنے ذاتی مصرف میں لا سکتا ہے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 02 دسمبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات
قسط نمبر 40

سوال : قرآن کریم کی حافظہ ایک بچی نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ کیا میرے والد صاحب میری اقتداء میں نماز تراویح ادا کر سکتے ہیں؟ اور اگر نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کا آغاز کرنا ہو تو کیا پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد دوبارہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۃ البقرہ کی قرأت شروع کی جائے گی؟ نیز یہ کہ جہری نمازوں میں سورتوں کی قرأت سے قبل بسم اللہ بھی اونچی آواز میں پڑھنی چاہئے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25؍جولائی 2021ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : اسلام نے نماز باجماعت کی فرضیت صرف مردوں پر عائد فرمائی ہے اور عورتوں کا باجماعت نماز ادا کرنا محض نفلی حیثیت قرار دیا ہے۔ اس لئے مردوں کی موجودگی میں کوئی عورت نماز باجماعت میں ان کی امام نہیں بن سکتی۔ آنحضور ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے کبھی کسی عورت کو مردوں کا امام مقرر نہیں فرمایا۔ اسی طرح اس زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی جب کبھی کسی علالت کی وجہ سے گھر پر نماز ادا فرماتے تو باوجود علالت کے نماز کی امامت خود کراتے۔ پس نفل نماز ہو یا فرض، اگر کسی جگہ پر مرد اور عورتیں دونوں موجود ہوں تو نماز باجماعت کی صورت میں نماز کا امام مرد ہی ہو گا۔

2۔ نماز کے دوران قرآن کریم کی تلاوت آغاز سے شروع کرتے وقت بھی طریق یہی ہے کہ نماز میں پڑھی جانے والی سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۃ البقرہ کی تلاوت شروع کی جائے گی، دوبارہ سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔ البتہ فقہاء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ قرآن کریم ختم کرنے کی صورت میں اگر کوئی شخص نماز میں سورۃ الناس کے بعد دوبارہ قرآن کریم کا کچھ ابتدائی حصہ پڑھنا چاہے تو وہ سورۃ

فاتحہ سے آغاز کر سکتا ہے اور اس کے بعد سورۃ البقرہ کا بھی کچھ پڑھ سکتا ہے، اس میں کچھ حرج کی بات نہیں لیکن ابتداء میں سورۃ فاتحہ کا تکرار بعض فقہاء کے نزدیک موجب سجدہ سہو ہے۔

3۔ نماز میں سورۃ کی تلاوت شروع کرنے سے قبل بسم اللہ بلند آواز میں پڑھنا یا آہستہ پڑھنا ہر دو طریق درست اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ چنانچہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان سب کے پیچھے نماز پڑھی ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی میں نے بسم اللہ بالجہر پڑھتے نہیں سنا۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب حجۃ من قال لا یجهر بالبسملۃ)

نعیم بن المجمر روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرۃؓ کی امامت میں نماز پڑھی، انہوں نے بسم اللہ اونچی آواز میں تلاوت کی پھر سورۃ فاتحہ پڑھی۔ پھر جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ پر پہنچے تو انہوں نے آمین کہی تو لوگوں نے بھی آمین کہی۔ جب آپ سجدہ میں جاتے تو اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے اور جب دو رکعت پڑھ کر اٹھتے تو اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے۔ پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو کہا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نماز کے معاملہ میں تم میں سے سب زیادہ آنحضرت ﷺ کی نماز سے مشابہ ہوں۔ (یعنی میری نماز حضور ﷺ کی نماز سے مشابہ ہے)

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب قرأۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

حضرت ابو ہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم جہراً پڑھا کرتے تھے۔

(المستدرک للحاکم کتاب الامامۃ و صلاۃ الجماعۃ باب التامین)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بسم اللہ جہراً اور آہستہ پڑھنا ہر دو طرح جائز ہے۔ ہمارے حضرت مولوی عبد الکریم صاحب (اللّٰھم اغفرہ وارحمہ) جوشیلی طبیعت رکھتے تھے۔ بسم اللہ جہراً پڑھا کرتے تھے۔ حضرت مرزا صاحبؑ جہراً نہ پڑھتے تھے۔ ایسا ہی میں بھی آہستہ پڑھتا ہوں۔ صحابہ میں ہر دو قسم کے گروہ ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کسی طرح کوئی پڑھے اس پر جھگڑا نہ کرو۔ ایسا ہی آمین کا معاملہ ہے ہر دو طرح

جائز ہے۔ بعض جگہ یہود اور عیسائیوں کو مسلمانوں کا آمین پڑھنا بُرا لگتا تھا تو صحابہ خوب اونچی پڑھتے تھے۔ مجھے ہر دو طرح مزا آتا ہے۔ کوئی اونچا پڑھے یا آہستہ پڑھے۔“

(بدر نمبر 32 جلد 11 23 مئی 1912ء صفحہ 3)

حضرت میاں عبد اللہ صاحب سنوریؓ روایت کرتے ہیں۔ میں نے حضرت صاحب کو کبھی رفع یدین کرتے یا آمین بالجہر کہتے نہیں سنا اور نہ کبھی بسم اللہ بالجہر پڑھتے سنا ہے۔

خاکسار (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ ناقل) عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق عمل وہی تھا جو میاں عبد اللہ صاحب نے بیان کیا لیکن ہم احمدیوں میں حضرت صاحب کے زمانہ میں بھی اور آپ کے بعد بھی یہ طریق عمل رہا ہے کہ ان باتوں میں کوئی ایک دوسرے پر گرفت نہیں کرتا بعض آمین بالجہر کہتے ہیں بعض نہیں کہتے بعض رفع یدین کرتے ہیں اکثر نہیں کرتے بعض بسم اللہ بالجہر پڑھتے ہیں اکثر نہیں پڑھتے اور حضرت صاحب فرماتے تھے کہ دراصل یہ تمام طریق آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں مگر جس طریق پر آنحضرت ﷺ نے کثرت کے ساتھ عمل کیا وہ وہی طریق ہے جس پر خود حضرت صاحب کا عمل تھا۔

(سیرۃ المہدی جلد اول صفحہ 147-148 روایت نمبر 154 مطبوعہ فروری 2008ء)

سوال: ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے استفسار کیا کہ اللہ تعالیٰ کو طاق نمبر کیوں پسند ہے؟ 1۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے قرآن مجید میں مذکر کا صیغہ کیوں استعمال کیا ہے؟ 2۔ کیا یہ بات درست ہے کہ جنت میں اعلیٰ مقام والے لوگ اپنے سے کم مقام والوں کو تو مل سکیں گے، لیکن کم درجہ والے اعلیٰ درجہ والوں سے نہیں مل سکیں گے؟ 3۔ ایک دہریہ کو کیسے سمجھایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالآخر انسانوں کو معاف کر کے جنت میں لے جانا ہے؟

جواب: آپ کے پہلے سوال کا جواب تو حدیث میں بھی بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ خود ایک ہے اور ایک کا ہندسہ طاق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو طاق پسند ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا إِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ یعنی اللہ تعالیٰ یقیناً وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبہ والاستغفار بَاب فِي أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالَى وَفَضْلِ مَنْ أَحْصَاهَا)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہمیں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون نظر آتا ہے کہ وہ طاق چیزوں کو پسند کرتا ہے۔ رسول کریم ﷺ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ طاق چیزوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ خود بھی ایک ہے اور دوسری اشیاء کے متعلق بھی وہ یہی پسند کرتا ہے کہ وہ طاق ہوں۔ چنانچہ یہ حکمت ہمیں ہر جگہ نظر آتی ہے۔ مگر یہ ایک الگ اور وسیع مضمون ہے جس کو اس وقت بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمام قانون قدرت میں اللہ تعالیٰ نے طاق کو قائم رکھا ہے اور اس کے ہر قانون پر طاق حاوی ہے۔ قرآن کریم کے محاوروں اور سول کریم ﷺ کے محاوروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سات کے عدد کو تکمیل کے ساتھ خاص طور پر تعلق ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو سات دن میں بنایا۔ اسی طرح انسان کی روحانی ترقیات کے سات زمانے ہیں۔ پھر آسمانوں کیلئے بھی قرآن کریم میں سَبْعَ سَمٰوٰت کے الفاظ آتے ہیں اور یہ طاق کا عدد ہے۔ تو طاق کا عدد اللہ تعالیٰ کے حضور خاص حکمت رکھتا ہے اور اس کا مظاہرہ ہم تمام قانون قدرت میں دیکھتے ہیں۔“

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مؤرخہ 7/ اپریل 1939ء صفحہ 5)

2۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں مذکر اور مونث کے صیغے انسانوں میں جنسی فرق کرنے کیلئے بولے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک ہے اور اس قسم کی تقسیم سے منزہ ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ نے ہمیں سمجھانے کیلئے اپنے متعلق خود کچھ باتیں بیان فرمائی ہیں لیکن وہ سب استعارہ کے رنگ میں ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ نہ مرد ہے اور نہ عورت اور وہ ہر قسم کی جنس سے پاک ہے۔

اسی طرح دنیا کے تقریباً تمام معاشروں میں عورت کو مرد کی نسبت کمزور سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کی بعثت کے وقت عرب میں بھی یہی تصور پایا جاتا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنے لئے تو بیٹے چنے ہیں اور اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹیاں چنیں ہیں۔ یعنی وہ فرشتوں کو مونث کے صیغے سے پکارتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق فرماتا ہے کہ یہ بہت ہی بُری تقسیم ہے جو وہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۲﴾ تِلْكَ اِذًا

قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ﴿۲۳﴾ (النجم:22-23) یعنی کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اس کیلئے بیٹیاں ہیں؟ تب تو یہ ایک بہت ناقص تقسیم ٹھہری۔

پس آغاز آفرینش سے ہی مونث کو کمزور اور مذکر کو اعلیٰ اور طاقتور سمجھا جاتا ہے۔ عربی زبان میں بھی مذکر کا صیغہ کامل قوت اور قدرت والے پر دلالت کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ جو تمام قوتوں کا سر چشمہ اور وراء الوراء طاقتوں کا مالک ہے اس نے اپنے لئے وہ صیغہ استعمال فرمایا ہے جو انسانوں کی نظر میں بھی اس کی ذات کے قریب ترین قرار پاتا ہے۔ ورنہ قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارہ میں جو تشبیہات بیان ہوئی ہیں وہ سب استعارہ کے طور پر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ کی مصداق ہے جیسا کہ فرمایا: فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ‌ۚ يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ‌ ؕ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ‌ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ (الشوریٰ: 12) یعنی وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے ساتھی بنائے ہیں اور چارپایوں کے بھی جوڑے بنائے ہیں اور اس طرح وہ تم کو زمین میں بڑھاتا ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ بہت سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”خداشناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے۔ یہی طریق قرآن شریف نے صفات باری تعالیٰ میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا سنتا، جانتا، بولتا، کلام کرتا ہے۔ اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کیلئے یہ بھی فرماتا ہے لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ...یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 376-377)

پھر فرمایا:

”ازل سے اور قدیم سے خدا میں دو صفتیں ہیں۔ ایک صفت تشبیہی دوسری صفت تنزیہی۔ اور چونکہ خدا کے کلام میں دونوں صفات کا بیان کرنا ضروری تھا یعنی ایک تشبیہی صفت اور دوسری تنزیہی

صفت اِس لئے خدا نے تشبیہی صفات کے اظہار کیلئے اپنے ہاتھ آنکھ محبت غضب وغیرہ صفات قرآن شریف میں بیان فرمائے اور پھر جب کہ احتمال تشبیہ کا پیدا ہوا تو بعض جگہ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ کہہ دیا۔"

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 277)

3۔ قرآن کریم میں اہل جنت اور اہل جہنم کا جہاں ذکر کیا گیا ہے، وہاں ان دونوں کے درمیان ایک روک کے حائل ہونے کا ذکر بھی کیا گیا، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ جنتی اور جہنمی ایک دوسرے سے نہیں مل سکیں گے لیکن اسی جگہ پر ان کے ایک دوسرے کو دیکھ سکنے کا ذکر آیا ہے۔ جس کا بظاہر یہ مقصد نظر آتا ہے کہ تا جنتی جہنمیوں کو دیکھ کر اپنے رب کے احسانات کے شکر گزار ہوں جس نے انہیں راہ راست پر قائم رکھا اور جنت کی ان نعمتوں کا وارث بنایا۔ اور جہنمی جنتیوں کو ملنے والی نعماء کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ کر دنیا میں کئے گئے اپنے بُرے اعمال پر کف افسوس ملیں۔ چنانچہ سورۃ الاعراف آیت 41 تا 51 میں اس مضمون کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

لیکن جہاں تک مختلف درجات والے جنتیوں کے آپس میں ملنے جلنے کا معاملہ ہے تو قرآن و حدیث میں جنت کے مختلف مقام اور مدارج کا تو ذکر ہوا ہے لیکن جنت کے ان مختلف مقام اور مدارج میں رہنے والوں کے آپس میں ملنے جلنے میں کسی روک ٹوک کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان کے معاملہ میں ان کے پیچھے چلی ہے ہم اعلیٰ جنتوں میں ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ جمع کر دیں گے اور ان کے باپ دادوں کے عملوں میں بھی کوئی کمی نہیں کریں گے۔ (الطور:22)

اسی طرح احادیث میں بھی آیا ہے کہ جن لوگوں کے تین چھوٹے بچے فوت ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحم کرتے ہوئے ان کے والدین کو بھی ان بچوں کے ساتھ جنت میں داخل فرمادے گا۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز بَاب فَضۡلِ مَنۡ مَاتَ لَہٗ وَلَدٌ فَاحۡتَسَبَ)

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جنت میں مختلف مدارج پانے والے جنتیوں کی مستقل رہائش کا الگ الگ ہونا اور بات ہے اور ان مختلف مدارج والوں کا آپس میں ملنا جلنا الگ چیز ہے، جس کے بارہ میں قرآن و حدیث میں کسی قسم کی کوئی روک ٹوک بیان نہیں ہوئی بلکہ قرآن کریم نے تو جنتیوں کے

متعلق ایک حقیقت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ (النحل :32)یعنی ان کیلئے ان میں وہی کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ پھر فرمایا لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ (الزمر: 35)یعنی وہ جو کچھ چاہیں گے ان کو اپنے رب کے ہاں مل جائے گا۔ پھر فرمایا وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (حٰم السجدہ :32)یعنی اس (جنت) میں جو کچھ تمہارے جی چاہیں گے تم کو ملے گا اور جو کچھ تم مانگو گے وہ بھی تم کو اس میں ملے گا۔

پس ان آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مختلف درجات رکھنے والے جنتی اگر اپنے کسی پیارے سے ملنا چاہیں گے تو ان کی یہ خواہش بھی جنت میں پوری ہوگی۔

4۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اس کی کسی غلطی پر سزا دی جائے تو وہ سزا دائمی نہیں ہوتی بلکہ ایک وقت پر وہ سزا بھی ختم ہو جاتی ہے۔ جب ہم انسانوں اور ہمارے بنائے ہوئے قوانین کا یہ حال ہے تو خدا تعالیٰ جو تمام صفات حسنہ اور محامدہ طیبہ کا جامع، سب سے برتر اور تقدس کے اعلیٰ ترین مقام پر جلوہ گر ہے اور جس کا اپنی ذات کے متعلق وعدہ ہے کہ اِنَّ رَحْمَتِيْ غَلَبَتْ غَضَبِيْ (بخاری کتاب بدء الخلق بَاب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ)یعنی یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ اور جو ایک مہربان ماں سے بھی بہت بڑھ کر اپنے بندوں سے محبت اور پیار کرتا ہے۔ اس کے متعلق ہم کیسے یہ سوچ بھی سکتے ہیں کہ وہ انسانوں کو ان کی غلطیوں اور گناہوں کی پاداش میں ہمیشہ کیلئے جہنم کے عذاب میں مبتلا رکھے گا۔ دوزخ تو ایک ہسپتال ہے جہاں بیماروں کا علاج کر کے ان کے شفا پا جانے کے بعد انہیں ڈسچارج کر دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہنم کے متعلق اُمّ یعنی ماں کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (القارعہ :10)یعنی اس کی ماں ہاویہ ہوگی۔ اور ماں کے پیٹ میں انسان ہمیشہ کیلئے نہیں رہتا۔ بلکہ جب جنین مکمل ہو جاتا ہے تو وہاں سے دنیا میں آ جاتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہاویہ کو اُمّ کہنے میں یہ مطلب ہے کہ جب تک تربیت یافتہ نہ ہو ماں سے تعلق رہتا ہے۔ بعد تربیت پالینے کے ماں سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد طول مکث کے دوزخی دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے۔“

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 446)

اسی طرح حدیث میں بھی آتا ہے کہ جہنم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں کوئی آدم زاد باقی نہیں رہے گا اور ہوا اس کے دروازے کھٹکھٹائے گی۔

(کنز العمال جلد 14 حدیث نمبر 39506)

پھر حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دوزخ سے نکالے جانے والے آخری انسان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا جو آدمی سب سے آخر میں جنت میں داخل ہو گا وہ گرتا پڑتا اور گھسٹتا ہوا دوزخ سے اس حال میں نکلے گا کہ دوزخ کی آگ اسے جلا رہی ہو گی۔ پھر جب دوزخ سے نکل جائے گا تو دوزخ کی طرف پلٹ کر دیکھے گا اور دوزخ سے مخاطب ہو کر کہے گا کہ بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات دی، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ نعمت عطا فرمائی ہے کہ اولین وآخرین میں سے کسی کو بھی وہ نعمت عطا نہیں فرمائی۔ پھر اس کیلئے ایک درخت بلند کیا جائے گا۔ وہ آدمی کہے گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اس درخت کے قریب کر دیجئے تاکہ میں اس کا سایہ حاصل کر سکوں اور اس کے پھلوں سے پانی پیوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! اگر میں تجھے یہ دے دوں تو پھر تو اس کے علاوہ بھی مجھ سے مانگے گا۔ وہ عرض کرے گا کہ نہیں اے میرے پروردگار! چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے علاوہ اور کچھ نہ مانگنے کا معاہدہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرمائے گا کیونکہ وہ جنت کی ایسی ایسی نعمتیں دیکھے گا کہ جس پر اسے صبر نہ ہو گا۔ پس اللہ تعالیٰ اسے اس درخت کے قریب کر دے گا۔ وہ اس کے سائے میں آرام کرے گا اور اس کے پھلوں کے پانی سے پیاس بجھائے گا۔ پھر اس کیلئے ایک اور درخت ظاہر کیا جائے گا جو پہلے درخت سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو گا۔ وہ آدمی عرض کرے گا اے میرے پروردگار! مجھے اس درخت کے قریب فرما دیجئے تاکہ میں اس کا سایہ حاصل کر سکوں اور اس کا پانی پیوں، اور اس کے بعد میں اور کوئی سوال نہیں کروں گا۔ اللہ فرمائے گا اے ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے معاہدہ نہیں کیا تھا کہ تو مجھ سے اور کوئی سوال نہیں کرے گا اور اب اگر تجھے اس درخت کے قریب پہنچا دیا تو پھر تو اور سوال کرے گا۔

اللہ تعالیٰ پھر اس سے اس بات کا وعدہ لے گا کہ وہ اور کوئی سوال نہیں کرے گا، تاہم اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ معذور ہو گا کیونکہ وہ ایسی ایسی نعمتیں دیکھے گا کہ جس پر وہ صبر نہ کر سکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت کے قریب کر دے گا۔ وہ اس کے سایہ میں آرام کرے گا اور اس کا پانی پیئے گا۔ پھر اسے جنت کے دروازے پر ایک درخت دکھایا جائے گا جو پہلے دونوں درختوں سے زیادہ خوبصورت ہو گا۔ پس وہ آدمی کہے گا اے میرے رب! مجھے اس درخت کے قریب فرما دیجئے تا کہ میں اس کے سایہ میں آرام کروں اور پھر اس کا پانی پیوں اور اس کے علاوہ کوئی اور سوال نہیں کروں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس آدمی سے فرمائے گا اے ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ تو اس کے بعد اور کوئی سوال نہیں کرے گا۔ وہ عرض کرے گا ہاں اے میرے پروردگار! اب میں اس کے بعد اس کے علاوہ اور کوئی سوال نہیں کروں گا اللہ اسے معذور سمجھے گا کیونکہ وہ جنت کی ایسی ایسی نعمتیں دیکھے گا کہ جس پر وہ صبر نہیں کر سکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے اس درخت کے قریب کر دے گا۔ جب وہ اس درخت کے قریب پہنچے گا تو جنت والوں کی آوازیں سنے گا تو وہ پھر عرض کرے گا اے میرے رب مجھے اس میں داخل کر دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! تیرے سوال کو کون سی چیز روک سکتی ہے کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے دنیا اور اس کے ساتھ دنیا کے برابر اور دے دیا جائے؟ وہ شخص کہے گا اے میرے رب! کیا تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے جبکہ تو تو رب العالمین ہے؟

اس پر اس حدیث کے راوی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہنس پڑے اور لوگوں سے کہا کہ تم مجھ سے کیوں نہیں پوچھتے کہ میں کیوں ہنسا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ بھی اسی طرح ہنسے تھے اور صحابہ نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ آپ کسی وجہ سے ہنسے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ رب العالمین کے ہنسنے کی وجہ سے۔ جب وہ آدمی کہے گا کہ تو رب العالمین ہونے کے باوجود مجھ سے مذاق کر رہا ہے ہو تو اللہ فرمائے گا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا مگر جو چاہوں کرنے پر قادر ہوں۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان بَاب آخِرِ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا)

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 9 دسمبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 41

سوال: ایک غیر از جماعت خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں اپنی اور اپنے بھائی کی بعض خوابیں لکھ کر ان کے بارہ میں حضور انور سے راہنمائی چاہی، نیز جماعت کے بارہ میں اپنے بعض سوالات کے جواب بھی حضور انور سے دریافت کئے۔ اسی طرح ایک احمدی لڑکے سے شادی کرنے کی اجازت بھی مانگی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 اگست 2021ء میں اس خط کے جواب میں درج ذیل ہدایات عطاء فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : جہاں تک شادی کا تعلق ہے تو اگر وہ لڑکا بھی آپ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے خود یہ بات پوچھنی چاہیے۔

آپ نے اپنی اور اپنے بھائی کی جو خوابیں تحریر کی ہیں، ان میں سفید پرندوں، سفید گھروں اور ان گھروں میں خانہ کعبہ کے ہونے کا خاص طور پر ذکر ہے۔ خواب میں سفید رنگ نیکی، خیر و برکت اور دین کی صفائی کی علامت ہوتی ہے۔ پرندے روحانی ترقی کی علامت ہوتے ہیں اور کسی گھر میں خانہ کعبہ کا ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس گھر میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی شامل ہے اور گھر والوں کے دین کی اصلاح اور ان کے ہر قسم کے خوف سے امن میں ہونے کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی راہ حق اور حقیقی اسلام کی طرف راہنمائی فرمائے اور آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق مبعوث ہونے والے مسیح محمدی علیہ السلام کو پہچاننے، ان کے دعاوی کو صدق دل سے قبول کرنے اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا و آخرت سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اتمام حجت ہو جانے کے بعد بھی آنحضور ﷺ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مانے بغیر اس دنیا سے کوچ کر جانے والوں کو آخرت میں کئی قسم کے ہم و غم کا تو بہر حال سامنا کرنا پڑتا

ہے کیونکہ وہ سید الرسل نبی آخر الزماں خاتم النبیین حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے احکامات کی تعمیل کئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوئے ہوتے ہیں۔ خواب میں آپ کے والد صاحب کا وفات کے بعد خوفناک مناظر کے دیکھنے کا بیان اسی انذار کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ رحم کا سلوک فرمائے اور ان کی اولاد کو سچائی پہچاننے اور اسے قبول کر کے ان کے حق میں مقبول دعاؤں کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

باقی جہاں تک آپ کے سوالوں کا تعلق ہے تو ان کے تفصیلی جوابات تو ہمارے سلسلہ کی مختلف کتب میں موجود ہیں، وہاں سے آپ یہ تفصیلی جواب پڑھ سکتی ہیں۔ یہاں اختصار کے ساتھ میں ان کا جواب آپ کو بتا دیتا ہوں۔

1۔ علماء دین اور عقل رکھنے کا دعویٰ کرنے والے مسلمانوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت میں پوری ہونے والی پیشگوئیوں اور نشانیوں کا نظر نہ آنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ایمان اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے نصیب ہوتا ہے۔ صرف کسی کے علم اور عقل کی بناء پر حاصل نہیں ہو جاتا۔ اس کی سب سے بڑی مثال ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمدؐ کے نور نبوت کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے ایک ان پڑھ اور ناخواندہ غلام نے تو پہچان لیا لیکن مکہ کی وادی کا سردار اور حکمت کا باپ کہلانے والا (ابوالحکم) اس نور کو نہ دیکھ سکا اور اس نور نبوت کو نہ ماننے کے نتیجہ میں ابوجہل کہلایا۔

2۔ آنحضور ﷺ کے اپنی ذات کے بارہ میں لا نبی بعدی کے الفاظ فرمانے کی حقیقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جن کے بارہ میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ دین کا نصف علم عائشہ سے سیکھو) نے اس طرح بیان فرمائی کہ قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جزء6 حدیث نمبر 219)

یعنی تم حضور ﷺ کو خاتم النبیین تو کہو لیکن یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد نبی نہیں ہو گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ اور خلافت راشدہ کا زمانہ گزرنے بعد لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہونا شروع ہو گئے تھے کہ آپؐ کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ چونکہ آخرین میں مبعوث ہونے والے مسیح محمدی کے بارہ میں قرآن کریم اور

حضور ﷺ کی بیان فرمودہ دیگر بشارات سے بھی واقف تھیں اس لئے آپ نے اس زمانہ میں لوگوں میں پیدا ہونے والی اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ حضور ﷺ کو خاتم النبیین (نبیوں کی مہر) تو کہیں یعنی اب جو بھی نبی دنیا میں مبعوث ہو گا وہ صرف اور صرف حضور ﷺ کی اتباع اور آپ کے فیوض کی برکت سے ہو گا اور حضور ﷺ ہی کی شریعت کے تابع ہو گا۔ لیکن یہ نہ کہیں کہ آپ کے بعد کسی بھی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ کیونکہ یہ بات حضور ﷺ کے خاتم النبیین کے مقام کے منافی ہے۔ حضور ﷺ کا مقام خاتم النبیین ثابت ہی تب ہوتا ہے جب آپ کا کوئی امتی آپؐ کے فیوض و برکات اور آپؐ کی اتباع و اطاعت کی بدولت آپ سے ظلی، بروزی اور امتی نبوت کا مقام حاصل کرے۔

اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افترا کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرّہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لئے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی۔ اس طرح پر میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔ مگر پیشگوئیوں کے مطابق ضرور تھا کہ انکار بھی کیا جاتا اس لئے جن کے دلوں پر پردے ہیں وہ قبول نہیں کرتے۔ میں جانتا ہوں کہ ضرور خدا میری تائید کرے گا جیسا کہ وہ ہمیشہ اپنے رسولوں کی تائید کرتا رہا ہے۔ کوئی نہیں کہ میرے مقابل پر ٹھہر سکے کیونکہ خدا کی تائید اُن کے ساتھ نہیں اور جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔

اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا اور میرا یہ قول کہ "من نیستم رسول و نیاوردہ اَم کتاب" اس کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ میں صاحب شریعت نہیں ہوں۔ ہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے اور ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ساتھ پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بِلاواسطہ میرے پر نہیں ہیں بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے یعنی محمد مصطفی ﷺ۔ اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہو کر اور اس کے نام محمد اور احمد سے مسمّٰی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی اور اس طور سے خاتم النبیین کی مہر محفوظ رہی کیونکہ میں نے انعکاسی اور ظلّی طور پر محبت کے آئینہ کے ذریعہ سے وہی نام پایا۔ اگر کوئی شخص اس وحی الٰہی پر ناراض ہو کہ کیوں خدا تعالیٰ نے میرا نام نبی اور رسول رکھا ہے تو یہ اس کی حماقت ہے کیونکہ میرے نبی اور رسول ہونے سے خدا کی مہر نہیں ٹوٹتی۔"

(ایک غلطی کا ازالہ، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 210-211)

اپنی ایک اور تصنیف میں آپ فرماتے ہیں:

"ہمارا یہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے اور بعد اس کے قیامت تک ان معنوں سے کوئی نبی نہیں ہے جو صاحبِ شریعت ہو یا بلاواسطہ متابعت آنحضرت صلعم وحی پا سکتا ہو بلکہ قیامت تک یہ دروازہ بند ہے اور متابعت نبوی سے نعمتِ وحی حاصل کرنے کیلئے قیامت تک دروازے کھلے ہیں۔ وہ وحی جو اتباع کا نتیجہ ہے کبھی منقطع نہیں ہو گی مگر نبوت شریعت والی یا نبوّت مستقلہ منقطع ہو چکی ہے۔"

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی چکڑالوی، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 213)

3۔ خلافت علی منہاج النبوۃ سے مراد خلافت کا وہ سلسلہ ہے جو نبوت کے بعد اسی کے نقشِ پا پر اور اسی کے کاموں کو آگے بڑھانے کیلئے جاری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نے اس خلافت کا وعدہ مومنین کے ساتھ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(النور:56)

یعنی اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنا دے گا۔ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنا دیا تھا اور جو دین اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے وہ ان کیلئے اُسے مضبوطی سے قائم کر دے گا اور ان کے خوف کی حالت کے بعد وہ ان کیلئے امن کی حالت تبدیل کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے (اور) کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد بھی انکار کریں گے وہ نافرمانوں میں سے قرار دیئے جائیں گے۔

پھر ایک حدیث رسول ﷺ میں بھی بیان ہوا ہے کہ مَا كَانَتْ نُبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَةٌ یعنی ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے۔

(الجامع الصغیر للسیوطی الجزء الثانی صفحہ 126 مطبوعہ مصر 1306 ہجری)

ان الٰہی وعدوں کے مطابق پہلے آنحضور ﷺ کے وصال کے معاًبعد خلافت راشدہ کی صورت میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا یہ سلسلہ مومنوں میں قائم ہوا اور پھر اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں حضور ﷺ کی ایک پیشگوئی کے مطابق یہی سلسلہ آپ کے غلام صادق مسیح محمدی کی بعثت کے بعد قائم ہوا۔ چنانچہ ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں اس خوشخبری کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں نبوت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر وہ اس کو اٹھالے گا اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس نعمت کو بھی اٹھالے گا۔ پھر اس کی تقدیر کے مطابق ایذا رساں بادشاہت قائم ہو گی جس سے لوگ دل گرفتہ ہوں گے اور تنگی محسوس کریں گے۔ جب یہ دَور ختم ہو گا تو اس کی دوسری تقدیر کے مطابق اس سے بھی بڑھ کر جابر بادشاہت قائم ہو گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آئے گا اور

اس ظلم و ستم کے دَور کو ختم کر دے گا۔ اس کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔ یہ فرما کر آپؐ خاموش ہو گئے۔

(مسند احمد بن حنبلؒ جلد 6 صفحہ 285 مسند النعمان بن بشیر حدیث نمبر 18596 عالم الکتب بیروت 1998ء)

اس قرآنی وعدہ اور حضور ﷺ کے مذکورہ بالا ارشادات میں یہ پیش خبریاں موجود تھیں کہ امت محمدیہ میں اللہ تعالیٰ جہاں خلافت علی منہاج النبوۃ کا سلسلہ قائم فرمائے گا وہاں اس کے ساتھ مسلمانوں میں کئی دنیاوی قسم کی بادشاہتیں اور خلافتیں بھی قائم ہوں گی لیکن خلافت علی منہاج النبوۃ کی نشانی یہ ہو گی کہ وہ خلافت شدت پسندوں کا جواب شدّت پسندی کے رویّے دکھا کر قائم نہیں ہو گی۔ مسلم اُمہ کے دو گروہوں کے درمیان گولیاں چلانے اور قتل و غارت کرنے سے حاصل نہیں ہو گی بلکہ وہ خلافت اللہ تعالیٰ کے رحم کو جوش دلانے سے قائم ہونے والی خلافت ہو گی اور جو خلافت اللہ تعالیٰ کے رحم اور اس کی عنایت کے نتیجہ میں ملے گی وہ نہ صرف اپنے متبعین کیلئے محبت پیار اور خوف کے بعد امن کا سامان کرنے والی ہو گی، دین کی مضبوطی کی ضامن ہو گی، اللہ تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں قائم کرنے والی ہو گی بلکہ کل دنیا کیلئے بھی امن کی ضمانت ہو گی۔ حکومتوں کو انصاف کرنے اور ایمانداری اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائے گی۔ عوام کو ایمانداری اور محنت سے فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائے گی۔

پس یہ کام جس طرح آنحضور ﷺ کے بعد قائم ہونے والی خلافت راشدہ نے کئے آپ ﷺ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے نتیجہ میں قائم ہونے والی خلافت احمدیہ حقہ اسلامیہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہی کام اس زمانہ میں انجام دینے کی توفیق پا رہی ہے۔

4۔ جہاں تک منارۃ المسیح کا تعلق ہے تو جس طرح سابقہ انبیاء اور خدا تعالیٰ کے فرستادہ اپنے زمانوں میں پیشگوئیوں کو ظاہری طور پر بھی پورا کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، اسی سنت انبیاء کی اتباع میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی خدا تعالیٰ کے اذن سے حضور ﷺ کی درج ذیل پیشگوئی کو ظاہری طور پر پورا کرنے کیلئے اس مینارہ کی تعمیر شروع کروائی۔ حضرت نواس بن سمعانؓ ایک لمبی روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس میں فرمایا کہ إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ

عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کو بھیجے گا تو وہ دمشق کے مشرق میں سفید منارہ کے پاس اتریں گے۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن واشراط الساعۃ)

حضورؐ کی اس پیشگوئی کو ظاہراً پورا کرنے کیلئے کئی مسلمان بادشاہوں نے اس قسم کے مینارہ کی تعمیر کی کوشش کی۔ چنانچہ 461 ہجری میں دمشق میں جامع اموی میں ایک مینارہ تعمیر کیا گیا، جسے کئی سال بعد عیسائیوں نے آگ لگا کر تباہ کر دیا۔ بعد کے ادوار میں اس مینارہ کو دوبارہ تعمیر کیا گیا لیکن پھر آتش زدگی سے یہ مینارہ اور مسجد دونوں جل گئے۔ تیسری مرتبہ 805 ہجری میں شام کے گورنر نے اس مینارہ کی تعمیر کا کام شروع کیا اور اسے منارہ عیسیٰ کا نام دیا گیا۔ لیکن وہ بھی آج موجود نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جن کی بعثت قادیان کی بستی جو دمشق کے عین مشرق میں واقع ہے میں ہوئی، آپ نے بھی حضور ﷺ کی اس پیشگوئی کی ظاہری علامت کو پورا کرنے کیلئے ایک مینارہ کی تعمیر شروع کروائی۔ جو بعض نامساعد مالی حالات کی وجہ سے آپ کے عہد مبارک میں مکمل نہ ہو سکی لیکن آپ کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ہی یہ تعمیر مکمل ہو کر یہ مینارہ 1915ء میں اپنی تکمیل کو پہنچا اور آج بھی آپ علیہ السلام کی بعثت کے مقام پر منارۃ المسیح کے نام سے موجود ہے۔ بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام اس مینارہ کی تعمیر کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حدیث نبوی میں جو مسیح موعود کی نسبت لکھا گیا تھا کہ وہ منارہ بیضاء کے پاس نازل ہو گا اس سے یہی غرض تھی کہ مسیح موعود کے وقت کا یہ نشان ہے کہ اس وقت بباعث دنیا کے باہمی میل جول کے اور نیز راہوں کے کھلنے اور سہولت ملاقات کی وجہ سے تبلیغ احکام اور دینی روشنی پہنچانا اور ندا کرنا ایسا سہل ہو گا کہ گویا یہ شخص منارہ پر کھڑا ہے...... غرض مسیح کے زمانہ کیلئے منارہ کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ اس کی روشنی اور آواز جلد تر دنیا میں پھیلے گی اور یہ باتیں کسی اور نبی کو میسر نہیں آئیں۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 51 مطبوعہ 2019ء)

فرمایا:

"خود اس منارہ کے اندر ہی ایک حقیقت مخفی ہے اور وہ یہ کہ احادیث نبویہ میں متواتر آچکا ہے کہ مسیح آنے والا صاحب المَنَارہ ہو گا یعنی اُس کے زمانہ میں اسلامی سچائی بلندی کے انتہا تک پہنچ جائے گی جو اس منارہ کی مانند ہے جو نہایت اونچا ہو اور دین اسلام سب دینوں پر غالب آجائے گا اُسی کے مانند جیسا کہ کوئی شخص جب ایک بلند منار پر اذان دیتا ہے تو وہ آواز تمام آوازوں پر غالب آجاتی ہے۔ سو مقدر تھا کہ ایسا ہی مسیح کے دنوں میں ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصف :10) یہ آیت مسیح موعود کے حق میں ہے اور اسلامی حجت کی وہ بلند آواز جس کے نیچے تمام آوازیں دب جائیں وہ ازل سے مسیح کیلئے خاص کی گئی ہے اور قدیم سے مسیح موعود کا قدم اس بلند مینار پر قرار دیا گیا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی عمارت اونچی نہیں۔"

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 52 مطبوعہ 2019ء)

فرمایا:

"یاد رہے کہ اس منارہ کے بنانے سے اصل غرض یہ ہے کہ تا پیغمبر خدا ﷺ کی پیشگوئی پوری ہو جائے۔ اسی غرض کیلئے پہلے دو دفعہ منارہ دمشق کی شرقی طرف بنایا گیا تھا جو جل گیا۔ یہ اسی قسم کی غرض ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو کسریٰ کے مال غنیمت میں سے سونے کے کڑے پہنائے تھے تا ایک پیشگوئی پوری ہو جائے۔"

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 80 مطبوعہ 2019ء حاشیہ)

5۔ احادیث میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے ظہور کے چالیس سال بعد قیامت آنے کا جو ذکر ہے تو اس میں بھی کئی امور قابل تشریح ہیں جیسا کہ پیشگوئیوں کا خاصہ ہوتا ہے کہ ان میں کئی باتیں تعبیر طلب ہوتی ہیں۔ پس ایک تو خود لفظ قیامت تشریح طلب ہے کیونکہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں قیامت کا لفظ مختلف معانی میں بیان ہوا ہے۔ قیامت کا لفظ اس عالمگیر تباہی کیلئے بھی آیا ہے جب اس دنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ ہر انسان کی موت بھی اس کیلئے قیامت ہوتی ہے۔ نبی کا زمانہ بھی دشمنوں کیلئے قیامت کا رنگ رکھتا ہے جب ان کے باطل عقائد کو شکست ہوتی ہے اور حق کو غلبہ عطا ہوتا ہے۔

آنحضورؐ کا عہد مبارک بھی اہل عرب کیلئے ایک قیامت ہی تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر :2) یعنی (عرب کی) تباہی کی گھڑی آگئی ہے اور چاند پھٹ گیا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح قریب ہیں جس طرح یہ (درمیانی اور شہادت کی) دو انگلیاں۔ (صحیح بخاری کتاب الطلاق) اسی طرح کسی ترقی یافتہ قوم کا تنزل یا کسی مغلوب قوم کا اچانک ترقی پانا بھی قیامت کے معنوں میں آتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام یعنی مسیح محمدی کے ظہور کے چالیس سال بعد قیامت کے ذکر پر مشتمل احادیث کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ ہزار سال کے عرصہ میں اور خصوصاً مسیح موعود کی بعثت سے قبل اسلام کی کمزوری اور کسمپرسی کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ آنحضور ﷺ کی یہ پیشگوئی لفظ لفظ پوری ہو چکی تھی کہ یوشك أن يأتي على الناس زمان لا يبقى من الإسلام إلا اسمه، ولا يبقى من القرآن إلا رسمه، مساجدهم عامرة وهي خراب من الهدى، علماؤهم شر من تحت أديم السماء من عندهم تخرج الفتنة وفيهم تعود۔ یعنی قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے کہ جب اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کریم کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے۔ ان کی مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہوں گی لیکن ہدایت کے لحاظ سے بالکل ویران ہوں گی۔ اس زمانہ کے لوگوں کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والی بدترین مخلوق میں سے ہوں گے کیونکہ اُن میں سے ہی فتنے اُٹھیں گے اور اُن میں ہی لوٹ جائیں گے۔

(شعب الایمان للبیہقی فصل قال وینبغی لطالب علم أن یکون تعلمہ حدیث:1858)

مسلمانوں کے بڑے بڑے علماء اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر رہے تھے اور اسلام پر ہر مذہب کی طرف سے تابڑ توڑ حملے کئے جا رہے تھے اور کوئی شخص ان حملوں کے جواب کیلئے میدان میں نہیں آ رہا تھا۔ سید المعصومین رحمۃ اللعالمین حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اطہر اور آپ کی ازواج مطہرات کے خلاف کھلم کھلا گندہ دہنی کی جا رہی تھی۔ اس زمانہ میں آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق آپ کے غلام صادق مسیح محمدی علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور آپ نے اسلام پر ہونے والے ہر حملہ کا منہ توڑ جواب دیا اور ہر دشمن اسلام کو میدان سے فرار اختیار کرنا پڑی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے

آپ کے ذریعہ اسلام کو ایک مرتبہ پھر پوری شان و شوکت عطاء فرمائی اور اسے باقی تمام مذاہب پر غالب کر کے دکھایا اور آپ علیہ السلام نے اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ کی مداح میں برملا فرمایا:

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلاوے
یہ ثمر باغ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے
ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے پس یہ وہ قیامت ہے جو مسیح محمدی علیہ السلام اور آپ کے بعد قائم ہونے والی خلافت علی منہاج النبوۃ کے ذریعہ اسلام اور مخالفین اسلام کیلئے ظاہر ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ کا نام اور آپ کی پیش کردہ حقیقی تعلیم دنیا کے کناروں تک پہنچی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج بھی اس روحانی جہاد میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے اور مخالفین اسلام کی زمین روز بروز گھٹتی چلی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی راہنمائی فرمائے، آپ کو حق اور ہدایت کی راہ کو پہچاننے اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیشہ اپنے فضلوں سے نوازتا رہے۔ آمین

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 31 دسمبر 2022ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 42

سوال:۔ یمن سے ایک دوست نے بیوی کو دی جانے والی تین طلاقوں کی بابت حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں راہنمائی کی درخواست کی۔ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 23 اگست 2021ء میں اس مسئلہ پر درج ذیل راہنمائی فرمائی۔ حضورانور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اصل میں جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو بیوی کی کسی ناقابل برداشت اور فضول حرکت پر ناراض ہو کر یہ قدم اٹھاتا ہے۔ بیوی سے خوش ہو کر تو کوئی انسان اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیتا۔ اس لئے ایسے غصہ کی حالت میں دی جانے والی طلاق بھی مؤثر ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی انسان ایسے طیش میں تھا کہ اس پر جنون کی سی کیفیت طاری تھی اور اس نے نتائج سے بے پرواہ ہو کر جلد بازی میں اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر اس جنون کی کیفیت کے ختم ہونے پر نادم ہوا اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اسی قسم کی کیفیت کے بارہ میں قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ (البقرہ :226) یعنی اللہ تمہاری قسموں میں (سے) لغو (قسموں) پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ ہاں جو (گناہ) تمہارے دلوں نے (بالارادہ) کمایا اس پر تم سے مؤاخذہ کرے گا اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بُردبار ہے۔

آپ کی بیان کردہ صورت سے تو بظاہر یہی لگتا ہے کہ آپ مختلف وقتوں میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے چکے ہیں اور قرآن کریم نے ایک مسلمان کو جو تین طلاق کے استعمال کا حق دیا ہے، آپ اسے استعمال کر چکے ہیں اور اب آپ اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ جب تک کہ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ والی شرط پوری نہ ہو۔

بہر حال ان امور کی روشنی میں آپ خود اپنا جائزہ لے کر اپنے متعلق فیصلہ کریں کہ آپ کی طلاق حقیقی رنگ میں تھی یا لغو طلاق کے زمرہ میں آتی ہے۔

سوال:۔ جرمنی سے ایک خاتون نے لڑکوں اور لڑکیوں کا اپنے جسموں کے مختلف حصوں پر Piercings کروانے کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے مسئلہ دریافت کیا ہے۔ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 23 اگست 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ اسلام نے چیزوں کی حلت و حرمت کے احکامات کے علاوہ بعض اشیاء کے طیب و غیر طیب ہونے اور بعض کاموں کے لغو ہونے کے بارہ میں بھی تعلیمات دی ہیں۔

زیور پہننے کیلئے لڑکیوں کے کان اور ناک کی حد تک Piercings کروانے کا رواج شروع سے چلا آتا ہے اور اس میں کسی قسم کی قباحت اور ممانعت نہیں پائی جاتی۔ لیکن لڑکوں کیلئے تو کان اور ناک وغیرہ چھدوانا بھی ناپسندیدہ اور لغو کام ہے۔

ہر کام کی ایک حد ہوتی ہے، جب اس حد سے تجاویز کیا جائے تو ایک جائز کام بھی بعض اوقات ناجائز یا لغو کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ جس میں پڑنے سے ایک مومن کو منع کیا گیا ہے۔ (سورۃ المومنون:4)

نپلز اور جسم کے ایسے حصوں پر Piercings کروانا جنہیں اسلام نے پردہ میں رکھنے کا حکم دیا ہے ان پر ایسا کام کروانا تو ویسے ہی بے حیائی اور خلاف شریعت فعل ہے۔ باقی زبان پر اور ہونٹوں کے اندر اور باہر Piercings کروانا کئی قسم کی بیماریوں اور انفیکشن کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لئے میرے نزدیک تو لڑکیوں کیلئے بھی پردہ میں رہتے ہوئے صرف ناک اور کان میں زیور کے استعمال کیلئے Piercings کروانے کی اجازت ہے اور اس سے زیادہ ان کیلئے بھی یہ کام لغو اور ناجائز کے زمرہ میں آئے گا۔

سوال:۔ ڈنمارک سے ایک مربی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ اور ذوالحجہ کے پہلے عشرہ میں سے کس کی فضیلت زیادہ ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25/اگست 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا:۔

جواب:۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں ان دونوں مہینوں کی فضیلت کا کوئی باہمی تقابلی جائزہ تو بیان نہیں ہوا۔ بلکہ دونوں مہینوں اور ان میں ہونے والی عبادات کے کثرت سے فضائل و برکات بیان ہوئے ہیں۔ یہ فضائل عمومی رنگ میں بھی بیان ہوئے ہیں اور بعض اوقات حضور ﷺ نے کسی سوال پوچھنے والے کے حالات کے پیش نظر اور بعض اوقات موقعہ محل کے لحاظ سے بھی انہیں بیان فرمایا ہے۔

قرآن کریم اور حدیث میں بیان ہونے والی ان فضیلتوں کی بناء پر بعض اعتبار سے رمضان المبارک کا آخری عشرہ اور اس میں کی جانے والی عبادتیں اور اس میں نازل ہونے والے احکام بظاہر زیادہ افضل قرار پاتے ہیں اور بعض لحاظ سے ذوالحجہ کا پہلے عشرہ اور اس کی عبادات بظاہر زیادہ افضل ٹھہرتے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا:۔ سَيِّدُ الشُّهُورِ شَهْرُ رَمَضَانَ وَأَعْظَمُهَا حُرْمَةً ذُو الْحِجَّةِ

(شعب الایمان للبیہقی، فصل تخصیص أیام العشر من ذی الحجة، حدیث نمبر 3597)

یعنی تمام مہینوں کا سردار رمضان کا مہینہ ہے اور ان میں سے حرمت کے اعتبار سے سب سے عظیم ذوالحجہ کا مہینہ ہے۔

سوال:۔ گھانا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ اگر کسی نے میت کو چھوا ہو تو کیا اس کیلئے غسل جنابت کرنا فرض ہے اور کیا وہ غسل جنابت کئے بغیر نماز جنازہ میں شامل ہو سکتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25/اگست 2021ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِي غَسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ إِذَا غَسَلْتُمُوهُ فَإِنَّ مَيِّتَكُمْ لَيْسَ بِنَجَسٍ فَحَسْبُكُمْ أَنْ تَغْسِلُوا أَيْدِيكُمْ

(المستدرك على الصحيحين للحاكم كتاب الجنائز باب ليس عليكم في غسل ميتكم غسل)

یعنی جب تم اپنے کسی مردہ کو غسل دو تو اس کے بعد تم پر غسل واجب نہیں۔ کیونکہ تمہارے مردے نجس نہیں ہیں۔ مردہ کو غسل دینے کے بعد تمہارا ہاتھ دھولینا کافی ہے۔

اسی طرح موطا امام مالک میں حضرت اسماء بنت عمیسؓ کے بارہ میں آتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے خاوند حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات پر انہیں غسل دیا تو غسل دینے کے بعد وہاں موجود مہاجرین سے پوچھا کہ کیا اب میرے لئے غسل کرنا ضروری ہے؟ تو اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا کہ نہیں۔

(موطا امام مالك كتاب الجنائز بَاب غُسْلِ الْمَيِّتِ)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم مردہ کو غسل دیا کرتے تھے۔ پھر ہم میں سے بعض خود غسل کر لیتے تھے اور بعض غسل نہیں کرتے تھے۔

(سنن دار قطني كتاب الجنائز باب التَّسْلِيمُ فِي الْجَنَازَةِ وَاحِدٌ وَالتَّكْبِيرُ أَرْبَعًا وَخَمْسًا)

ان احادیث کے مقابل پر سنن ابی داؤد میں مروی حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں یہ ذکر آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مردہ کو غسل دے اسے چاہیے کہ غسل کرے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ چار چیزوں کی وجہ سے غسل فرمایا کرتے تھے، جنابت کی وجہ سے، جمعہ کے روز، سینگی لگوانے سے اور مردہ کو غسل دے کر۔

لیکن اس مضمون کی روایات کو علماء حدیث نے ضعیف اور منسوخ قرار دیا ہے۔ نیز کہا ہے کہ غسل سے مراد صرف ہاتھوں کا دھونا ہے۔

فقہاء اربعہ کے نزدیک بھی میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا واجب نہیں، صرف مستحب ہے۔ تاکہ میت کو غسل دینے کی وجہ سے اگر انسان کو کوئی گندگی لگ گئی ہو یا گندے پانی کے چھینٹے انسان کے بدن پر پڑ گئے ہوں تو غسل کے نتیجہ میں اس کی صفائی ہو جائے۔

پس جب میت کو غسل دینے کی وجہ سے نہلانے والے پر غسل واجب نہیں ہوتا تو میت کو چھونے والے پر کس طرح غسل واجب ہو سکتا۔ لہٰذا میت کو غسل دینے والا بغیر غسل کے نماز جنازہ میں شامل ہو سکتا ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں۔ ہاں فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ جس طرح باقی نمازوں کیلئے وضوء ضروری ہے اسی طرح نماز جنازہ کیلئے بھی وضوء کرنا ضروری ہے، وہ اسے کرنا چاہیے۔

سوال:۔ کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ کیا خدا تعالیٰ کا نافرمان اس دنیا میں تکلیف و مصائب میں رہتا ہے یا مومن تکالیف کا شکار رہتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 اگست 2021ء میں بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے نہایت پُر حکمت کلام کے ذریعہ یہ مضمون ہمیں سمجھا دیا ہے آپ فرماتے ہیں:۔ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ یعنی یہ دنیا مومن کی قید اور کافر کی جنت ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الزھد والرقائق باب نمبر 1)

اس جامع و مانع کلام میں حضور ﷺ نے ہمیں یہ بات سمجھائی ہے کہ ایک مومن اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام اور ناپسندیدہ قرار دی جانے والی شہوات دنیا اسی کی خاطر چھوڑ دیتا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر اور اس کی اطاعت میں مجاہدات کرتا اور مشکلات برداشت کرتا ہے، اس لئے یہ دنیا بظاہر اس کیلئے ایک قید خانہ کی مانند ہو جاتی ہے۔ لیکن جب وہ فوت ہوتا ہے تو اس کی اس عارضی قربانی کے نتیجہ میں اخروی اور دائمی زندگی میں اس کو ان مصائب و مشکلات سے استراحت نصیب ہوتی اور وہ ان دائمی انعامات کا وارث قرار پاتا ہے جن کا خدا تعالیٰ نے اس سے وعدہ کیا ہوتا ہے۔ جبکہ ایک کافر خدا تعالیٰ کے حکموں کو پس پشت ڈال کر اس عارضی دنیا کے ہر قسم کے حلال و حرام سامان زندگی سے فائدہ اٹھاتا اور اسی دنیا کو اپنے لئے جنت خیال کرتا ہے۔ لہٰذا جب وہ مرتا ہے تو اس دنیا میں کئے گئے اپنے کرموں کی وجہ سے اسے اخروی اور دائمی زندگی میں عذاب الٰہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پس ایک سچے مومن کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت اس بات کو اپنے پیش نظر رکھے کہ دنیوی زندگی دراصل ایک عارضی زندگی ہے اور اس کی تکالیف بھی عارضی ہیں۔ اور جن لوگوں کو اس عارضی زندگی میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں ایسے شخص کی اخروی زندگی جو دراصل دائمی زندگی ہے، کی تکالیف دور فرما دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مومن کو اس دنیا میں جو بھی تکالیف پہنچی ہیں یہاں تک کہ راستہ چلتے ہوئے جو کانٹا بھی چبھتا ہے اس کے بدلے میں بھی اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں اجر لکھ دیتا ہے یا اس کی خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب البر والصلة والاداب بَاب ثَوَابِ الْمُؤْمِنِ فِيمَا يُصِيبُهُ مِنْ مَرَضٍ أَوْ حُزْنٍ...)

اس دنیوی زندگی کے مصائب میں اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو سب سے زیادہ ڈالتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے انبیاء پر سب سے زیادہ آزمائشیں آتی ہیں پھر رتبہ کے مطابق درجہ بدرجہ باقی لوگوں پر آزمائش آتی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کسی آدمی کو حضور ﷺ سے زیادہ درد میں مبتلا نہیں دیکھا۔

(صحیح بخاری کتاب المرضی بَاب شِدَّةِ الْمَرَضِ)

چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے کئی بچے فوت ہوئے، حالانکہ صرف ایک بچہ کی وفات کا دکھ ہی بہت بڑا دکھ ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”قرآن کریم کے دوسرے مقام میں جو یہ آیت ہے۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا (سورۃ مریم 72 ۔73) یہ بھی درحقیقت صفت محمودۂ ظلومیت کی طرف ہی اشارہ کرتی ہے اور ترجمہ آیت یہ ہے کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نفس نہیں جو آگ میں وارد نہ ہو یہ وہ وعدہ ہے جو تیرے رب نے اپنے پر امر لازم اور واجب الادا ٹھہرا رکھا ہے پھر ہم اس آگ میں وارد ہونے کے بعد متقیوں کو نجات دیدیتے ہیں اور ظالموں کو یعنی ان کو جو مشرک اور سرکش ہیں جہنم میں زانو پر گرے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں...... اس آیت میں بیان فرمایا کہ متقی بھی اس نار کی مس سے خالی نہیں ہیں۔ اس بیان سے مراد یہ ہے کہ متقی اسی دنیا میں جو دارلابتلا ہے انواع اقسام کے پیرایہ میں بڑی مردانگی سے اس نار میں اپنے تئیں ڈالتے ہیں اور خدا تعالیٰ کیلئے اپنی جانوں کو ایک بھڑکتی

ہوئی آگ میں گراتے ہیں اور طرح طرح کے آسمانی قضاء و قدر بھی نار کی شکل میں ان پر وارد ہوتے ہیں وہ ستائے جاتے اور دکھ دیئے جاتے ہیں اور اس قدر بڑے بڑے زلزلے ان پر آتے ہیں کہ ان کے ماسوا کوئی ان زلازل کی برداشت نہیں کر سکتا اور حدیث صحیح میں ہے کہ تپ بھی جو مومن کو آتا ہے وہ نار جہنم میں سے ہے اور مومن بوجہ تپ اور دوسری تکالیف کے نار کا حصہ اسی عالم میں لے لیتا ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مومن کیلئے اس دنیا میں بہشت دوزخ کی صورت میں متمثل ہوتا ہے یعنی خدا تعالیٰ کی راہ میں تکالیف شاقہ جہنم کی صورت میں اس کو نظر آتی ہیں پس وہ بطیب خاطر اس جہنم میں وارد ہو جاتا ہے تو معاً اپنے تئیں بہشت میں پاتا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 142 تا 145)

دنیوی تکالیف اور آزمائشوں میں بہت سی الٰہی حکمتیں مخفی ہوتی ہیں، جن تک بعض اوقات انسانی عقل کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ پس انسان کو صبر اور دعا کے ساتھ ان کو برداشت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”بعض وقت مصلحت الٰہی یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں انسان کی کوئی مراد حاصل نہیں ہوتی۔ طرح طرح کے آفات، بلائیں، بیماریاں اور نامرادیاں لاحق حال ہوتی ہیں مگر ان سے گھبرانا نہ چاہیے۔“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 23، ایڈیشن 2016ء)

سوال:۔ جرمنی سے ایک مربی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ کیا ایک عورت اپنے مخصوص ایام میں کسی عورت کی میت کو غسل دے سکتی ہے؟ نیز یہ کہ جس شخص کو صدقہ دیا جائے کیا اسے بتانا ضروری ہے کہ یہ صدقہ کی رقم ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 15 ستمبر 2021ء میں بارہ میں درج ذیل ہدایات عطاء فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ قرآن کریم یا احادیث میں بظاہر کوئی ایسی ممانعت نہیں آئی کہ حائضہ یا جنبی کسی میت کو غسل نہیں دے سکتے۔ البتہ صحابہ و تابعین نیز فقہاء میں اس بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ اس کے جواز کے قائل ہیں اور ان کی دلیل آنحضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ اِنَّ الْمُسْلِمَ لَیْسَ بِنَجَسٍ (السنن

الکبریٰ للبیہیقی کتاب الجنائز باب من لم یر الغسل من غسل المیت) یعنی مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کے نزدیک کسی جنبی یا حائضہ کے میت کو غسل دینے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ ایک گروہ کے نزدیک حائضہ اور جنبی کا میت کو غسل دینا مکروہ ہے۔ اور ایک تیسری رائے یہ ہے کہ اگر مجبوری ہو اور حائضہ اور جنبی کے علاوہ کوئی اور میت کو غسل دینے والا موجود نہ ہو تو اس مجبوری کی صورت میں حائضہ اور جنبی میت کو غسل دے سکتے ہیں لیکن عام حالات میں انہیں میت کو غسل نہیں دینا چاہیے۔

میرے نزدیک بھی عام حالات میں حائضہ اور جنبی کو میت کو غسل نہیں دینا چاہیے لیکن اگر کوئی دوسرا موجود نہ ہو تو مجبوری کی حالت میں حائضہ یا جنبی کے میت کو غسل دینے میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

آپ کے دوسرا سوال کا جواب یہ ہے کہ صدقہ بتا کر دینا چاہیے کیونکہ کئی لوگ صدقہ لینا پسند نہیں کرتے۔ پھر حدیث میں بھی آتا ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں اگر صدقہ کی کوئی چیز آتی تو آپ اپنے اور اپنے اہل خانہ کیلئے اسے استعمال نہ فرماتے بلکہ اہل صفہ کو بھجوا دیتے لیکن اگر کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اس میں سے خود بھی کھاتے اور اہل صفہ کو بھی بھجواتے۔ اس سے توبظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کی خدمت میں صدقات اور ہدیہ جات پیش کرنے والے بھی آپ کو بتایا کرتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ ہے۔ اسی لئے تو آپ اس کے استعمال میں بھی فرق فرمایا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق بَاب كَيْفَ كَانَ عَيْشُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ وَتَخَلِّيهِمْ مِنْ الدُّنْيَا)

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 6 جنوری 2023ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 43

سوال:۔ آسٹریا کی ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ مختلف ثقافتوں کے لوگوں، مسلمان علماء، بعض اسلامی فرقوں نیز کئی دوسرے مذاہب نے تناسخ کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ عدل قائم کرنے کی غرض سے انسان کو دوبارہ دنیا میں لاتا ہے، تاکہ وہ مختلف تجارب جیسے غربت و امارت اور بیماری و صحت وغیرہ سے گزر سکے۔ کیونکہ یہ عدل نہیں ہے کہ انسان کی روح صرف ایک ہی تجربہ سے گزرے۔ اس بارہ میں جماعت احمدیہ کا موقف کیا ہے اور کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور کسی خلیفہ نے اس بارہ میں کچھ فرمایا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06 ستمبر 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ تناسخ کا عقیدہ دراصل آخرت کی زندگی جو کہ دائمی زندگی ہے اس کو نہ سمجھنے اور نہ ماننے، نیز خدا تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات خصوصاً صفت خالقیت، مالکیت اور اللہ تعالیٰ کے رحم سے متعلق مختلف عادات از قسم اس کا کرم، عفو، درگذر اور رحم وغیرہ سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ تناسخ کے عقیدہ کی رو سے خدا تعالیٰ مجبور ہے کہ وہ کسی انسان کو ہمیشہ کیلئے نجات دے۔ وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اگر ایک شخص اپنی آوارگی اور بدچلنی کے زمانہ سے تائب ہو کر اپنے اسی پہلے جنم میں نجات پانا چاہے تو اُس کو اس کی توبہ اور پاک تبدیلی کی وجہ سے نجات عنایت کر سکے بلکہ اُس کیلئے تناسخ کے اصول کی رُو سے کسی دوسری جُون میں پڑ کر دوبارہ دنیا میں آنا ضروری ہے خواہ وہ انسانی جُون کو چھوڑ کر کتا بنے یا بندر بنے یا سؤر بنے۔ اسی طرح اس باطل عقیدہ کی رو سے کسی انسان کا پاکیزگی کی راہوں پر چلنا بھی ناممکن ہے، کیونکہ اس عقیدہ کو ماننے کے نتیجہ میں کیا معلوم کہ دوبارہ ہونے والے تناسخی جنم میں جس عورت سے اس کی شادی

ہوئی ہے، وہ پہلے جنم میں اس کی ماں یا بہن یا دادی ہو۔ علاوہ ازیں اس عقیدہ کے اور بھی کئی لغو اور بیہودہ پہلو ہیں۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے تناسخ کے غیر اسلامی اور خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے سراسر خلاف عقیدہ کے ردّ میں اپنی متعدد تصانیف (جن میں اسلامی اصول کی فلاسفی، چشمہ معرفت، آریہ دھرم، قادیان کے آریہ اور ہم، شحنۂ حق، لیکچر لاہور، لیکچر سیالکوٹ وغیرہ شامل ہیں) میں بہت تفصیل کے ساتھ مدلل بحث فرمائی ہے۔ حضور علیہ السلام کی ان تصانیف میں سے اسلامی اصول کی فلاسفی، چشمہ معرفت، قادیان کے آریہ اور ہم، لیکچر لاہور اور لیکچر سیالکوٹ کا عربی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے اور یہ کتب عربی ترجمہ کے ساتھ آن لائن بھی میسر ہیں، وہاں سے آپ تناسخ کے عقیدہ کا ردّ بیان فرمودہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پڑھ سکتی ہیں۔ بطور نمونہ حضور علیہ السلام کا ایک ارشاد درج ذیل ہے۔

حضور فرماتے ہیں:

"دوسرا پہلو جو آریہ مت مخلوق کے متعلق پیش کرتا ہے۔ اُن میں سے ایک تو تناسخ ہے۔ یعنی بار بار رُوحوں کا طرح طرح کی جونوں میں پڑ کر دنیا میں آنا۔ اس عقیدہ میں سب سے پہلے یہ امر عجیب اور حیرت انگیز ہے کہ باوجود دعویٰ عقل کے یہ خیال کیا گیا ہے کہ پرمیشر اس قدر سخت دل ہے کہ ایک گناہ کے عوض میں کروڑہا برس تک بلکہ کروڑہا اربوں تک سزا دیئے جاتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ اُس کے پیدا کردہ نہیں ہیں اور اُن پر اس کا کوئی بھی حق نہیں ہے بجز اس کے کہ بار بار جونوں کے چکر میں ڈال کر دُکھ میں ڈالے۔ پھر کیوں انسانی گورنمنٹ کی طرح صرف چند سال کی سزا نہیں دیتا؟ ظاہر ہے کہ لمبی سزا کیلئے یہ شرط ہے کہ سزا یافتوں پر کوئی لمبا حق بھی ہو مگر جس حالت میں تمام ذرّات اور ارواح خود بخود ہیں کچھ بھی اُس کا اُن پر احسان نہیں بجز اس کے کہ سزا کی غرض سے طرح طرح کی جونوں میں اُن کو ڈالے۔ پھر وہ کس حق پر لمبی سزا دیتا ہے۔ دیکھو اسلام میں باوجودیکہ خدا فرماتا ہے کہ ہر ایک ذرّہ اور ہر یک رُوح کا میں ہی خالق ہوں اور تمام قوتیں ان کی میرے ہی فیض سے ہیں اور میرے ہی ہاتھ سے پیدا ہوئے ہیں اور میرے ہی سہارے سے جیتے ہیں۔ پھر بھی وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔(ھود :108)یعنی دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے لیکن نہ وہ ہمیشگی جو خدا کو ہے بلکہ دُور دراز مدّت کے لحاظ سے۔ پھر خدا کی رحمت دستگیر ہوگی کیونکہ وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور اس آیت کی تصریح میں ہمارے سیّد و مولیٰ نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے یأتی علیٰ جھنّم زمانٌ لیس فیھا احدٌ ونسیم الصبا تحرك ابوابھا۔یعنی جہنم پر ایک وہ زمانہ آئے گا کہ اُس میں کوئی بھی نہ ہوگا۔ اور نسیم صبا اُس کے کواڑوں کو ہلائے گی۔ لیکن افسوس کہ یہ قومیں خدا تعالیٰ کو ایک ایسا چڑچڑا اور کینہ ور قرار دیتی ہیں کہ کبھی بھی اُس کا غصّہ فرو نہیں ہوتا اور بیشمار اربوں تک جونوں میں ڈال کر پھر بھی گناہ معاف نہیں کرتا...... دوسرا پہلو تناسخ کے بطلان کا یہ ہے کہ وہ حقیقی پاکیزگی کے برخلاف ہے۔ کیونکہ جب ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ کسی کی ماں فوت ہو جاتی ہے اور کسی کی ہمشیرہ اور کسی کی پوتی۔ تو پھر اس پر کیا دلیل ہے کہ اس عقیدہ کے قائل اس غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ ایسی جگہ نکاح کرلیں جہاں نکاح کرنا وید کی رو سے حرام ہے۔ہاں اگر ہر ایک بچہ کے ساتھ اُس کے پیدا ہونے کے وقت میں ایک لکھی ہوئی فہرست بھی ہمراہ ہو جس میں بیان کیا گیا ہو کہ وہ پہلی جون میں فلاں شخص کا بچہ تھا تو اس صورت میں ناجائز نکاح سے بچ سکتے تھے۔ مگر پرمیشر نے ایسا نہ کیا۔ گویا ناجائز طریق کو خود پھیلانا چاہا۔ پھر ماسوا اس کے ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ اس قدر جونوں کے چکر میں ڈالنے سے فائدہ کیا ہے۔ اور جب کہ تمام مدار نجات اور مکتی کا گیان یعنی معرفتِ الٰہی پر ہے تو یوں چاہئے تھا کہ ہر ایک بچہ جو دوبارہ جنم لیتا پہلا ذخیرہ اس کے گیان اور معرفت کا ضائع نہ ہوتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہر ایک بچہ جو پیدا ہوتا ہے خالی کا خالی دنیا میں آجاتا ہے اور ایک آوارہ اور فضول خرچ انسان کی طرح تمام پہلا اندوختہ برباد کرکے مفلس نادار کی طرح منہ دکھاتا ہے۔ اور گو ہزار مرتبہ اس نے وید مقدس کو پڑھا ہو ایک ورق بھی وید کا یاد نہیں رہتا۔ پس اس صورت میں جونوں کے چکر کے رُو سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کیونکہ ذخیرہ گیان اور علم کا جو ہزار مصیبت سے ہر ایک جون سے جمع کیا جاتا ہے وہ ساتھ ساتھ برباد ہوتا رہتا ہے نہ کبھی محفوظ رہے گا اور نہ نجات ہوگی۔ اول تو حضرات آریہ کے اصولوں کے رُو سے نجات ہی ایک محدود میعاد تھی۔ پھر اُس پر یہ مصیبت کہ سرمایہ نجات کا یعنی گیان جمع ہونے نہیں پاتا۔ یہ بدقسمتی روحوں کی نہیں تو اَور کیا؟“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد20 صفحہ 170 تا172)

سوال:۔ مصر کے ایک دوست نے قرآن کریم کی آیت سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔(سورۃ الاحزاب :63)اور آیت فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا۔(الفاطر :44)سے استدلال کرتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ خدا تعالیٰ کے بعض قانون قطعی اور مستقل ہیں جن میں اس کا مستقل نبی یا تابع نبی بھیجنے کا قانون بھی شامل ہے۔ تو کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعث کے 622 سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام یا آنحضرت ﷺ کی طرح کوئی شرعی نبی اور اگر اسلام خاتم الادیان ہے تو کیا کوئی غیر شرعی نبی آسکتا ہے یا آپ کا کوئی خلیفہ آپ کی پیروی میں نبی بن سکتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 09 ستمبر 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ہدایات سے نوازا۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے قرآن کریم کی جن آیات سے خدا تعالیٰ کے کسی مستقل یا تابع نبی کے بھیجنے کی سنت کے قطعی اور دائمی ہونے کا استدلال کیا ہے وہ ان آیات سے نہیں ہوتا کیونکہ سورۃ الاحزاب کی آیات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مقابلہ پر مخالفین اسلام خصوصاً منافقین کی ناکامی اور تباہی کے مضمون کو بیان کر کے فرماتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو پہلی الٰہی جماعتوں کے حق میں بھی جاری ہوئی اور اب بھی جاری ہو گی کہ مخالفین و منافقین اسلام ذلیل و رسوا ہوں گے اور اہل اسلام کو کامیابی عطاء ہو گی۔ اور سورۃ الفاطر کی آیات میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ انبیاء کی بعثت سے قبل لوگ بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں کہ اگر ان کے پاس خدا کی طرف سے کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ ضرور پہلے لوگوں سے زیادہ ہدایت پانے والے ہوں گے۔ لیکن جب خدا تعالیٰ اپنے کسی فرستادہ کو ان کے پاس بھجواتا ہے تو وہ اس کے خلاف کمربستہ ہو جاتے، تکبر کے ساتھ اسے دھتکارتے اور اس کے خلاف ہر طرح کی سازشیں کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں پھر اللہ تعالیٰ بھی ان مخالفین کے خلاف اپنی پہلی سنت کو جاری کرتا ہے اور انہیں طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر کے ناکام و نامراد کر دیتا ہے اور اپنے فرستادوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرماتا ہے۔

پس ان آیات سے آپ جو استدلال کر رہے ہیں وہ درست نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی ہدایت اور اصلاح کیلئے جب بھی کسی نبی یا مصلح کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ انسانیت پر رحم کرتے ہوئے کسی نہ کسی نبی یا مصلح کو ضرور دنیا کی ہدایت کیلئے مبعوث کرتا چلا آیا ہے اور اس کا یہ رحم آئندہ بھی جاری رہے گا لیکن اس کے اس رحم کا اظہار کس طرح ہو گا؟ یہ وہی بہتر جانتا ہے۔

جہاں تک قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ سے اس بارہ میں راہنمائی کے حصول کا تعلق ہے تو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے بعد اپنی امت میں دو دفعہ خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کی بشارت دی ہے۔ پہلی مرتبہ کے قیام کے بعد آپ نے اس نعمت کے اٹھائے جانے کا ذکر فرمایا ہے لیکن دوسری مرتبہ اس نعمت کے قیام کی خوشخبری دینے کے بعد آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، جس سے اس نعمت کے قیامت تک جاری رہنے کا استدلال ہوتا ہے۔(مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 285 مسند النعمان بن بشیرؓ)

پھر آنحضور ﷺ کے غلام صادق اور اس زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر قرآن کریم کی مختلف آیات، احادیث نبویہ ﷺ اور دیگر مذاہب کی تاریخ سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انسانی نسل کی عمر سات ہزار سال ہے۔ آنحضور ﷺ کی بعثت پانچویں ہزار سال میں ہوئی اور اب ہم اس سلسلہ کے ساتویں ہزار سال میں سے گزر رہے ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہمارا عقیدہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے یہ ہے کہ خدا ہمیشہ سے خالق ہے اگر چاہے تو کروڑوں مرتبہ زمین و آسمان کو فنا کر کے پھر ایسے ہی بنا دے اور اُس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ آدم جو پہلی اُمّتوں کے بعد آیا جو ہم سب کا باپ تھا اس کے دنیا میں آنے کے وقت سے یہ سلسلہ انسانی شروع ہوا ہے۔ اور اس سلسلہ کی عمر کا پورا دور سات ہزار برس تک ہے۔ یہ سات ہزار خدا کے نزدیک ایسے ہیں جیسے انسانوں کے سات دن۔ یاد رہے کہ قانون الٰہی نے مقرر کیا ہے کہ ہر ایک امت کیلئے سات ہزار برس کا دور ہوتا ہے۔ اسی دَور کی طرف اشارہ کرنے کیلئے انسانوں میں سات دن مقرر کئے گئے ہیں۔ غرض بنی آدم کی عمر کا دَور سات ہزار برس مقرر ہے۔ اور اِس میں سے ہمارے نبی ﷺ کے عہد میں پانچ ہزار برس کے قریب گزر چکا تھا۔ یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہو کہ خدا کے دنوں میں سے پانچ دن کے قریب گزر چکے تھے

جیسا کہ سورۃ والعصر میں یعنی اس کے حروف میں ابجد کے لحاظ سے قرآن شریف میں اشارہ فرمادیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت میں جب وہ سورۃ نازل ہوئی تب آدم کے زمانہ پر اسی قدر مدت گزر چکی تھی جو سورہ موصوفہ کے عددوں سے ظاہر ہے۔ اِس حساب سے انسانی نوع کی عمر میں سے اب اس زمانہ میں چھ ہزار برس گزر چکے ہیں اور ایک ہزار برس باقی ہیں۔ قرآن شریف میں بلکہ اکثر پہلی کتابوں میں بھی یہ نوشتہ موجود ہے کہ وہ آخری مرسل جو آدم کی صورت پر آئے گا اور مسیح کے نام سے پکارا جائے گا ضرور ہے کہ وہ چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں پیدا ہوا۔ یہ تمام نشان ایسے ہیں کہ تدبّر کرنے والے کے لئے کافی ہیں۔ اور اِن سات ہزار برس کی قرآن شریف اور دوسری خدا کی کتابوں کے رو سے تقسیم یہ ہے کہ پہلا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا زمانہ ہے اور دوسرا ہزار شیطان کے تسلّط کا زمانہ ہے اور پھر تیسرا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا اور چوتھا ہزار شیطان کے تسلّط کا اور پھر پانچواں ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا (یہی وہ ہزار ہے جس میں ہمارے سیّد و مولیٰ ختمی پناہ حضرت محمد ﷺ دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے اور شیطان قید کیا گیا ہے) اور پھر چھٹا ہزار شیطان کے کھلنے اور مسلّط ہونے کا زمانہ ہے جو قرونِ ثلاثہ کے بعد شروع ہوتا اور چودھویں صدی کے سر پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور پھر ساتواں ہزار خدا اور اس کے مسیح کا اور ہر ایک خیر و برکت اور ایمان اور صلاح اور تقویٰ اور توحید اور خدا پرستی اور ہر ایک قسم کی نیکی اور ہدایت کا زمانہ ہے۔ اب ہم ساتویں ہزار کے سر پر ہیں۔ اِس کے بعد کسی دوسرے مسیح کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ زمانے سات ہی ہیں جو نیکی اور بدی میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ اس تقسیم کو تمام انبیاء نے بیان کیا ہے۔ کسی نے اجمال کے طور پر اور کسی نے مفصّل طور پر اور یہ تفصیل قرآن شریف میں موجود ہے جس سے مسیح موعود کی نسبت قرآن شریف میں سے صاف طور پر پیشگوئی نکلتی ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ تمام انبیاء اپنی کتابوں میں مسیح کے زمانہ کی کسی نہ کسی پیرایہ میں خبر دیتے ہیں اور نیز دجّالی فتنہ کو بھی بیان کرتے ہیں۔ اور دنیا میں کوئی پیشگوئی اس قوت اور تواتر کی نہیں ہوگی جیسا کہ تمام نبیوں نے آخری مسیح کے بارہ میں کی ہے۔“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 184 تا 186)

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں:

”تمام نبیوں کی کتابوں سے اور ایسا ہی قرآن شریف سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدم سے لے کر اخیر تک دنیا کی عمر سات ہزار برس رکھی ہے اور ہدایت اور گمراہی کیلئے ہزار ہزار سال کے دَور مقرر کئے ہیں۔ یعنی ایک وہ دَور ہے جس میں ہدایت کا غلبہ ہوتا ہے اور دوسرا وہ دَور ہے جس میں ضلالت اور گمراہی کا غلبہ ہوتا ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا خدا تعالیٰ کی کتابوں میں یہ دونوں دَور ہزار ہزار برس پر تقسیم کئے گئے ہیں...... پھر ہزار پنجم کا دَور آیا جو ہدایت کا دَور تھا۔ یہ وہ ہزار ہے جس میں ہمارے نبی ﷺ مبعوث ہوئے اور خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر توحید کو دوبارہ دنیا میں قائم کیا۔ پس آپ ﷺ کے منجانب اللہ ہونے پر یہی ایک نہایت زبردست دلیل ہے کہ آپ ﷺ کا ظہور اُس سال کے اندر ہوا جو روزِ ازل سے ہدایت کے لئے مقرر تھا اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں سے یہی نکلتا ہے اور اِسی دلیل سے میرا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس تقسیم کی رُو سے ہزار ششم ضلالت کا ہزار ہے اور وہ ہزار ہجرت کی تیسری صدی کے بعد شروع ہوتا ہے اور چودھویں صدی کے سر تک ختم ہوتا ہے۔ اس ششم ہزار کے لوگوں کا نام آنحضرت ﷺ نے فیج اعوج رکھا ہے اور ساتواں ہزار ہدایت کا ہے جس میں ہم موجود ہیں۔ چونکہ یہ آخری ہزار ہے اس لئے ضرور تھا کہ امام آخرالزمان اس کے سر پر پیدا ہو اور اس کے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح۔ مگر وہ جو اس کے لئے بطورِ ظل کے ہو۔ کیونکہ اس ہزار میں اب دنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جس پر تمام نبیوں نے شہادت دی ہے اور یہ امام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدّد صدی بھی ہے اور مجدّد الف آخر بھی۔ اِس بات میں نصاریٰ اور یہود کو بھی اختلاف نہیں کہ آدم سے یہ زمانہ ساتواں ہزار ہے۔ اور خدا نے جو سورہ والعصر کے اعداد سے تاریخ آدم میرے پر ظاہر کی اس سے بھی یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ساتواں ہزار ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور نبیوں کا اِس پر اتفاق تھا کہ مسیح موعود ساتویں ہزار کے سر پر ظاہر ہوگا اور چھٹے ہزار کے اخیر میں پیدا ہوگا کیونکہ وہ سب سے آخر ہے جیسا کہ آدم سب سے اوّل تھا۔“

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 207-208)

پس یہ اس سلسلہ کا وہ آخری ہزار سال ہے جس میں خدا تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق آپ کے روحانی فرزند اور غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خاتم الخلفاء کے طور

پر مبعوث فرمایا۔ آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے یہی مستنبط ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے چونکہ یہ آخری ہزار سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ قائم ہونے والی خلافت احمدیہ حقہ اسلامیہ کا دور ہے۔ اس لئے اگر کسی وقت دنیا کی اصلاح کیلئے کسی مصلح کی ضرورت پڑی تو اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی کے متبعین میں سے کسی ایسے شخص کو دنیا کی اصلاح کیلئے کھڑا کرے گا جو وقت کا خلیفہ ہو گا لیکن خلیفہ سے بڑھ کر مصلح کا مقام بھی اسے عطاء ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس مقام پر فائز فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ اس موعود خلافت کے مقام کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”پھر صرف خلافت کا سوال نہیں بلکہ ایسی خلافت کا سوال ہے جو موعود خلافت ہے۔ الہام اور وحی سے قائم ہونے والی خلافت کا سوال ہے۔ ایک خلافت تو یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ لوگوں سے خلیفہ منتخب کراتا ہے اور پھر اسے قبول کر لیتا ہے مگر یہ ویسی خلافت نہیں۔ یعنی میں اس لئے خلیفہ نہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے دوسرے دن جماعت احمدیہ کے لوگوں نے جمع ہو کر میری خلافت پر اتفاق کیا بلکہ اس لئے بھی خلیفہ ہوں کہ خلیفہ اوّل کی خلافت سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کے الہام سے فرمایا تھا کہ میں خلیفہ ہوں گا۔ پس میں خلیفہ نہیں بلکہ موعود خلیفہ ہوں۔ میں مأمور نہیں مگر میری آواز خدا تعالیٰ کی آواز ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اس کی خبر دی تھی۔ گویا اس خلافت کا مقام ماموریت اور خلافت کے درمیان کا مقام ہے اور یہ موقع ایسا نہیں ہے کہ جماعت احمدیہ اسے رائیگاں جانے دے اور پھر خدا تعالیٰ کے حضور سُرخرو ہو جائے۔ جس طرح یہ بات درست ہے کہ نبی روز روز نہیں آتے اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ موعود خلیفے بھی روز روز نہیں آتے۔“

(رپورٹ مجلس مشاورت 1936ء، خطابات شوریٰ جلد دوم صفحہ 18)

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 13 جنوری 2023ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 44

سوال: قادیان سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ میری والدہ نے وفات سے قبل مجھے کہا تھا کہ ان کی وفات کے بعد میں انہیں غسل دوں۔ لیکن میری والدہ کی وفات کورونا سے ہوئی اس لیے انہیں غسل نہیں دیا جاسکا۔ جس کی وجہ سے مجھے بہت تکلیف ہے۔ اس بارے میں راہنمائی فرمائیں کہ کیا میں نے درست کیا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مورخہ 19/ستمبر 2021ء میں اس سوال کے بارے میں درج ذیل راہنمائی فرمائی۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اصل بات یہ ہے کہ عام حالات میں عورت کی میت کو عورتیں اور مرد کی میت کو مرد ہی غسل دیتے ہیں۔ سوائے میاں بیوی کے کہ وہ ایک دوسرے کی میت کو غسل دے سکتے ہیں۔

اس لیے آپ نے بہت اچھا کیا کہ اپنی والدہ کی میت کو غسل نہیں دیا۔ اور ویسے بھی جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ ان کی وفات کورونا وائرس کی وجہ سے ہوئی تھی اس لیے طبی طور پر بھی آپ کو انہیں غسل دینے کی اجازت نہیں ملنی تھی۔ اس لیے آپ کو اس وجہ سے کسی قسم کی پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کے ساتھ رحم اور مغفرت کا سلوک فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، آپ سب لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی نیکیوں اور دعاؤں کا وارث بنائے۔ آمین

سوال: جرمنی سے ایک دوست نے، قرض کا لین دین کرتے وقت گواہ ٹھہرانے کے بارہ میں سورۃ البقرہ کی آیت کی روشنی میں عورت کی گواہی کے متعلق حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے راہنمائی چاہی؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مورخہ 21/ستمبر 2021ء میں اس سوال کے بارے میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : مخالفین اسلام کی طرف سے اسلامی تعلیم پر جو بڑے بڑے اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ اسلام نے مرد کے مقابلہ پر عورت کی گواہی کو آدھا رکھ کر گویا عورت کو کمتر قرار دیاہے۔ لیکن یہ اعتراض بھی دیگر اعتراضات کی طرح اسلامی تعلیمات کی حقیقت اور اس کی روح کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بلاوجہ گھڑا گیاہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ مرد کے مقابلہ پر عورت کی گواہی نصف ہے۔ بلکہ اگر قرآن کریم پر غور کیا جائے تو جن امور کا عورت سے براہ راست تعلق ہے، ان میں جس طرح مرد کی گواہی کو قبول کیا گیاہے اسی طرح عورت کی گواہی کو بھی تسلیم کیا گیاہے۔ چنانچہ سورۃ النور میں میاں بیوی کے درمیان لعان کی صورت میں جو گواہی کا طریق بیان کیا گیاہے اس میں عورت اور مرد دونوں کی گواہی اور قسم میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا بلکہ دونوں کا بالکل ایک ہی نتیجہ نکالا گیاہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (سورۃ النور:7 تا10) ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس سوائے اپنے وجود کے اور کوئی گواہ نہیں ہوتا تو ان میں سے ہر شخص کو ایسی گواہی دینی چاہیے جو اللہ کی قسم کھا کر چار گواہیوں پر مشتمل ہو اور (ہر گواہی میں) وہ یہ کہے کہ وہ راست بازوں میں سے ہے۔ اور پانچویں (گواہی) میں (کہے) کہ اس پر خدا کی لعنت ہو، اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔ اور اس بیوی سے (جس پر اس کا خاوند الزام لگائے) اس کا اللہ کی قسم کھا کر چار گواہیاں دینا کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے عذاب دور کر دے گا۔ اور پانچویں (قسم) اس طرح (کھائے) کہ اللہ کا غضب اس (عورت) پر نازل ہو اگر وہ (الزام لگانے والا خاوند) سچاہے۔

اسی طرح حدیث میں بھی آتاہے کہ حضور ﷺ نے صرف ایک عورت کی گواہی پر کہ اس نے ایک شادی شدہ جوڑے میں سے لڑکے اور لڑکی دونوں کو دودھ پلایا تھا، ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروادی۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن حارثؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابواہاب بن عزیز کی لڑکی سے نکاح

کیا اس کے بعد ایک عورت نے آ کر بیان کیا کہ میں نے عقبہ کو اور اس عورت کو جس سے عقبہ نے نکاح کیا ہے دودھ پلایا ہے (پس یہ دونوں رضائی بہن بھائی ہیں، ان میں نکاح درست نہیں) عقبہ نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تو نے (اس سے) پہلے کبھی اس بات کی اطلاع دی ہے۔ پھر عقبہ سواری پر سوار ہو کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس مدینہ گئے اور آپ سے (یہ مسئلہ) پوچھا تو نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اب جبکہ یہ بات کہہ دی گئی ہے تم کس طرح اسے اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو۔ پس عقبہ نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ اور اس نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔

(صحیح بخاری کتاب العلم بَاب الرِّحْلَةِ فِي الْمَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ وَتَعْلِيمِ أَهْلِهِ)

جہاں تک قرض کے لین دین میں مرد اور عورت کی گواہی کا تعلق ہے تو عموماً ایسے معاملات کا چونکہ مردوں سے تعلق ہوتا ہے اور عورتوں سے براہ راست تعلق نہیں ہوتا، اس لیے ہدایت فرمائی کہ اگر ان معاملات میں گواہی کے لیے مقررہ مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو رکھا جائے کہ اگر گواہی دینے والی عورت اپنی گواہی بھول جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے۔

گویا اس میں بھی گواہی ایک عورت کی ہی ہے، صرف اس کے ان معاملات سے عموماً تعلق نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بھول جانے کے اندیشہ کے پیش نظر احتیاطاً دوسری عورت اس کی مدد کے لیے اور اسے بات یاد کرانے کے لیے رکھ دی گئی ہے۔ قرآن کریم کا منطوق بھی اسی مفہوم کی تائید فرما رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ......وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى۔ (سورۃ البقرہ:283) یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم ایک معیّن مدت تک کے لیے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو ...اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ ٹھہرا لیا کرو۔ اور اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (ایسے) گواہوں میں سے جن پر تم راضی ہو۔ (یہ (اس لیے (ہے) کہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد کروا دے۔

پس قرض کے لین دین کے معاملات میں بھی عورت ہو یا مرد، ددنوں کی گواہی کی حیثیت اور اہمیت برابر ہی ہے لیکن چونکہ مالی لین دین کے معاملات کا تعلق عموماً عورتوں سے نہیں ہوتا اس لیے گواہی

دینے والی عورت کی مدد کے لیے کہ اگر وہ اس لین دین کی تفصیل بھول جائے تو اسے یہ معاملہ یاد کروانے کے لیے ایک دوسری عورت کو بھی ساتھ رکھنے کی تاکید فرمادی تاکہ کسی گواہ کے بھول جانے سے لین دین کرنے والے فریقین میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہوسکے۔

سوال :سیریا کے ایک دوست نے شیئرز اور اسٹاک مارکیٹ وغیرہ کے کاروبار میں سودی عناصر کے پائے جانے اور اس بارہ میں اپنی ریسرچ پیش کرنے کے متعلق حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مورخہ 28/ستمبر 2021ء میں اس مسئلہ کے بارے میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : علمی تحقیق کرنا تو بہت اچھی بات ہے، آپ ضرور اس بارے میں تحقیق کرکے اپنی رپورٹ مجھے بھجوائیں۔ باقی جہاں تک موجودہ زمانہ میں مختلف قسم کے کاروباروں میں سودی عناصر کے پائے جانے کا تعلق ہے تو اس بات کو سمجھنے کے لیے اس زمانہ کے حکم وعدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حسب ذیل ارشاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:"اب اس ملک میں اکثر مسائل زیروزبر ہو گئے ہیں۔ کل تجارتوں میں ایک نہ ایک حصہ سود کا موجود ہے۔ اس لئے اس وقت نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔"

(البدر نمبر 41و42، جلد/3 مورخہ یکم و8/نومبر 1904ء صفحہ 8)

پھر ایک جگہ سود کی تعریف بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"شرع میں سُود کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے فائدے کے لیے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے یہ تعریف جہاں صادق آوے گی وہ سود کہلاوے گا۔ لیکن جس نے روپیہ لیا ہے اگر وہ وعدہ وعید تو کچھ نہیں کرتا اور اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے تو وہ سود سے باہر ہے۔ چنانچہ انبیاء ہمیشہ شرائط کی رعایت رکھتے آئے ہیں۔ اگر بادشاہ کچھ روپیہ لیتا ہے اور وہ اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے اور دینے والا اس نیت سے نہیں دیتا کہ سود ہے تو وہ بھی سود میں داخل نہیں ہے وہ بادشاہ کی طرف سے احسان ہے۔ پیغمبر خدا نے کسی سے ایسا قرضہ نہیں لیا کہ ادائیگیٔ وقت اُسے کچھ نہ کچھ ضرور زیادہ (نہ)

دیدیا ہو۔ یہ خیال رہنا چاہیے کہ اپنی خواہش نہ ہو۔ خواہش کے بر خلاف جو زیادہ ملتا ہے وہ سُود میں داخل نہیں ہے۔"

(البدر نمبر 10، جلد 2/ مورخہ 27/ مارچ 1903ء صفحہ 75)

پس اسلام نے جس سود سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کسی کو اس نیت کے ساتھ قرض دے کہ اسے اس قرض میں دی جانے والی رقم پر زائد رقم ملے۔ لیکن اگر قرض لینے والا اپنی طرف سے کچھ زائد دے تو وہ سود میں شامل نہیں ہے۔

علاوہ ازیں موجودہ زمانہ میں بینکنگ سسٹم تقریباً ہر دنیاوی کاروبار کا لازمی جزو ہے اور دنیا کے اکثر بینکوں کے نظام میں کسی نہ کسی طرح سود کا عنصر موجود ہوتا ہے، جو ان کاروباروں کا بھی حصہ بنتا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کل تجارتوں میں ایک نہ ایک حصہ سود کا موجود ہے۔ اس لیے اس وقت نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔

ان حالات میں اگر انسان بہت زیادہ وہم میں پڑا رہے تو اس کا زندگی گزارنا ہی دوبھر ہو جائے گا۔ کیونکہ عام زندگی میں جو لباس ہم پہنتے ہیں، ان کپڑوں کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں میں بھی کہیں نہ کہیں سودی پیسہ لگا ہو گا۔ جو بریڈ ہم کھاتے ہیں، اس کے کاروبار میں بھی کہیں نہ کہیں سودی پیسہ کی آمیزش ہو گی۔ اگر انسان ان تمام دنیاوی ضرورتوں کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے گھر میں ہی بیٹھنا چاہے جو بظاہر ناممکن ہے پھر بھی وہ مکان جس اینٹ، ریت اور سیمنٹ سے بنا ہے، ان چیزوں کو بنانے والی کمپنیوں کے کاروبار میں بھی کہیں نہ کہیں سودی کاروبار یا سود کے پیسہ کی ملونی ہو گی۔

پس بہت زیادہ مین میکھ نکال کر اور وہم میں پڑ کر اپنے لیے بلا وجہ مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے، حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں۔ أَنَّ قَوْمًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِي أَذَكَرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَمْ لَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمُّوا اللّٰهَ عَلَيْهِ وَكُلُوهُ (صحیح بخاری کتاب البیوع) یعنی کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ایک جماعت ہمارے پاس گوشت لے کر آتی ہے، ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے (اسے ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ کا نام لیا ہوتا

ہے یا نہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس گوشت پر اللہ کا نام (بسم اللہ) پڑھ لیا کرو اور اسے کھالیا کرو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کیا ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا درست ہے؟ فرمایا:

”شریعت نے اس کو مباح رکھا ہے۔ ایسی پابندیوں پر شریعت نے زور نہیں دیا بلکہ شریعت نے تو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا پر زور دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ آرمینیوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں کھالیتے تھے اور بغیر اس کے گذارہ بھی تو نہیں ہوتا۔“

(الحکم نمبر 19، جلد 8، مورخہ 10/ جون 1904ء صفحہ 3)

اسی طرح حضرت منشی محمد حسین صاحب کلرک دفتر سرکاری وکیل لاہور کے نام اپنے ایک مکتوب مورخہ 25/ نومبر 1903ء میں حضور علیہ السلام نے تحریر فرمایا:

”آپ اپنے گھر میں سمجھا دیں کہ اس طرح شک و شبہ میں پڑنا بہت منع ہے۔ شیطان کا کام ہے، جو ایسے وسوسے ڈالتا ہے۔ ہرگز وسوسہ میں نہیں پڑنا چاہیے۔ گناہ ہے اور یاد رہے کہ شک کے ساتھ غسل واجب نہیں ہوتا۔ اور نہ صرف شک سے کوئی چیز پلید ہو سکتی ہے۔ ایسی حالت میں بیشک نماز پڑھنا چاہیے۔ اور میں انشاء اللہ دعا بھی کروں گا۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب وہمیوں کی طرح ہر وقت کپڑہ صاف نہیں کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اگر کپڑہ پر منی گرتی تھی تو ہم اس منی خشک شدہ کو صرف جھاڑ دیتے تھے۔ کپڑہ نہیں دھوتے تھے۔ اور ایسے کنواں سے پانی پیتے تھے جس میں حیض کے لتّے پڑتے تھے۔ ظاہری پاکیزگی سے معمولی حالت پر کفایت کرتے تھے۔ عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھالیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ سؤر کی چربی اس میں پڑتی ہے۔ اصول یہ تھا کہ جب تک یقین نہ ہو ہر یک چیز پاک ہے۔ محض شک سے کوئی چیز پلید نہیں ہوتی۔“

(اخبار الفضل قادیان دارالامان نمبر 66، جلد 11/ مورخہ 22/ فروری 1924ء صفحہ 9)

پس انسان کو وہموں اور شک و شبہ میں مبتلا ہوئے بغیر تقویٰ سے کام لیتے ہوئے اپنے معاملات اور دنیاوی امور کو بجالانے کی کوشش کرنی چاہیے اور جہاں براہ راست کسی ممنوع کام میں پڑنے کا امکان ہو یا کسی چیز کی حرمت واضح طور پر نظر آتی ہو اس سے بہر صورت اجتناب کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس بارے میں

حضور ﷺ کی ایک اور حدیث ہماری بہترین راہنمائی کرتی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: مَا خُيِّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَأْثَمْ فَإِذَا كَانَ الْإِثْمُ كَانَ أَبْعَدَهُمَا مِنْهُ وَاللّٰهِ مَا انْتَقَمَ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ يُؤْتَى إِلَيْهِ قَطُّ حَتَّى تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ (صحیح بخاری کتاب الحدود) یعنی نبی کریم ﷺ کو جب بھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان صورت کو اختیار کیا جب تک کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو۔ اگر وہ گناہ کی بات ہوتی تو آپ اس سے بہت زیادہ دور رہتے۔ اللہ کی قسم آپ نے کبھی اپنے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا، جب تک محرمات الٰہیہ کی خلاف ورزی نہ ہو اور جب اس کی خلاف ورزی کی ہو تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارے میں بھی آتا ہے کہ ایک موقع پر امریکہ اور یورپ کی حیرت انگیز ایجادات کا ذکر ہوا۔ اسی میں یہ ذکر بھی آیا کہ دودھ اور شوربا وغیرہ جو کہ ٹینوں میں بند ہو کر ولایت سے آتا ہے بہت ہی نفیس اور ستھرا ہوتا ہے اور ایک خوبی ان میں یہ ہوتی ہے کہ ان کو بالکل ہاتھ سے نہیں چھوا جاتا۔ دودھ تک بھی بذریعہ مشین دوہا جاتا ہے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”چونکہ نصاریٰ اس وقت ایک ایسی قوم ہو گئی ہے جس نے دین کی حدود اور اس کے حلال وحرام کی کوئی پروا نہیں رکھی اور کثرت سے سؤر کا گوشت اُن میں استعمال ہوتا ہے اور جو ذبح کرتے ہیں اس پر بھی خدا کا نام ہرگز نہیں لیتے بلکہ جھٹکے کی طرح جانوروں کے سر جیسا کہ سنا گیا ہے علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے شبہ پڑ سکتا ہے کہ بسکٹ اور دودھ وغیرہ جو اُن کے کارخانوں کے بنے ہوئے ہوں اُن میں سؤر کی چربی اور سؤر کے دودھ کی آمیزش ہو۔ اس لئے ہمارے نزدیک ولایتی بسکٹ اور اس قسم کے دودھ اور شوربے وغیرہ استعمال کرنے بالکل خلاف تقویٰ اور ناجائز ہیں۔ جس حالت میں کہ سؤر کے پالنے اور کھانے کا عام رواج ان لوگوں میں ولایت میں ہے تو ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ دوسری اشیائے خوردنی جو کہ یہ لوگ طیار کر کے ارسال کرتے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی حصہ اس کا نہ ہوتا ہو۔

اس پر ابو سعید صاحب المعروف عرب صاحب تاجر برنج رنگون نے ایک واقعہ حضرت اقدس کی خدمت میں یوں عرض کیا کہ رنگون میں بسکٹ اور ڈبل روٹی بنانے کا ایک کارخانہ انگریزوں کا تھا۔ وہ

ایک مسلمان تاجر نے قریب ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرید لیا۔ جب اس نے حساب و کتاب کی کتابوں کو پڑتال کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سؤر کی چربی بھی اس کارخانہ میں خریدی جاتی رہی ہے۔ دریافت پر کارخانہ والوں نے بتایا کہ ہم اُسے بسکٹ وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر یہ چیزیں لذیذ نہیں ہوتیں اور ولایت میں بھی یہ چربی ان چیزوں میں ڈالی جاتی ہے۔

اس واقعہ کے سننے سے ناظرین کو معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کا خیال کس قدر تقویٰ اور باریک بینی پر تھا۔ لیکن چونکہ ہم میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کو اکثر سفر کا اتفاق ہوا ہے اور بعض بھائی افریقہ وغیرہ دور دراز امصار و بلاد میں ابتک موجود ہیں جن کو اس قسم کے دودھ اور بسکٹ وغیرہ کی ضرورت پیش آسکتی ہے اس لئے اُن کو بھی مد نظر رکھ کر دوبارے اس مسئلہ کی نسبت دریافت کیا گیا۔ اور نیز اہل ہنود کے کھانے کی نسبت عرض کیا گیا کہ یہ لوگ بھی اشیاء کو بہت غلیظ رکھتے ہیں اور ان کی کڑاہیوں کو اکثر کتے چاٹ جاتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

”ہمارے نزدیک نصاریٰ کا وہ طعام حلال ہے جس میں شبہ نہ ہو اور ازروئے قرآن مجید کے وہ حرام نہ ہو۔ ورنہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ بعض اشیاء کو حرام جان کر گھر میں تو نہ کھایا مگر باہر نصاریٰ کے ہاتھ سے کھا لیا اور نصاریٰ پر ہی کیا منحصر ہے اگر ایک مسلمان بھی مشکوک الحال ہو تو اس کا کھانا بھی نہیں کھا سکتے مثلاً ایک مسلمان دیوانہ ہے اور اسے حرام و حلال کی خبر نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کے طعام یا طیار کردہ چیزوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہم گھر میں ولایتی بسکٹ استعمال نہیں کرنے دیتے بلکہ ہندوستان کی ہندو کمپنی کے منگوایا کرتے ہیں۔

عیسائیوں کی نسبت ہندوؤں کی حالت اضطراری ہے کیونکہ یہ کثرت سے ہم لوگوں میں مل جل گئے ہیں اور ہر جگہ انہیں کی دوکانیں ہوتی ہیں۔ اگر مسلمانوں کی دوکانیں موجود ہوں۔ اور سب شئے وہاں ہی سے مل جاوے تو پھر البتّہ ان سے خوردنی اشیاء نہ خریدنی چاہئیں۔“

(البدر نمبر 27، جلد 3/ مورخہ 16/ جولائی 1904ء صفحہ 3)

پس خلاصہ کلام یہ کہ انسان کو نہ تو بہت زیادہ وہموں میں پڑ کر جائز اشیاء کے استعمال سے بلاوجہ کنارہ کشی کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی غیر محتاط انداز اختیار کر کے ہر جائز و ناجائز چیز کو استعمال کرنے کی

کوشش کرنی چاہیے بلکہ ایک مناسب اور محتاط حد تک معاملات کی تحقیق کر کے اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 20 جنوری 2023ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 45

سوال: یوکے سے ایک خاتون نے بچوں کو Adopt کرنے نیز ان بچوں اور ان کے دیگر عزیز و اقارب کے حقوق و فرائض کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے راہنمائی چاہی ہے۔ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 26/ستمبر 2021ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اسلامی تعلیمات کی رو سے بچوں کو Adopt کرنے کی اجازت تو ہے لیکن اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خاص طور پر یہ حکم بھی دیا ہے کہ ایسے بچوں کو ان کے حقیقی والدین ہی کے ناموں کے ساتھ یاد کیا جائے۔ (سورۃ الاحزاب :5) اس لئے ایسے بچوں کو چھوٹی عمر میں ہی ان کے Adopt کئے جانے کے بارہ میں اور ان کے حقیقی والدین کے متعلق بتا دینا چاہئے۔ یہی صحیح اسلامی تعلیم ہے۔

جہاں تک ایسے بچوں کے وراثت وغیرہ میں شرعی حق کا تعلق ہے تو وہ ان کے حقیقی والدین کے ساتھ ہی قائم رہتا ہے۔ یعنی ان بچوں کے حقیقی والدین ان بچوں کے اور یہ بچے اپنے حقیقی والدین کے شرعی وارث ہوتے ہیں۔ Adoption کی وجہ سے ان بچوں اور ان کے حقیقی والدین کے باہمی وراثتی شرعی حقوق پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ ایسے بچوں کو Adopt کرنے اور ان کی پرورش کرنے والے والدین بھی اگر کچھ ان بچوں کو دینا چاہیں تو اپنی زندگی میں ہبہ کے ذریعہ اور زندگی کے بعد وصیت کی صورت میں انہیں دے سکتے ہیں۔ لیکن وصیت انسان اپنے کل ترکہ کے زیادہ سے زیادہ تیسرے حصہ تک ہی کر سکتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الوصایا باب أَنْ يَتْرُكَ وَرَثَتَهُ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَتَكَفَّفُوا النَّاسَ)

سوال: قادیان سے ایک دوست نے Milk Bank جہاں سے یتیم بچوں کیلئے ماں کا دودھ مہیا کیا جاتا ہے کا ذکر کر کے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا ہے کہ اس طرح تو وہاں کا دودھ پینے والے بچے آپس میں رضاعی بہن بھائی بن جاتے ہوں گے لیکن یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ کون کس کا رضاعی بھائی یا بہن ہے۔ کیا اسلام میں اس طرح کے Milk Bank قائم کرنے کی اجازت ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 12 اکتوبر 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اسلامی تعلیم کے مطابق ایک ماں کا دودھ پینے والے بچوں کا باہم رضاعت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ایسے بچوں اور بچیوں کی آپس میں شادی نہیں ہو سکتی جنہوں نے ایک ماں کا دودھ پیا ہو۔ لہٰذا اگر کسی جگہ ضرورت کے تحت یتیم بچوں کو ماں کے دودھ کی سہولت مہیا کی جائے تو اس کا انتظام کرنے والے ادارہ یا حکومت کو بہت زیادہ احتیاط کرنی پڑے گی اور اُس کیلئے لازمی ہو گا کہ وہ اس چیز کا بھی ریکارڈ رکھے کہ کس بچہ کو کس عورت کا دودھ پلایا گیا ہے۔ جو بظاہر ناممکن ہو گا۔

لہٰذا میرے نزدیک تو شریعت اسلامی کی رو سے اس طرح کے Milk Bank کا اجراء درست نہیں کیونکہ اس سے کئی قسم کے ابہام اور مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اور ویسے بھی اس زمانہ میں اس طرز کے Milk Bank کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ مارکیٹ میں بیسیوں قسم کے Formula Milk دستیاب ہیں۔ اگر کسی ادارہ یا حکومت کو یتیم بچوں کی پرورش کا اتنا ہی احساس ہے تو وہ ایسے بچوں کیلئے اس Formula Milk کی سہولت مہیا کر سکتے ہیں۔

بہر حال میں اس بارہ میں مزید تحقیق کروا رہا ہوں لیکن فی الحال تو میرا یہی نظریہ ہے کہ آپ کے خط میں بیان Milk Bank کے اجراء کا طریق اسلامی تعلیم کے مطابق درست نہیں ہے۔

بعد ازاں حضور انور نے اس مسئلہ پر دارالافتاء ربوہ کے ذریعہ تحقیق کروا کر اپنے مکتوب مؤرخہ 17 / اگست 2022ء میں سوال کرنے والے دوست کو مزید درج ذیل ہدایت سے بھی نوازا۔ حضور انور نے فرمایا:

میں نے اس معاملہ پر دارالافتاء ربوہ کے ذریعہ تحقیق کروائی ہے۔ اس تحقیق کے مطابق اسلامی تعلیمات کی رو سے عورتوں کے دودھ کا Milk Bank قائم کرنا اور اس کے ذریعہ بچوں کو دودھ مہیا کرنا درست نہیں، کیونکہ اسلام نے رضاعت کی بناء پر قائم ہونے والے رشتوں کا اس حد تک تقدس قائم فرمایا ہے کہ ان رشتوں کی آپس میں شادی کی اُسی طرح ممانعت فرمائی، جس طرح نسب کی بناء پر محرم رشتوں کی باہم شادی کی ممانعت فرمائی ہے۔ جبکہ اس قسم کے Milk Bank سے ملنے والے دودھ کے بارہ میں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ایک دودھ کے پیکٹ میں کتنی اور کن کن عورتوں کا دودھ ہے اور اگر ان عورتوں کی اس پیکٹ پر تفصیل درج بھی کر دی جائے، تو اس دودھ کو پینے والے بچوں کے بے شمار رضائی بہن بھائی بن جائیں گے، جن کا حساب رکھنا اور ان سے شادی کے معاملہ میں احتیاط برتنا بظاہر ناممکن ہو جائے گا۔

لہٰذا اگر کسی بچہ کو ماں کے دودھ کی ضرورت ہو تو اس کیلئے جس طرح اسلام نے رضاعی ماں کے طریق کو جاری فرمایا ہے، اسی طریق کو اختیار کرنا چاہئے۔ لیکن اگر کسی جگہ اس کی سہولت موجود نہ ہو تو پھر عورتوں کے دودھ کے Milk Bank سے ملنے والے دودھ کے استعمال کا تکلف کر کے رشتوں کو مشتبہ بنانے کی بجائے عام گائے، بھینس یا مصنوعی دودھ کے پیکٹوں کے دودھ کو استعمال کرنا چاہئے۔ تاکہ اسلام نے جن رشتوں کے تقدس کو قائم فرمایا ہے اس کی پوری طرح پابندی ہو سکے۔

سوال: یوکے سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ ہم عشاء کی نماز میں وتر کی آخری رکعت الگ پڑھتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ نیز یہ کہ جب ہم Holidays پر جاتے ہیں اور اپارٹمنٹ بک کرتے ہیں تو کیا ہم وہاں کے Frying pans وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 12 / اکتوبر 2021ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: علمائے حدیث و فقہ نے وتر پڑھنے کے کئی طریق بیان کئے ہیں اور انہوں نے اپنے اپنے مؤقف کے حق میں مختلف دلائل بھی دیئے ہیں۔ ان میں زیادہ معروف دو طریق ہیں ایک یہ کہ دو

رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے اور پھر تیسری رکعت الگ پڑھی جائے اور دوسرا طریق یہ ہے کہ تینوں رکعات ایک ہی سلام کے ساتھ اکٹھی پڑھی جائیں اور درمیان میں دو رکعات کے بعد تشہد بیٹھا جائے۔

چنانچہ ایک شخص کے سوال پر کہ وتر کس طرح پڑھنے چاہئیں؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

”خواہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر کر تیسری رکعت پڑھ لو۔ خواہ تینوں ایک ہی سلام سے درمیان میں التحیات بیٹھ کر پڑھ لو۔“

(الحکم نمبر 13، جلد 7 مؤرخہ 10/اپریل 1903ء صفحہ 14)

احادیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ عموماً وتروں کی تین رکعات کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْصِلُ بَيْنَ الْوَتْرِ وَالشَّفْعِ بِتَسْلِيمَةٍ وَيُسْمِعُنَاهَا

(مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمر بن خطابؓ حدیث نمبر 5204)

یعنی رسول اللہ ﷺ وتر اور اس کے قبل کی دو رکعتوں کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ کر لیا کرتے تھے اور یہ سلام ہمیں سنایا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي الْحُجْرَةِ وَأَنَا فِي الْبَيْتِ فَيَفْصِلُ بَيْنَ الشَّفْعِ وَالْوَتْرِ بِتَسْلِيمٍ يُسْمِعُنَاهُ

(مسند احمد بن حنبل، حديث السَّيِّدَةِ عَائِشَةَ حدیث نمبر 23398)

یعنی رسول اللہ ﷺ حجرہ میں نماز پڑھتے تھے اور میں گھر میں ہوتی، آپ وتر اور پہلی دو رکعتوں میں سلام کے ساتھ فاصلہ کرتے تھے اور اپنا سلام ہمیں سناتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وتر پڑھنے کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضرت صاحب وتر دو پڑھ کر سلام پھیرتے تھے یا تین پڑھ کر؟ اس پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''عموماً دو پڑھ کر۔ مولوی سید سرور شاہ صاحب نے کہا۔ جس قدر واقف لوگوں سے اور روایتیں سُنی ہیں۔ ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دو پڑھ کر سلام پھیرتے تھے پھر ایک پڑھتے۔''

(الفضل قادیان دارالامان نمبر 97 جلد 9 مؤرخہ 12/جون 1922ء صفحہ 7)

پس اگرچہ فقہاء نے تینوں وتر اکٹھے ایک ہی سلام کے ساتھ درمیان میں تشہد بیٹھ کر پڑھنے کے طریق کو بھی درست اور مسنون قرار دیا ہے لیکن ہمارے آقا و مطاع آنحضور ﷺ اور آپ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمومی سنت یہی تھی کہ آپ وتر کی دو رکعات پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر پھر تیسری رکعت الگ پڑھا کرتے تھے۔

باقی جہاں تک Holidays کے دوران کرایہ کے اپارٹمنٹ کے برتنوں کے استعمال کا تعلق ہے تو ان برتنوں کو اچھی طرح دھو کر استعمال کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

سوال: کویت سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ ہم مسلمانوں پر شادی کرنا کیوں فرض ہے اور اگر کوئی بہت نیک ہو لیکن شادی نہ کرے تو کیا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 15/اکتوبر 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : مسلمانوں کیلئے شادی کرنا اسلام کے بنیادی احکامات میں سے ایک حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں اس کا ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (النساء :4) یعنی عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرو۔ دو دو اور تین تین اور چار چار۔

اسی طرح شادی کرنا حضور ﷺ کی سنت ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ حقیقی مسلمان وہی ہے جو میری سنت پر عمل کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِی فَمَنْ لَمْ یَعْمَلْ بِسُنَّتِی فَلَیْسَ مِنِّی وَتَزَوَّجُوا فَإِنِّی مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْأُمَمَ وَمَنْ کَانَ ذَا طَوْلٍ فَلْیَنْکِحْ وَمَنْ لَمْ یَجِدْ فَعَلَیْہِ بِالصِّیَامِ فَإِنَّ الصَّوْمَ لَہُ وِجَاءٌ

(سنن ابن ماجہ کتاب النکاح بَاب مَا جَاءَ فِی فَضْلِ النِّکَاحِ)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نکاح میری سنت ہے۔ پس جو میری سنت پر عمل نہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور نکاح کیا کرو اس لئے کہ تمہاری کثرت پر میں امتوں کے سامنے فخر کروں گا اور جس میں استطاعت ہو تو وہ نکاح کرے اور جس میں استطاعت نہ ہو تو وہ روزے رکھے اس لئے کہ روزہ اس کی شہوت کو توڑ دے گا۔

پس اگر اچھا رشتہ مل رہا ہو اور کفو بھی ہو تو شادی ضرور کرنی چاہئے۔ لیکن یہ نہیں کہ کسی بھی کافر اور ملحد کے ساتھ شادی کر لی جائے بلکہ اس معاملہ بھی اسلامی تعلیمات اور انتظامی ہدایات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

سوال: مصر سے ایک ڈاکٹر صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ بینک کی مینجمنٹ میں بطور انجنیئر یا بینک کی ملکیتی کسی انجنیئرنگ کمپنی میں ملازمت کرنا جائز ہے؟ کیونکہ اس سے سود اور شراب کے کام پر تعاون ہوتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 18/اکتوبر 2021ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: موجودزمانہ میں بینکنگ سسٹم تقریباً ہر دنیاوی کاروبار کا لازمی جزو ہے اور دنیا کے اکثر بینکوں کے نظام میں کسی نہ کسی طرح سود کا عنصر موجود ہوتا ہے، جو ان کاروباروں کا بھی حصہ بنتا ہے۔ لہٰذا اس بات کو سمجھنے کیلئے اس زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حسب ذیل ارشاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اب اس ملک میں اکثر مسائل زیر وزبر ہو گئے ہیں۔ کل تجارتوں میں ایک نہ ایک حصہ سود کا موجود ہے۔ اس لئے اس وقت نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔“

(البدر نمبر 41و42 جلد 3 مؤرخہ یکم و8/نومبر 1904ء صفحہ 8)

پس ایسے حالات میں اگر انسان بہت زیادہ وہم میں پڑا رہے تو اس کا زندگی گزارنا ہی دوبھر ہو جائے گا۔ کیونکہ عام زندگی میں جو لباس ہم پہنتے ہیں، ان کپڑوں کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں میں بھی کہیں نہ کہیں سودی پیسہ لگا ہو گا۔ جو بریڈ ہم کھاتے ہیں، اس کے کاروبار میں بھی کہیں نہ کہیں سودی پیسہ کی آمیزیش ہو گی۔ اگر انسان ان تمام دنیاوی ضرورتوں کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے گھر میں ہی بیٹھنا چاہے جو بظاہر ناممکن ہے پھر بھی وہ مکان جس اینٹ، ریت اور سیمنٹ سے بنا ہے، ان چیزوں کو بنانے والی کمپنیوں کے کاروبار میں بھی کہیں نہ کہیں سودی کاروبار یا سود کے پیسہ کی ملونی ہو گی۔

پس بہت زیادہ مین میکھ نکال کر اور وہم میں پڑ کر اپنے لئے بلاوجہ مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے، حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں۔

أَنَّ قَوْمًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِي أَذَكَرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَمْ لَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمُّوا اللّٰهَ عَلَيْهِ وَكُلُوهُ

(صحیح بخاری کتاب البیوع بَاب مَنْ لَمْ يَرَ الْوَسَاوِسَ وَنَحْوَهَا مِنَ الشُّبُهَاتِ)

یعنی کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک جماعت ہمارے پاس گوشت لے کر آتی ہے، ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے (اسے ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ کا نام لیا ہوتا ہے یا نہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس گوشت پر اللہ کا نام (بسم اللہ) پڑھ لیا کرو اور اسے کھا لیا کرو۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کیا ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا درست ہے؟

فرمایا:

”شریعت نے اس کو مباح رکھا ہے۔ ایسی پابندیوں پر شریعت نے زور نہیں دیا بلکہ شریعت نے توقَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا پر زور دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ آرمینیوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں کھالیتے تھے اور بغیر اس کے گذارہ بھی تو نہیں ہوتا۔“

(الحکم نمبر 19 جلد 8 مؤرخہ 10/ جون 1904 صفحہ 3)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک میں ایک دوست جو محکمہ آبکاری میں نائب تحصیلدار تھے۔ انہوں نے حضور سے بذریعہ خط دریافت کیا کہ کیا اس قسم کی نوکری ہمارے واسطے جائز ہے؟ حضور علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

”اس وقت ہندوستان میں ایسے تمام امور حالت اضطرار میں داخل ہیں۔ تحصیلدار یا نائب تحصیلدار نہ شراب بناتا ہے نہ بیچتا ہے نہ پیتا ہے۔ صرف اس کی انتظامی نگرانی ہے اور بلحاظ سرکاری ملازمت کے اس کا فرض ہے۔ ملک کی سلطنت اور حالات موجودہ کے لحاظ سے اضطراراً یہ امر جائز ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہئے کہ وہ انسان کے واسطے اس سے بھی بہتر سامان پیدا کرے۔ گورنمنٹ کے ماتحت ایسی ملازمتیں بھی ہو سکتی ہیں جن کا ایسی باتوں سے تعلق نہ ہو اور خدا تعالیٰ سے استغفار کرتے رہنا چاہئے۔“

(اخبار بدر نمبر 39 جلد 6، مؤرخہ 26/ ستمبر 1907ء صفحہ 6)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ بینک کی ملازمت کے بارہ میں فرماتے ہیں:

”جس ملازمت میں سود لینے یا اس کی تحریک کرنے کا کام کرنا پڑتا ہو وہ میرے نزدیک جائز نہیں۔ ہاں ایسے بینک کے حساب و کتاب کی ملازمت جائز ہے۔“

(اخبار الفضل قادیان دارالامان نمبر 95 جلد 3 مؤرخہ 7/ مارچ 1916ء صفحہ 9)

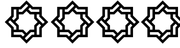
پھر ایک اور موقعہ پر فرمایا:

”جس ملازمت میں سود کی تحریک کرنی پڑے وہ ناجائز ہے۔ کلرکی اور حساب رکھنا بہ تسلسل ملازمت جائز ہے۔“

(اخبار الفضل قادیان دارالامان نمبر 113 جلد 3 مؤرخہ 13/ مئی 1916ء صفحہ 8)

پس انسان کو وہموں اور شک و شبہ میں مبتلا ہوئے بغیر تقویٰ سے کام لیتے ہوئے اپنے معاملات اور دنیاوی امور کو بجالانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جہاں براہ راست کسی ممنوع کام میں پڑنے کا امکان ہو یا کسی چیز کی حرمت واضح طور پر نظر آتی ہو اس سے بہر صورت اجتناب کرنا چاہیئے۔ لیکن بہت زیادہ وہموں میں پڑ کر جائز اشیاء کے استعمال سے بلاوجہ کنارہ کشی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 27 جنوری 2023ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر46

سوال: اردن سے ایک دوست نے سورۃ الرحمٰن کی آیت لَمۡ یَطۡمِثۡہُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَہُمۡ وَلَا جَآنٌّ کے حوالہ سے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا ہے کہ یہاں جنّ سے کیا مراد ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 18/اکتوبر 2021ء میں اس کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں جنّ کا لفظ کثرت کے ساتھ اور مختلف معنوں میں بیان ہوا ہے اور ہر جگہ سیاق و سباق کے اعتبار سے اس لفظ کے معانی ہوں گے۔ جنّ کے بنیادی معنی مخفی رہنے والی چیز کے ہیں۔ جو خواہ اپنی بناوٹ کی وجہ سے مخفی ہو یا اپنی عادات کے طور پر مخفی ہو اور یہ لفظ مختلف صیغوں اور مشتقات میں منتقل ہو کر بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور ان سب معنوں میں مخفی اور پس پردہ رہنے کا مفہوم مشترک طور پر پایا جاتا ہے۔

چنانچہ جنّ والے مادہ سے بننے والے مختلف الفاظ مثلاً جَنَّ سایہ کرنے اور اندھیرے کا پردہ ڈالنے، جنین ماں کے پیٹ میں مخفی بچہ، جنون وہ مرض جو عقل کو ڈھانک دے، جنان سینہ کے اندر چھپا دل، جَنَّۃ باغ جس کے درختوں کے گھنے سائے زمین کو ڈھانپ دیں، مَجَنَّۃ ڈھال جس کے پیچھے لڑنے والا اپنے آپ کو چھپالے، جانٌّ سانپ جو زمین میں چھپ کر رہتا ہو، جَنَن قبر جو مردے کو اپنے اندر چھپالے اور جُنَّۃ اوڑھنی جو سر اور بدن کو ڈھانپ لے کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

پھر جنّ کا لفظ باپردہ عورتوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ نیز ایسے بڑے بڑے رؤسا اور اکابر لوگوں کیلئے بھی بولا جاتا ہے جو عوام الناس سے اختلاط نہیں رکھتے۔ نیز ایسی قوموں کے لوگوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جو جغرافیائی اعتبار سے دور دراز کے علاقوں میں رہتے اور دنیا کے دوسرے حصوں سے کٹے ہوئے ہیں۔

اسی طرح تاریکی میں رہنے والے جانوروں اور بہت باریک کیڑوں مکوڑوں اور جراثیم کیلئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے رات کو اپنے کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھنے کا ارشاد فرمایا(صحیح مسلم کتاب الاشربة بَاب الْاَمْرِ بِتَغْطِيَةِ الْإِنَاءِ وَإِيكَاءِ السِّقَاءِ وَإِغْلَاقِ الْاَبْوَابِ) اور ہڈیوں سے استنجا سے منع فرمایا اور اسے جنوں یعنی چونٹیوں، دیمک اور دیگر جراثیم کی خوراک قرار دیا۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب باب ذکر الجن)

علاوہ ازیں جنّ کا لفظ مخفی ارواح خبیثہ یعنی شیطان اور مخفی ارواح طیبہ یعنی ملائکہ کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ (الجن:12)

پس جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ ہر جگہ سیاق و سباق کے اعتبار سے اس لفظ کے معانی ہوں گے۔ آپ کے سوال میں بیان سورۃ الرحمٰن کی آیت لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ میں جنّ جو کہ انس کے مقابل پر استعمال ہوا ہے۔ اس سے خواص، بڑے رتبہ اور مقام والے، امیر لوگ اور بڑے بڑے رؤسا اور اکابر مراد ہیں اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کیلئے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن میں ان نیک بندوں کیلئے ایسی ایسی نعماء ہوں گی جو خالصتاً صرف ان جنتیوں کیلئے ہوں گی اور ان سے پہلے یہ نعمتیں ہر قسم کے عوام و خواص کی دسترس سے پاک ہوں گی۔

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حیوانات کے مرنے کے بعد ان کی ارواح کے باقی رہنے کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ارشاد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں بھجوا کر لکھا ہے کہ آپ نے وقف نو کی ایک کلاس میں فرمایا تھا کہ جانوروں کے مرنے کے بعد ان کی روح باقی نہیں رہتی اور ان کی زندگی دنیا میں ہی ختم ہو جاتی ہے اور دریافت کیا ہے کہ ان دونوں باتوں میں مطابقت کیسے ہو سکتی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 19 اکتوبر 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل رہنمائی فرمائی۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: آپ نے اپنے خط میں جس مکالمہ کے حوالہ سے سوال کیا ہے، یہ مکالمہ 1908ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور انگلستان کے پروفیسر ریگ صاحب کے مابین لاہور میں دو نشستوں

میں سوال و جواب کی صورت میں ہوا تھا۔ جس میں پروفیسر صاحب نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کی ذات، انبیاء کرام کی بعثت، کائنات، نیکی اور بدی کی تحریکات، شیطان، دنیوی اور اخروی زندگی، انسانوں کا ارواح سے تعلق، ادنیٰ کا اعلیٰ کیلئے قربان ہونا، حیوانات اور ان کی ارواح اور مسئلہ ارتقاء وغیرہ مختلف موضوعات پر ایک تسلسل میں سوالات پیش کئے اور حضور علیہ السلام نے ان سوالات کے نہایت بصیرت افروز جوابات عطاء فرماتے ہوئے جہاں ان موضوعات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی وہاں حضور علیہ السلام نے انسانوں اور حیوانات کے عقل و شعور، تکالیف، احساسات اور ان کے اس دنیا کے اعمال وافعال نیز اخروی زندگی میں ملنے والے اجر کے باہمی فرق کو بھی واضح فرمایا۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"یہ عالم ایک مختصر عالم ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے ایک وسیع عالم رکھا ہے جس میں اس نے ارادہ اور وعدہ کیا ہے کہ سچی اور ابدی خوشحالی دی جاوے گی۔ ہر دکھ جو اس جہان میں ہے اس کا تدارک اور تلافی دوسرے عالم میں کر دی جاوے گی۔ جو کمی اس جہان میں پائی جاتی ہے وہ آئندہ عالم میں پوری کر دی جاوے گی۔ باقی رہا دکھ، درد، تکلیف، رنج و محن، یہ تو ادنیٰ و اعلیٰ کو یکساں برداشت کرنا پڑتا ہے اور یہ اس نظام عالم کے قیام کے واسطے لازمی اور ضروری تھے۔ اگر وسیع نظر سے دیکھا جاوے تو کوئی بھی دکھ سے خالی نہیں۔ ہر مخلوق کو علیٰ قدر مراتب اس میں سے حصہ لینا ہی پڑتا ہے۔ البتہ کسی کو کسی رنگ میں ہے اور کسی کو کسی رنگ میں...... دوسری بات جو قابل غور ہے یہ ہے کہ چونکہ تکالیف انسانی۔ تکالیف حیوانی سے بڑھی ہوئی ہیں۔ (اسی واسطے انسانی اجر بھی حیوانی اجر سے بڑھا ہوا ہوگا)۔ تکالیف انسانی دو قسم کی ہیں۔ ایک تکالیف شرعیہ دوسری تکالیف قضاو قدر۔ تکالیف قضاو قدر میں انسان و حیوان مشترک اور قریباً برابر ہیں...... باقی تکالیف شرعیہ میں انسان کے ساتھ حیوانات کا کوئی اشتراک نہیں ہے۔ احکام شرعیہ بھی ایک قسم کی چھری ہے جو انسانی گردن پر چلتی ہے۔ مگر حیوان اس سے بری الذمہ ہیں۔ امور شرعیہ بھی ایک موت ہیں جو انسان کو اپنے اوپر وارد کرنی پڑتی ہے۔ پس اس طرح سے ان باتوں کو یکجائی طور سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوگا کہ تکالیف انسانی تکالیف حیوانی سے بہت بڑھی ہوئی ہیں۔

تیسری بات جو قابل یاد ہے یہ ہے کہ انسانی حواس میں بہت تیزی ہے۔ انسان میں قوت احساس زیادہ پائی جاتی ہے۔ حیوانات یا نباتات اس کے مقابل میں بہت کم احساس رکھتے ہیں...... پس حیوانات ان تکالیف کا بہت کم احساس کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ بعض اوقات بالکل ہی نہ کرتے ہوں۔

اب جائے غور ہے کہ دنیا میں ان تکالیف کا بوجھ کس پر زیادہ ہے آیا انسان پر یا حیوان پر؟ صاف ظاہر ہے کہ انسان ہی کو ان مشکلات دنیوی میں بہ نسبت حیوانات کے زیادہ حصہ لینا پڑتا ہے۔''

اسی تسلسل میں پروفیسر صاحب کے اگلے سوال کہ حیوانات کو بھی آئندہ عالم میں کوئی بدلہ دیا جاوے گا؟ کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:

''ہاں ہم مانتے ہیں کہ علیٰ قدر مراتب سب کو ان کی تکالیف دنیوی کا بدلہ دیا جاوے گا اور ان کے دکھوں اور تکالیف کی تلافی کی جاوے گی۔''

نیز پروفیسر صاحب کے سوال کہ تو پھر اس کا یہ لازمی نتیجہ ہو گا کہ وہ حیوانات جن کو ہم مارتے ہیں ان کو مردہ نہیں بلکہ زندہ یقین کریں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

'' ہاں یہ ضروری بات ہے وہ فنا نہیں ہوئے ان کی روح باقی ہے وہ حقیقتاً نہیں مرے بلکہ وہ بھی زندہ ہیں۔''

(ملفوظات جلد10 صفحہ 429-432 ایڈیشن 1984ء)

اس مکالمہ میں حضور علیہ السلام نے احکام شرعیہ کے حوالہ سے انسانوں اور جانوروں کے مکلف ہونے اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سلوک کا جو باہمی امتیاز بیان فرمایا ہے، وقف نو کی کلاس میں میں نے بھی کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے جانوروں کی زندگی کے اسی دنیا میں خاتمہ کا کہا تھا۔ جس سے میری مراد یہ تھی کہ جانور چونکہ احکام شرعیہ کے پابند نہیں ہیں، اس لئے اگلے جہان میں ان کے ساتھ انسانوں والی جزاء سزاء کا معاملہ نہیں ہو گا۔ البتہ جس طرح احادیث میں بھی آتا ہے کہ سینگ والی بکری سے بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ دلوایا جائے گا۔ (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والاداب) قیامت کے دن ان کے درمیان صرف آپس کے بدلہ کے لین دین کا معاملہ ہو گا۔ حضرت مسیح

موعود علیہ السلام کے اوپر مذکور ارشاد کے آخری الفاظ بھی جانوروں کی روح کی اسی قسم کی بقا کو بیان فرمارہے ہیں۔

جبکہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور جس کو احکام شرعیہ کا مکلف بنایا گیا ہے اس کی جزاء سزا کا فیصلہ ان احکام شرعیہ کی روشنی میں ہو گا اور اس کیلئے اس کے اعمال کے مطابق جنت و دوزخ کا بھی فیصلہ کیا جائے گا۔

شرعی لحاظ سے مکلف ہونے اور اپنے اعمال کے لحاظ سے جزاء سزا پانے کی بابت انسانوں اور حیوانات کی ارواح کے فرق کے بارہ میں حضور علیہ السلام کے ملفوظات میں بیان مذکورہ بالا ارشاد کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بعض تصانیف میں بھی انسانوں اور حیوانوں کی ارواح کے فرق کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کہ ہم نے فلاں قوم کر مارا اور پھر زندہ کر دیا، ایک نبی کو سو برس مارا اور پھر زندہ کر دیا۔ حضرت ابراہیم کی معرفت جانور زندہ کئے گئے وغیرہ استعارات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

"یہ ہرگز سچ نہیں ہے کہ ان تمام مقامات میں جہاں مردہ زندہ ہونا لکھا ہے واقعی اور حقیقی موت کے بعد زندہ ہونا لکھا گیا ہے بلکہ لغت کی رو سے موت کے معنے نیند اور ہر قسم کی بے ہوشی بھی ہے۔ پس کیوں آیات کو خواہ نخواہ کسی تعارض میں ڈالا جائے اور اگر فرض کے طور پر چار جانور مرنے کے بعد زندہ ہو گئے ہوں تو وہ اعادہ روح میں داخل نہیں ہو گا۔ کیونکہ بجز انسان کے اور کسی حیوان اور کیڑے مکوڑے کی روح کو بقاء نہیں ہے۔ اگر زندہ ہو جائے تو وہ ایک نئی مخلوق ہو گی چنانچہ بعض رسائل عجائب المخلوقات میں لکھا ہے کہ اگر بہت سے بچھو کوٹ کر ایک ترکیب خاص سے کسی برتن میں بند کئے جائیں تو اس خمیر سے جس قدر جانور پیدا ہوں گے وہ سب بچھو ہی ہوں گے۔ تو اب کیا کوئی دانا خیال کر سکتا ہے کہ وہی بچھو دوبارہ زندہ ہو کر آگئے جو مر گئے تھے بلکہ مذہب صحیح جو قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے یہی ہے کہ مخلوقات ارضی میں سے بجز جن اور انس کے اور کسی چیز کو ابدی روح نہیں دیا گیا۔"

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 220-221)

آریہ مذہب کے عقائد کے بالمقابل اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے انسانی روح کے بقاء کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

''یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ مسلمان بھی انسانی ارواح کو ابدی قرار دیتے ہیں کیونکہ قرآن شریف یہ نہیں سکھلاتا کہ انسانی ارواح اپنی ذات کے تقاضا سے ابدی ہیں بلکہ وہ یہ سکھلاتا ہے کہ یہ ابدیت انسانی روح کیلئے محض عطیہ الٰہی ہے ورنہ انسانی روح بھی دوسرے حیوانات کی روحوں کی طرح قابل فنا ہے۔''

(نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 382 حاشیہ)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات اور وقف نو کلاس میں میری طرف سے کہی گئی بات میں میرے خیال میں کوئی تضاد نہیں۔ اگر پہلے بات واضح نہیں تھی تو اب واضح ہو کہ جانوروں کا معاملہ صرف ایک دوسرے سے بدلہ لینے تک محدود ہے اور ان پر شرعی احکامات کا نفاذ نہیں ہو گا اور نہ ہی ان کا جزاء سزا کے ساتھ کوئی تعلق ہو گا۔ جبکہ انسان کا معاملہ شرعی احکامات کے تابع دیکھا جائے گا اور انسان کے اعمال اور اس کے شرعی احکامات پر عمل پیرا ہونے کے مطابق ہی اس کی جزاء سزا کا فیصلہ ہو گا۔

سوال: جرمنی سے ایک دوست نے قرآن کریم کی آیات وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا (الفرقان:54-55) میں بیان نمکین اور میٹھے پانی کے دو سمندروں، نیز انسانی تخلیق کے پانی سے ہونے سے مراد انسانی جسم کے Intracellular اور Extracellular سسٹم کو قرار دے کر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے اس بارہ میں رہنمائی چاہی۔ نیز سوال کرنے والے نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ Cells بھی میٹھے اور نمکین پانی پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان کے درمیان ایک روک حائل ہوتی ہے۔ نیز ہر انسانی جسم اسی قسم کے Cells پر مشتمل ہوتا ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 19/ اکتوبر 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: آپ کا یہ نقطہ ذوقی حد تک تو ٹھیک ہے اور ان آیات کا ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے جو آپ نے بیان کیا ہے۔ لیکن ان آیات سے صرف یہی پہلو مراد لینا قرآن کریم کے وسیع مضمون کو محدود کرنے والی بات ہو گی۔ کیونکہ قرآن کریم کی ان آیات کے کئی پہلو ہیں جنہیں پرانے مفسرین بھی اپنے اپنے وقتوں میں بیان کرتے آئے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء نے بھی ان آیات کے کئی نئے پہلو بیان فرمائے ہیں، جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کی کتب اور تفاسیر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر سمندر کا پانی جو شدید کڑوا ہوتا ہے اسی سے بادل بن کر جب بارش برستی ہے تو وہ پانی بہت میٹھا ہوتا ہے اور ان دونوں قسم کے پانیوں کے درمیان ایک ایسی روک حائل ہوتی ہے جو انہیں کبھی ملنے نہیں دیتی۔ اسی طرح ظاہری طور پر ان سے سمندروں اور دریاؤں کے پانی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ سمندروں کا پانی نمکین ہوتا ہے اور دریاؤں کا پانی میٹھا ہوتا ہے۔ پھر روحانی تعلیم جو میٹھے پانی سے مشابہ ہوتی ہے اور کفر کی تعلیم جو نمکین پانی سے مشابہت رکھتی ہے، اس سے مراد ہو سکتی ہے۔ یعنی جو تعلیمات براہ راست خدا کی طرف سے آتی ہیں وہ میٹھی ہوتی ہیں اور جو تعلیمیں دیر سے دنیا میں موجود ہیں اور براہ راست الہام سے محروم ہیں وہ کڑوی ہوتی ہیں۔

اسی طرح انسان اور ہر زندہ چیز کے پانی سے پیدا ہونے کی بھی کئی تشریحات حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے احمدیت نے بیان فرمائی ہیں۔ جن میں سے یہ بھی ہے کہ ہر چیز پانی سے ہی زندہ ہے۔ چنانچہ آسمان سے بارش برستی ہے تو زمین میں فصلیں اگتی ہیں جو زندگی کا سبب بنتی ہیں۔ اسی طرح روحانی زندگی کیلئے بھی ضروری ہے کہ آسمان سے روحانی پانی اترتا رہے۔ اسی طرح میٹھے اور نمکین پانی کے جو ذخائر ہیں یعنی سمندر اور دریا، ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف اقسام کی مچھلیوں اور آبی مخلوقات کی صورت میں انسانوں اور دیگر جانوروں کیلئے خوراک کی صورت میں زندگی کے سامان پیدا کئے ہیں۔

پس ان آیات قرانیہ میں بیان وسیع مضامین کو صرف ایک پہلو تک محدود رکھنا درست نہیں۔ ہاں ان سے ایسے مختلف معانی نکالنا جو قرآن کریم اور آنحضور ﷺ کی تعلیمات نیز حضور ﷺ کے

غلام صادق اور اس زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تفاسیر و تشریحات کے مطابق ہوں، جائز ہے۔

سوال: جرمنی سے ایک دوست نے ناظم صاحب قضاء جرمنی کو لکھے جانے والے اپنے خط کی نقل حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں بھی بھجوائی، جس میں انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد عدت میں بیوی سے تعلقات زوجیت قائم کر لینے اور پھر ان تعلقات کے بارہ میں قضاء سے غلط بیانی کرنے پر قضاء کے فیصلہ ٔطلاق کی حیثیت دریافت کی ہے۔ نیز دریافت کیا ہے کہ قضاء کے اس فیصلہ ٔطلاق سے ان کی طلاق ہو گئی ہے یا انہیں دوبارہ یہ سارا عمل کرنا پڑے گا؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 29/اکتوبر 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: آپ کی بیان کردہ صورت کے مطابق آپ کی وہ طلاق جس کی عدت کے دوران آپ میاں بیوی میں تعلقات زوجیت قائم ہو گئے تھے، مؤثر نہیں ہوئی اور اس کے متعلق قضاء کی طرف سے آپ میاں بیوی کے درمیان کیا جانے والا فیصلہ ٔطلاق درست نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے قضاء سے غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ البتہ اسلام میں خاوند کو ملنے والے طلاق کے تین مواقع میں سے ایک موقعہ آپ نے استعمال کر لیا ہے۔ نیز اس طلاق کی عدت کے دوران آپ میاں بیوی کے درمیان چونکہ تعلقات زوجیت قائم ہو گئے تھے، اس لئے یہ آپ کا اس طلاق سے رجوع شمار ہو گا۔

اب اگر آپ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتے ہیں تو طلاق دینے کی صورت میں یہ آپ کی طرف سے دوسری طلاق شمار ہو گی اور عدت تین حیض ہو گی اور اگر حیض نہ آتے ہوں تو تین ماہ ہو گی اور اگر آپ کی بیوی حاملہ ہے تو عدت وضع حمل ہو گی۔

اس عدت کے گزرنے کے بعد بشرطیکہ آپ عدت میں رجوع نہیں کرتے تو پھر آپ میاں بیوی کے درمیان طلاق مؤثر ہو گی۔

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور آپ دونوں میاں بیوی کو اسلام کے تمام احکامات پر سچائی اور خوف خدا کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 3 فروری 2023ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

قسط نمبر 47

سوال: جاپان سے ایک مربی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ جاپان میں زمین کم ہونے اور لوگوں کے مذہب سے دور ہو جانے نیز ماضی میں کسی وقت لاشوں کو زمین میں دفن کرنے پر وباء پھیلنے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں میں لاش کو زمین میں دفنانے کی بجائے جلانے کے طریق کو پسند کیا جاتا ہے۔ اس بارہ میں لوگوں کو کس طرح سمجھایا جاسکتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 29/ اکتوبر 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردہ کا احترام انسانی فطرت میں رکھا ہے۔ لہٰذا جو لوگ اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں وہ بھی ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے مردہ کی بے حرمتی ہو اور جو لوگ اسے جلاتے یا جانوروں کو کھلا دیتے ہیں وہ بھی ایسا اسی لئے کرتے ہیں کہ ان کے مردے گلتے سڑتے نہ رہیں اور ان کے نزدیک مردہ کو جلانا یا جانوروں کو کھلا دینا اصل میں مردہ کے احترام کا تقاضا ہی ہے۔ پس مردہ کا احترام صرف مذہب کے ماننے والے ہی نہیں کرتے بلکہ غیر مذہب کے لوگ بھی اپنے فطرتی تقاضا کے تحت ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔

اسلام جو فطرت کے عین مطابق مذہب ہے، اس نے ہمیں یہی سکھایا کہ مردہ کو زمین میں دفن کیا جائے چنانچہ قرآن کریم میں آدم کے دو بیٹوں کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے کوّے کو بھیج کر آدم کے بیٹے کو سکھایا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کی لاش کو کس طرح زمین میں دفن کرے۔

اسلامی تعلیم کے مطابق مردہ کو زمین میں دفن کرکے جو اس کی قبر بنائی جاتی ہے، اس میں کسی قسم کا شرک پیش نظر نہیں ہوتا یا اہل قبر کی عبادت یا پوجا کرنا مقصود نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ یہ صرف اس لئے

کیا جاتا ہے کہ انسان کی میت کو بھی مناسب طور پر عزت اور احترام دیا جاسکے اور تا اس کے لواحقین حسب توفیق اس قبر پر آکر اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کر سکیں۔

باقی جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ لاشوں کو دفنانے سے کسی وباء کے پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو یہ بھی ایک غلط مفروضہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی مٹی میں ایسی خاصیت رکھی ہے کہ انسانی جسم آہستہ آہستہ ختم ہو کر اسی مٹی کا حصہ بن جاتا ہے۔

چنانچہ جب اگلی نسل آتی ہے اور وقت کے ساتھ اس نئی نسل میں سے بہت سارے لوگ اپنے آباء و اجداد کو بھول جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ بہت سی قبروں کے نام و نشان زمین سے مٹ جاتے ہیں تو ان کی جگہ نئی قبریں تیار ہو جاتی ہیں۔ دنیا کے بہت سے قبرستان ایسے ہیں جن میں سینکڑوں سالوں سے مردے دفن کئے جا رہے ہیں اور بہت سی پرانی قبروں کی جگہ نئی قبریں بن چکی ہیں۔ مدینہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں بھی یہی طریق رائج ہے۔ پس مردوں کو زمین میں دفنانے کے طریق کے خلاف زمین کے کم ہونے کی دلیل کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔

مردوں کو دفن کرنے، جلانے یا جانوروں کو کھلا دینے کے بارہ میں مختلف مذاہب اور معاشروں میں رائج طریق کار کے مختلف پہلوؤں کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنی تصانیف تفسیر کبیر اور سیر روحانی میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ 179-180 سیر روحانی نمبر 3 انوار العلوم جلد 16 صفحہ 317-322)

سوال: دارالافتاء ربوہ کی طرف سے جاری ہونے والے فتاویٰ ملاحظہ فرمانے کے بعد ان میں سے بعض فتاویٰ دربارہ بیوہ کی عدت کے دوران اس کے بیٹے کی شادی، بیوہ / مطلقہ کے نکاح کیلئے ولی کی اجازت اور فتاویٰ میں دیئے جانے والے حوالہ جات کے طریق کی بابت حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 29 / اکتوبر 2021ء میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب : نظامت دارالافتاء کی طرف سے جاری کردہ فتاویٰ میں آپ نے ایک شخص کو اس کی والدہ کی عدت وفات کے دوران اس شخص کی شادی کے بارہ میں یہ فتویٰ دیا ہے۔ ”سوگ اور بیٹے کی شادی کی خوشی کی تقریب میں شرکت دو متضاد چیزیں ہیں۔ آپ کی شادی کی تقریب کی صورت میں آپ کی

والدہ اپنی عدت وفات سوگ کی حالت میں نہیں گزار سکتیں۔ لہٰذا آپ کو اپنی شادی کا پروگرام والدہ کی عدت کے اختتام پر رکھنا چاہئے۔(فتویٰ زیر نمبر 11.09.2021/13)

میرے نزدیک آپ کا یہ فتویٰ درست نہیں۔ احادیث میں تو صرف بیوہ کیلئے چار ماہ دس دن عدت گزارنے کا حکم ہے۔ لیکن آپ اپنے اس فتویٰ کے ذریعہ تو باقی لوگوں کو بھی پابند کر رہے ہیں کہ وہ بھی بیوہ کے ساتھ سوگ میں شامل ہوں اور اپنے ضروری کاموں کو عدت کے اختتام تک مؤخر کر دیں۔

میری بیٹی کی شادی بھی اُس وقت ہوئی تھی جب میری والدہ عدت میں تھیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی وفات کے بعد اُمی نے حضرت خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں راہنمائی کیلئے لکھا تو حضورؒ نے شادی مقررہ تاریخ پر ہی کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا کہ عدت میں گھر سے باہر جانا منع ہے، گھر میں رہ کر سادگی کے ساتھ شادی کی تقریب میں شامل ہونا منع نہیں۔ اسی لئے ہم نے خواتین کا انتظام گھر کے برآمدہ اور صحن میں کیا تھا اور اُمی حضورؒ کی ہدایت کے مطابق سادگی کے ساتھ گھر میں اس تقریب میں شامل بھی ہوئی تھیں۔

پس اگر وہ لوگ اس شادی کے پروگرام کو اپنے طور پر ملتوی کر دیں تو یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ لیکن آپ کا انہیں شادی سے منع کرنے کا فتویٰ دینا درست نہیں۔

2۔ اسی طرح بیوہ / مطلقہ کے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کے بارہ میں ایک استفتاء پر آپ نے میرے خطبہ جمعہ مؤرخہ 24؍ دسمبر 2004ء کے حوالہ سے جو فتویٰ دیا ہے اس سے اگر آپ یہ استنباط کرنا چاہتے ہیں کہ بیوہ اور مطلقہ کو اپنے نکاح کیلئے ولی کی اجازت کی بالکل ضرورت نہیں تو یہ درست استنباط نہیں ہے۔ کیونکہ کنواری یا بیوہ / مطلقہ دونوں کو اپنے نکاح کیلئے ولی کی اجازت کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور دونوں کے نکاح کے موقعہ پر ان کا ولی ہی ایجاب و قبول کرتا ہے۔

آنحضور ﷺ کے ارشادات اور خلفائے راشدین کے تعامل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر عورت خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ / مطلقہ اس کے نکاح کیلئے ولی کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ اسی موقف کی تائید

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کے ارشادات سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"اسلام نے یہ پسند نہیں کیا کہ کوئی عورت بغیر ولی کے جو اُس کا باپ یا بھائی یا اور کوئی عزیز ہو خود بخود اپنا نکاح کسی سے کرلے۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 289)

مرقاۃ الیقین فی حیات نور الدین میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کے بارہ میں اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ نے بعض علماء) میاں نذیر حسین دہلوی اور شیخ محمد حسین بٹالوی) کے فتویٰ کو قبول کر کے لَا نِکَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ کی حدیث میں کلام خیال کرتے ہوئے ایک بیوہ سے اس کے ولی کی رضامندی کے بغیر شادی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو مرتبہ خواب میں آنحضور ﷺ کی کچھ متغیر حالت دکھا کر آپ کو اس خواب کی یہ تفہیم سمجھائی کہ ان مفتیوں کے فتووں کی طرف توجہ نہ کرو۔ حضورؓ فرماتے ہیں۔"تب میں نے اسی وقت دل میں کہا کہ اگر سارا جہان بھی اس کو ضعیف کہے گا تب بھی میں اس حدیث کو صحیح سمجھوں گا۔"

(مرقات الیقین فی حیات نور الدین صفحہ 158-160)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت نکاح کرانے کیلئے آئی تو آپ نے اس کے لڑکے کو جس کی عمر غالباً دس یا گیارہ سال تھی ولی بنایا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ولی مرد ہی ہوتے ہیں۔ اس عورت کا چونکہ اور کوئی مرد ولی نہیں تھا۔ اس لئے رسول کریم ﷺ نے اس لڑکے سے دریافت کرنا ضروری سمجھا۔"

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان نمبر 143 جلد 26 مؤرخہ 25/جون 1938ء صفحہ 4)

البتہ جیسا کہ میں نے اپنے اس خطبہ میں بھی ذکر کیا ہے بیوہ / مطلقہ عورت، کنواری لڑکی کی نسبت اپنے بارہ میں فیصلہ کرنے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے۔اس کا مطلب یہی ہے کہ بیوہ /

مطلقہ عورت اگر کسی جگہ شادی کرنا چاہے تو ولی کو اس میں بلاوجہ روک نہیں بننا چاہئے بلکہ اس کی مرضی کا احترام کرتے ہوئے اس کا اس جگہ نکاح کر دینا چاہئے۔

3۔ ایک فتویٰ زیر نمبر 20/27.09.2021 کے صفحہ 3 پر آپ نے الفضل 16؍ اگست 1948ء کا ایک حوالہ فقہ احمدیہ عبادات کے حوالہ سے دیا ہے۔ ایک تو یہ حوالہ غلط ہے۔ دوسرا اگر اصل ماخذ میسر ہو تو حوالہ اُس اصل ماخذ سے ہی دینا چاہئے۔

میں نے یہ حوالہ یہاں تلاش کروایا ہے۔ آپ کے فتویٰ میں درج یہ اقتباس حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ 06؍ اگست 1948ء کا ہے۔ جو خطبہ روزنامہ الفضل ربوہ مؤرخہ 08؍ مارچ 1961ء کے صفحہ نمبر 2 تا 4 پر شائع ہوا تھا۔

فقہ احمدیہ میں اس قسم کی بہت سی غلطیاں ہیں، جن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ تدوین فقہ کمیٹی کو اس طرف توجہ دلائیں کہ اس کی نظر ثانی کا کام جلد مکمل کریں۔

سوال: بلاد عرب میں کسی شخص کے نبوت اور مجددیت کا دعویٰ کرنے پر اس فعل کے ردّ میں ایک عرب احمدی کی طرف سے لکھے جانے والے مضمون اور اس مضمون پر ربوہ سے بعض علماء کی طرف سے موصول ہونے والے موقف کے بارہ میں انچارج صاحب عربک ڈیسک یوکے نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے راہنمائی چاہی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06؍ نومبر 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: دنیا کی ہدایت اور اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی یا مصلح کا مبعوث ہونا اس کی ایک ایسی نعمت ہے جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کیلئے جب بھی کسی نبی یا مصلح کی ضرورت محسوس کی تو انسانیت پر رحم کرتے ہوئے اس نے کسی نبی یا مصلح کو ضرور دنیا کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے جاری ہے اور کسی انسان کو حق نہیں ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی اس سنت کو معطل قرار دے کیونکہ قرآن و سنت میں ایسی کوئی نص موجود نہیں۔ تاہم آئندہ زمانوں میں اللہ تعالیٰ کی اس سنت کا اظہار کس طریق پر ہو گا، یہ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ

قرآن کریم، احادیث نبویہ ﷺ اور انبیائے سابقہ کے صحیفوں میں آنحضور ﷺ کے بعد ہمیں صرف ایک ہی جری اللہ فی حلل الانبیاء کی بشارت ملتی ہے۔

پھر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی اپنے بعد امت محمدیہ میں دو دفعہ خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کی بشارت دی ہے۔ پہلی مرتبہ کے قیام کے بعد آپ نے اس نعمت کے اٹھائے جانے کا ذکر فرمایا ہے لیکن دوسری مرتبہ اس نعمت کے قیام کی خوشخبری دینے کے بعد آپ نے خاموشی اختیار فرمائی جس سے اس نعمت کے قیامت تک جاری رہنے کا استدلال ہوتا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 285، مسند النعمان بن بشیرؓ)

آنحضور ﷺ کے غلام صادق اور اس زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی بشارتوں کے تحت جہاں ایک طرف خود کو خاتم الخلفاء قرار دیا اور اپنے بعد کسی اور مسیح کے آنے کا انکار فرمایا وہاں دوسری طرف آپ نے اپنے بعد ہزاروں مثیل مسیح کی آمد کے امکان کا بھی ارشاد فرمایا۔

چنانچہ قرآن کریم کی مختلف آیات، احادیث نبویہ ﷺ اور دیگر مذاہب کی تاریخ سے استدلال کرتے ہوئے آپ نے انسانی نسل کی عمر سات ہزار سال ہونے اور اس کے پانچویں ہزار سال میں آنحضور ﷺ کے مبعوث ہونے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

”اب ہم ساتویں ہزار کے سر پر ہیں۔ اس کے بعد کسی دوسرے مسیح کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ زمانے سات ہی ہیں جو نیکی اور بدی میں تقسیم کئے گئے ہیں۔“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 186)

آپ نے مزید فرمایا:

”چونکہ یہ آخری ہزار ہے اس لئے ضرور تھا کہ امام آخر الزمان اس کے سر پر پیدا ہو اور اس کے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح۔ مگر وہ جو اس کیلئے بطورِ ظل کے ہو۔ کیونکہ اس ہزار میں اب دنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جس پر تمام نبیوں نے شہادت دی ہے اور یہ امام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدّد صدی بھی ہے اور مجدّد الف آخر بھی۔“

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 208)

حضور علیہ السلام مجدد الف آخر بھی ہیں۔ جس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کی بشارتوں کے تحت آپ کے ذریعہ جاری ہونے والی خلافت علی منہاج النبوۃ میں آنے والے آپ کے خلفاء آپ کی پیروی اور اتباع کی برکت سے اپنے اپنے وقت کے مجدد بھی ہوں گے، اس لئے آپ کی پیروی اور اتباع سے باہر اب کسی مجدد کا آنا بھی محال ہے۔ حضور علیہ السلام اپنے بعد آنے والے مثیل مسیح کے آنے کے امکان کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہم یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعد کوئی اور بھی مسیح کا مثیل بن کر آوے کیونکہ نبیوں کے مثیل ہمیشہ دنیا میں ہوتے رہتے ہیں بلکہ خدائے تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذُرّیّت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی وہ آسمان سے اُترے گا اور زمین والوں کی راہ سیدھی کر دے گا اور وہ اسیروں کو رستگاری بخشے گا اور اُن کو جو شبہات کی زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دے گا۔''

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 179-180)

اس بارہ میں آپ نے مزید فرمایا:

''میں نے صرف مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ صرف مثیل ہونا میرے پر ہی ختم ہو گیا ہے بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے اور دس ہزار بھی مثیل مسیح آجائیں ہاں اس زمانہ کیلئے میں مثیل مسیح ہوں اور دُوسرے کی انتظار بے سُود ہے اور یہ بھی ظاہر رہے کہ یہ کچھ میرا ہی خیال نہیں کہ مثیل مسیح بہت ہو سکتے ہیں بلکہ احادیث نبویہ کا بھی یہی منشاء پایا جاتا ہے۔''

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 197)

ایک اور جگہ اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''اس عاجز کی طرف سے بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ مسیحیت کا میرے وجود پر ہی خاتمہ ہے اور آئندہ کوئی مسیح نہیں آئے گا بلکہ میں تو مانتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ ایک کیا دس ہزار سے بھی زیادہ مسیح آسکتا ہے۔''

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 251)

فرمایا:

"عیسیٰؑ ابن مریم نے ایک سو بیس برس عمر پائی اور پھر فوت ہو کر اپنے خدا کو جا ملا اور دوسرے عالم میں پہنچ کر یحییٰؑ کا ہم نشین ہوا کیونکہ اس کے واقعہ اور یحییٰ نبی کے واقعہ کو باہم مشابہت تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ نیک انسان تھا اور نبی تھا مگر اسے خدا کہنا کفر ہے۔ لاکھوں انسان دنیا میں ایسے گزر چکے ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے۔ خدا کسی کے برگزیدہ کرنے میں کبھی نہیں تھکا اور نہ تھکے گا۔"

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 29)

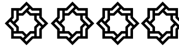
پس یہ اس سلسلہ کا وہ آخری ہزار سال ہے جس میں خدا تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق آپ کے روحانی فرزند اور غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خاتم الخلفاء کے طور پر مبعوث فرمایا۔ آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے یہی مستنبط ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے چونکہ یہ آخری ہزار سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ قائم ہونے والی خلافت احمدیہ حقہ اسلامیہ کا دور ہے۔ اس لئے اگر کسی وقت دنیا کی اصلاح کیلئے کسی مصلح کی ضرورت پڑی تو اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی کے متبعین میں سے کسی ایسے شخص کو دنیا کی اصلاح کیلئے کھڑا کرے گا جو وقت کا خلیفہ ہو گا لیکن خلیفہ سے بڑھ کر آپ کا مثیل اور مصلح ہونے کا مقام بھی اسے عطا ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی جانے والی بشارتوں کے عین مطابق حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس مقام پر فائز فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس موعود خلافت کے مقام کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پھر صرف خلافت کا سوال نہیں بلکہ ایسی خلافت کا سوال ہے جو موعود خلافت ہے۔ الہام اور وحی سے قائم ہونے والی خلافت کا سوال ہے۔ ایک خلافت تو یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ لوگوں سے خلیفہ منتخب کراتا ہے اور پھر اسے قبول کر لیتا ہے مگر یہ ویسی خلافت نہیں۔ یعنی میں اس لئے خلیفہ نہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے دوسرے دن جماعت احمدیہ کے لوگوں نے جمع ہو کر میری خلافت پر اتفاق کیا بلکہ اس لئے بھی خلیفہ ہوں کہ خلیفہ اوّل کی خلافت سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کے الہام سے فرمایا تھا کہ میں خلیفہ ہوں گا۔ پس میں خلیفہ نہیں بلکہ موعود خلیفہ ہوں۔ میں مامور نہیں مگر میری آواز خدا تعالیٰ کی آواز ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے ذریعہ اس کی خبر دی تھی۔ گویا اس خلافت کا مقام ماموریت اور خلافت کے درمیان کا مقام ہے اور یہ موقع ایسا نہیں ہے کہ جماعت احمدیہ اسے رائیگاں جانے دے اور پھر خدا تعالیٰ کے حضور سُرخرو ہو جائے۔ جس طرح یہ بات درست ہے کہ نبی روز روز نہیں آتے اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ موعود خلیفے بھی روز روز نہیں آتے۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت 1936ء، خطابات شوریٰ جلد دوم صفحہ 18)

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 17 فروری 2023ء)



بنیادی مسائل کے جوابات
نمبر48

سوال:۔ کینیڈا سے ایک دوست نے قرآنی آیت وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۶﴾ یعنی جب وہ صاحبِ اختیار ہو جائے تو زمین میں دوڑا پھرتا ہے تاکہ اس میں فساد کرے اور فصل اور نسل کو ہلاک کرے جبکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرہ:206) سے حرث و نسل کی تباہی سے مراد DNA اور RNA میں چھیڑ چھاڑ کرنے کے نتیجہ میں انسانوں میں ہونے والی جسمانی، ذہنی اور ایمانی تبدیلی کی کوشش کے معانی اخذ کر کے اس بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے راہنمائی چاہی۔ جس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 24/نومبر 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق قرآن کریم قیامت تک کیلئے بنی نوع انسان کی ہدایت اور راہنمائی کیلئے نازل کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (سورۃ الحجر:22) یعنی ہمارے پاس ہر چیز کے (غیر محدود) خزانے ہیں۔ لیکن ہم اسے (ہر زمانہ میں اس کی ضرورت کے مطابق) ایک معین اندازہ کے مطابق نازل کرتے ہیں۔

سائنسی نقطۂ نظر سے آپ نے اس آیت کے جو معانی بیان کئے ہیں، وہ ٹھیک ہیں۔ ان میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ DNA میں چھیڑ چھاڑ کے نتیجہ میں انسانی تباہی کے مضمون کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی بعض مواقع پر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ حضور رحمہ اللہ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''الہام، عقل، علم اور سچائی'' میں بھی جینیاتی انجینیرنگ کے عنوان کے تحت انسانی تخلیق میں اس قسم کی منفی چھیڑ چھاڑ کی کوشش کے بارہ میں دنیا کے سائنسدانوں اور حکومتوں کو انتباہ فرمایا ہے۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اپنے وقتوں میں اس آیت کی جو نہایت بصیرت افروز تفاسیر فرمائی ہوئی ہیں، ان میں بھی اس قسم کی منفی انسانی تدابیر اختیار کرنے کے بارہ میں انذار فرمایا گیاہے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

”ایسے لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں بادشاہت مل جاتی ہے یعنی وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ طاقتوں سے کام لے کر حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ رعایا اور ملک کی خدمت کریں بجائے اس کے کہ لوگوں کے دلوں میں سکینت اور اطمینان پیدا کریں وہ ایسی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیتے ہیں جن سے قومیں قوموں سے، قبیلے قبیلوں سے اور ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے مذہب کے ماننے والوں سے لڑنے جھگڑنے لگ جاتے ہیں اور ملک میں طوائف الملوکی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وہ ایسے طریق اختیار کرتے ہیں جن سے ملک کی تمدنی اور اخلاقی حالت تباہ ہو جاتی ہے اور آئندہ نسلیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ حرث کے لغوی معنے تو کھیتی کے ہیں مگر یہاں حرث کا لفظ استعارۃً وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جتنے ذرائع ملک کی تمدنی حالت کو بہتر بنانے والے ہوتے ہیں ان ذرائع کو اختیار کرنے کی بجائے وہ ایسے قوانین بناتے ہیں جن سے تمدن تباہ ہو۔ اقتصاد برباد ہو۔ مالی حالت میں ترقی نہ ہو۔ اس طرح وہ نسلِ انسانی کی ترقی پر تبر رکھ دیتے ہیں اور ایسے قوانین بناتے ہیں جن سے آئندہ پیدا ہونے والی نسلیں اپنی طاقتوں کو کھو بیٹھتی ہیں اور ایسی تعلیمات جن کو سیکھ کر وہ ترقی کر سکتی ہیں ان سے محروم ہو جاتی ہیں۔“

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 453-454)

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے خطبات جمعہ مؤرخہ 28/ جولائی 1972ء اور 11/ اگست 1972ء میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 206 کی تشریح میں انسان کو عطاء ہونے والی خداداد استعدادوں اور طاقتوں کے غلط اور مفسدانہ استعمال کو نوع انسانی کیلئے مضر قرار دیتے ہوئے اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بنی نوع انسان کو متنبہ فرمایا ہے۔ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں خطبات ”خطبات ناصر“ جلد چہارم میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ وہاں سے ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

سوال:۔ امریکہ سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ انسان کو کس حد تک اسلام، قرآن کریم اور جماعت کے بارہ میں سوال اٹھانے کی اجازت ہے۔ مزید یہ کہ میں نے اپنے مربی صاحب سے اسلام سے قبل سود کی حرمت کے بارہ میں، نیز حج کے موقعہ پر عورتوں اور مردوں کے اکٹھے نماز پڑھنے کے بارہ میں سوال کیا لیکن مربی صاحب نے ان سوالوں کا تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ اسی طرح اس دوست نے لجنہ کی حضور انور کے ساتھ ایک ملاقات میں ایک سوال پر حضور انور کے جواب کہ "مذہب کے معاملہ میں کیوں اور کس لئے کا سوال نہیں ہے۔" کا بھی ذکر کر کے اس بارہ میں حضور انور سے راہنمائی چاہی ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 26/نومبر 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل تفصیلی ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب:۔ اسلام نے زیادتیٔ علم کیلئے سوال کرنے کی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(النحل:44)

یعنی اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔

لیکن کج بحثی کی خاطر لغو، بیہودہ اور بے ادبی والے سوال کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المائدہ:102) یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو وہ تمہیں تکلیف میں ڈال دیں۔ اسی طرح فرمایا۔ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ (البقرہ :109) یعنی کیا تم اپنے رسول سے اسی طرح سوال کرنا چاہتے ہو جس طرح (اس سے) پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے تھے۔

چنانچہ صحابۂ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سوال کرنے کے بارہ میں بہت زیادہ محتاط تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم خود سوال نہ کرتے بلکہ انتظار کرتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سوال پوچھے تا کہ ہم وہ باتیں سن کر اپنا علم بڑھالیں۔ پھر حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہؓ کی اس علمی تشنگی کو اس طرح

دور فرما دیتا کہ بعض اوقات حضرت جبرائیل کو انسان کی شکل میں بھیجتا اور وہ حضور سے سوال کرتے اور حضور ﷺ ان سوالوں کے جواب دیتے۔ جس سے صحابہ اپنی علمی پیاس بجھالیتے۔

(صحیح بخاری کتاب تفسیر القرآن بَاب قَوْلِهِ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سوال کرنے کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

"بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دل میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کو نکالتے نہیں اور پوچھتے نہیں۔ جس سے وہ اندر ہی اندر نشوونما پاتا رہتا ہے اور پھر اپنے شکوک اور شبہات کے انڈے بچے دیدیتا ہے اور روح کو تباہ کر دیتا ہے۔ ایسی کمزوری نفاق تک پہنچا دیتی ہے کہ جب کوئی امر سمجھ میں نہ آوے تو اسے پوچھا نہ جاوے اور خود ہی ایک رائے قائم کرلی جاوے۔ میں اس کو داخل ادب نہیں کرتا کہ انسان اپنی روح کو ہلاک کرلے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر سوال کرنا بھی مناسب نہیں اس سے منع فرمایا گیا ہے۔"

(الحکم جلد 7 نمبر 13 مؤرخہ 10/اپریل 1903ء صفحہ 1)

پس سوال کرنا تو منع نہیں اور اگر کوئی بات سمجھ نہ آئے تو ضرور پوچھنی چاہئے لیکن ہر بات میں بحث اور تکرار کیلئے سوال در سوال کی عادت بنالینا بھی ٹھیک نہیں۔

پھر یہ بات بھی مدنظر رہنی چاہئے کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام اور اس کی طرف سے نازل ہونے والی تعلیمات پر مبنی کتاب ہے اور یہ حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کی حکمتوں اور اس کی گہرائیوں کو سمجھنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں انسانی کوششوں سے روز بروز نئی نئی تحقیقات سامنے آتی رہتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ تعلیمات اور اس کے احکامات کے نئے نئے پہلو اور حکمتیں بھی ہر زمانہ میں کھلتی رہتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (الحجر:22) یعنی ہمارے پاس ہر چیز کے (غیر محدود) خزانے ہیں۔ لیکن ہم اسے (ہر زمانہ میں اس کی ضرورت کے مطابق) ایک معین اندازہ کے مطابق نازل کرتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بات بھی سمجھادی کہ قرآن کریم چونکہ ایک دائمی کلام ہے اور اس میں قیامت تک کیلئے انسانوں کی فلاح، ہدایت اور راہنمائی کیلئے تعلیمات موجود ہیں، جن کا ہر زمانہ میں

حسب ضرورت استخراج ہوتا رہے گا۔ اس لئے ضروری نہیں کہ ایک وقت میں اس کی ساری باتیں کسی انسان کو سمجھ آجائیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایک کامل کتاب ہے جو نوع انسانی کو دی گئی ہے اور ہمیشہ کیلئے ان کی راہنمائی کرے گی۔ کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ انہیں قرآن کے علاوہ کسی اور ہدایت اور راہنمائی کی ضرورت پیش آئے۔ قرآن کریم نے آئندہ کی خبریں دی ہیں اور ہر صدی کے متعلق قرآن کریم میں پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں جو اپنے وقتوں پر ظاہر ہوتی ہیں...... اس کامل کتاب کے نزول پر اب قریباً چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ اس کا ماضی بھی عملاً یہ بتاتا ہے کہ مستقبل میں بھی خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ سے انسان کے ساتھ یہی سلوک کرے گا کہ نئی سے نئی باتیں قرآن کریم کی پیشگوئیوں کے مطابق ظہور میں آئیں گی اور پیشگوئیاں پوری ہوں گی، جب نئے مسائل پیدا ہوں گے قرآن کریم کی نئی تفسیر خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو سکھائے گا، اپنے مقربین اور اپنے محبوب بندوں کو اور پھر وہ ان مسائل کو حل کریں گے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم جولائی 1977ء خطبات ناصر جلد ہفتم صفحہ 113)

قرآن کریم ایک اور مقام پر اس بارہ میں اس طرح ہماری راہنمائی فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (آل عمران:8) یعنی وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری اُسی میں سے محکم آیات بھی ہیں، وہ کتاب کی ماں ہیں اور کچھ دوسری متشابہ (آیات) ہیں۔ پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ چاہتے ہوئے اور اس کی تاویل کی خاطر اُس میں سے اس کی پیروی کرتے ہیں جو باہم مشابہ ہے حالانکہ اللہ کے سوا اور اُن کے سوا جو علم میں پختہ ہیں کوئی اُس کی تاویل نہیں جانتا۔ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لے آئے، سب ہمارے ربّ کی طرف سے ہے اور عقلمندوں کے سوا کوئی نصیحت نہیں پکڑتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

”میرے نزدیک ہر شخص کیلئے کوئی حصہ کسی متکلم کے کلام کا محکم ہوتا ہے یعنی جو خوب طور سے سمجھ آجاتا ہے اور کوئی حصہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے معنے سمجھنے میں دقتیں پیش آتی ہیں اور بوجہ اس کے مجمل رکھنے کے کئی معنے ہوسکتے ہیں۔ ہر شخص پر یہ حالت گزرتی ہے۔ اللہ نے اس کے متعلق یہ راہ دکھائی ہے کہ جو آیات ایسی ہیں کہ جن کی خوب سمجھ آجائے اور تجربہ وعقل ومشاہدہ اس کے خلاف نہ ہو وہ تو محکم سمجھ لو۔ پھر وہ آیات جن کے معنے سمجھ میں نہیں آئے ان کے معنے ایسے نہ کرے جو ان محکم آیات کے خلاف ہوں...... خلاصہ یہ ہے کہ بعض آیات خوب سمجھ میں آجاتی ہیں اور بعض کے معنے جلد نہیں کھلتے۔ اس کیلئے ایک گر بتایا ہے...... فرماتا ہے جن کو یہ خواہش ہے کہ وہ راسخ فی العلم ہوجاویں وہ محکموں کو معاً مان لیتے اور متشابہ کا انکار نہیں کرتے بلکہ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا کہتے ہیں۔ یعنی دونوں پروردگار کی طرف سے مانتے ہیں۔ پس وہ متشابہ کے ایسے معنی نہیں کرتے جو محکم کے خلاف ہوں بلکہ ہر جگہ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا کا اصول پیش نظر رکھتے ہیں۔ کوئی آیت ہو اس کے خواہ کتنے معنے ہوں مگر ایسے معنے نہ کرنے چاہئیں جو محکم کے خلاف ہوں۔ دوسرا طریق دعا کا ہے وہ یوں بتایا کہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا یعنی اے ہمارے رب ہمیں کجی سے بچالے۔ یعنی قرآن کے معنے اپنی خواہشوں کے مطابق نہ کریں۔“

(حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 447-448)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

”قرآن عظیم میں مُتَشٰبِهٰتٌ بھی ہیں جو تاویل کی محتاج ہیں۔ ان مُتَشٰبِهٰتٌ کی بہت سی باتیں بعض استعارات کے پردہ میں محجوب ہیں اور اپنے اپنے وقت پر آکر کھلتی ہیں اور جیسا کہ میں نے شروع میں بتایا تھا یہ قرآن کریم کی عظمت ہے، بہت بڑی عظمت کہ وہ ایک ایسا کلام ہے جس نے قیامت تک کیلئے انسان کی بہتری کے سامان کر دیئے۔ ہر صدی کا، ہر زمانہ کا، ہر علاقہ کا، ہر ملک کا انسان قرآن کریم کا محتاج اور اس کی احتیاج سے وہ کبھی بھی آزاد نہیں ہوسکتا۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم جولائی 1977ء خطبات ناصر جلد ہفتم صفحہ 114-115)

پس مذکورہ بالا ارشادات سے ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ دینی معاملات میں سے اگر کوئی بات سمجھ نہ آئے اور کسی دوسرے کے جواب سے بھی تسلی نہ ملے تو ایسی صورت میں ایک تو قرآن و حدیث کی محکم صداقتوں پر خود غور و تدبر کر کے ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعا کرتے ہوئے اور اس کے آگے جھکتے ہوئے ان مسائل کے بارہ میں اسی سے راہنمائی طلب کرنی چاہیئے۔

باقی جہاں تک آپ کے سوالات کا تعلق ہے تو لجنہ اماء اللہ جرمنی کے ساتھ ملاقات میں جو میں نے سیکرٹری صاحبہ ناصرات کو ناصرات کی تربیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ کہا تھا کہ

''مذہب کے معاملہ میں کیوں اور کس لئے کا سوال نہیں ہے۔ ایمان بالغیب بچپن میں ہی ان کے ذہنوں میں ڈالنا چاہیے۔'' اس کا بھی یہی مطلب تھا کہ مذہب کے معاملہ میں بعض امور بڑے واضح ہوتے ہیں جو آسانی سے سمجھ آجاتے ہیں لیکن بعض امور کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لامحدود علم کی بناء پر ایمان بالغیب کے پردہ میں رکھا ہے، جن کی حقیقت کو سمجھنا یا ان کا احاطہ کرنا انسان کے بہت ہی محدود علم کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا مذہبی احکامات کے معاملہ میں جس طرح ہم آسانی سے سمجھ آجانے والے احکامات کی پابندی کرتے اور ان کو اپنی زندگیوں کا حصہ بناتے ہیں، اسی طرح ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ان احکامات کی بھی اسی طرح اطاعت کریں جن کا ایمان بالغیب کے ساتھ تعلق ہے اور ان کے بارہ میں بلا وجہ اپنے ذہنوں میں شکوک و شبہات کو جگہ نہ دیں۔

اسلام سے قبل سود کی حرمت نیز حج کے موقعہ پر مردوں اور عورتوں کا اکٹھے نماز وغیرہ پڑھنے کے بارہ میں آپ کے سوالات کا جواب یہ ہے کہ یہ بات درست ہے کہ اسلام سے پہلے یہود میں بھی سود کی ممانعت تھی۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہم نے یہود کے سود لینے کی وجہ سے جس سے انہیں روکا گیا تھا، ان پر وہ پاکیزہ چیزیں بھی حرام کر دیں جو اس سے پہلے ان کیلئے حلال کی گئی تھیں۔

(النساء:162)

عہد نامہ قدیم کی بہت سی کتابوں میں بھی سود کی ممانعت بیان ہوئی ہے۔ لیکن استثناء میں غیر اسرائیلی اور پردیسیوں سے سود لینے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا کہ ''تم اپنے بھائی سے سود

وصول نہ کرنا خواہ وہ روپوں پر، اناج پر یا کسی ایسی شے پر ہو جس پر سود لیا جاتا ہو۔ تم چاہو تو پردیسیوں سے سود وصول کرنا لیکن کسی اسرائیلی بھائی سے نہیں۔"

(استثناء 21-20/23)

قرآن کریم کے بیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر بھی سود کو حرام قرار دیا تھا لیکن انہوں نے بعد میں جس طرح خدا تعالیٰ کے دیگر احکامات میں اپنی مرضی سے تحریف کی اس حکم میں بھی تحریف کرتے ہوئے غیر یہود سے سود لینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے وہ عذاب الٰہی کے مورد ہوئے۔

اس کے مقابل پر اسلام میں جس طرح دیگر برائیوں کی بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ممانعت فرمائی گئی ہے، سود کے بارہ میں بھی قرآن کریم نے کھول کھول کر اس کی حرمت بیان فرمائی اور سودی لین دین کی قباحتوں کو ہر پہلو سے بیان کرتے ہوئے اسے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ قرار دیا اور مسلمانوں کو اس سے کلیۃً اجتناب کرنے کی ہدایت فرمائی۔ پھر آنحضور ﷺ نے بھی مختلف مواقع پر سود کی شناعت بیان فرمائی اور سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کی دستاویزات تیار کرنے والے اور اس کی گواہی دینے والے پر لعنت کی۔ (صحیح مسلم کتاب المساقاۃ بَاب لَعْنِ آكِلِ الرِّبَا وَمُؤْكِلِهِ) نیز اپنے معرکۃ الآراء خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر سود کی حرمت بیان کرتے ہوئے پرانے تمام سودی لین دین کے خاتمہ کا اعلان فرمایا۔

(سنن ابی داؤد کتاب البیوع بَاب فِي وَضْعِ الرِّبَا)

اسی طرح آپ ﷺ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی سودی لین دین کے گناہ کی سنگینی بیان کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سؤر کا کھانا بحالت اضطرار جائز رکھا ہے مگر سود کیلئے نہیں فرمایا کہ بحالت اضطرار جائز ہے۔

(اخبار بدر قادیان نمبر 5 جلد 7 مؤرخہ 6/ فروری 1908ء صفحہ 6)

خانہ کعبہ میں عورتوں اور مردوں کی نماز کیلئے الگ الگ جگہ مقرر ہوتی ہے۔ اوائل اسلام میں حضور ﷺ کے عہد مبارک میں بھی عورتیں مردوں سے الگ اس طرح نماز پڑھتی تھیں کہ ان کی صفیں

مسجد میں سب سے آخر پر ہوتی تھیں، ان کے آگے بچوں کی صف ہوتی اور پھر بچوں کے آگے مردوں کی صفیں ہوتی تھیں۔

اسی طرح خانہ کعبہ کے طواف کے وقت بھی اگرچہ مرد و خواتین طواف اکٹھا ہی کرتے تھے۔ لیکن عورتیں مردوں سے الگ رہتی تھیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب ابن ہشام (گورنر مکہ) نے عورتوں کو مردوں کے ساتھ طواف کرنے سے منع کیا تو عطاء بن ابی رباح نے اس سے کہا کہ تم انہیں کیسے روک سکتے ہو جب کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج نے مردوں کے ساتھ طواف کیا۔ (ابن جریج کہتے ہیں) میں نے (عطاء سے) پوچھا، یہ بات پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کی ہے یا پہلے کی؟ اس پر انہوں نے کہا کہ ہاں مجھے اپنے عقیدہ کی قسم، میں نے پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد ان کو اس طرح طواف کرتے دیکھا ہے۔ (ابن جریج کہتے ہیں) میں نے کہا عورتیں مردوں سے کیسے مل جل جاتی تھیں؟ انہوں نے کہا عورتیں ملتی جلتی نہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ لوگوں سے ایک طرف جدا طواف کرتیں، ان سے ملا جلا نہیں کرتی تھیں۔ ایک عورت نے ان سے کہا، ام المومنین چلیں حجر اسود کو بوسہ دیں۔ انہوں نے کہا تم جاؤ اور انکار کر دیا۔ عورتیں رات کو اس طرح باہر نکلتیں کہ پہچانی نہ جاتیں اور مردوں کے ساتھ طواف کرتیں۔ البتہ جب بیت اللہ میں داخل ہونے لگتیں تو باہر ٹھہر جاتیں اور مردوں کو باہر کر دیا جاتا تو وہ اندر جاتیں۔

(صحیح بخاری کتاب الحج بَاب طَوَافِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ)

علاوہ ازیں ابتداء میں شریعت نے حج اور عمرہ وغیرہ میں عورت کے ساتھ اس کے محرم کے ہونے کی جو شرط رکھی تھی، اس میں ایک حکمت یہ بھی نظر آتی ہے کہ حج اور عمرہ کے موقع پر جبکہ لوگوں کا بہت زیادہ ہجوم ہوتا ہے تو اس ہجوم میں عورت کا محرم اس کا ہاتھ وغیرہ پکڑ کر اسے دوسرے لوگوں سے اپنی پناہ میں رکھ سکتا ہے۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 24 فروری 2023ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

نمبر49

سوال: تیونس سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ قرآن کریم اور بائبل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی آنحضور ﷺ کی طرح حجاز کے علاقہ مکہ اور مدینہ میں ہی بعثت ہوئی تھی۔ اس بارہ میں حضور کا کیا ارشاد ہے؟ حضوانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 24/ نومبر 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطاء فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: آپ نے اپنے موقف کے حق میں قرآن کریم کی بعض آیات سے جو استدلال کرنے کی کوشش کی ہے وہ آپ کی ذوقی باتیں ہیں اور ان کا تاریخ سے اس طرح ثبوت نہیں ملتا۔ نیز آپ نے بعض تاریخی واقعات کو آپس میں ملا جلا دیا ہے۔

وادی کے لفظ سے آپ کو کنفیوژن پیدا ہوئی ہے اور آپ نے اس سے مراد صرف مکہ اور حدیبیہ کی وادی ہی لیا ہے اور سورۃ القصص میں مذکور مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ میں بھی آپ کے نزدیک مکہ کی وادی ہی مراد ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں یہ لفظ کئی اور مقامات کیلئے بھی استعمال ہوا ہے اور سورۃ القصص کی آیت مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ میں مذکور مقام کا تعلق حضرت موسیٰ کے اُس واقعہ سے ہے جب آپ اپنے سسر سے کئے گئے معاہدہ کی تکمیل کے بعد اپنے اہل کے ساتھ مدین سے کسی دوسری جگہ تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے ہمکلام ہو کر آپ کو رسالت کے مقام پر فائز فرمایا اور آپ کو فرعون کی طرف مصر جانے کا حکم دیا۔

پھر صلح حدیبیہ کے واقعہ سے آپ نے جو استدلال کیا ہے، وہ بھی درست نہیں کیونکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر تو حضور ﷺ مکہ میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ کفار مکہ سے ہونے والے معاہدہ کے مطابق حضور ﷺ حدیبیہ سے ہی واپس مدینہ آگئے تھے اور حسب معاہدہ اس سے اگلے سال

آپ ﷺ عمرہ کیلئے مکہ تشریف لے گئے تھے۔ہاں یہ بات درست ہے کہ اس سفر میں فتح مکہ کی بنیاد پڑ گئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے بعد واپسی کے سفر میں حضور ﷺ کو سورۃ الفتح کے نزول کے ساتھ مکہ کی فتح کی بشارت عطاء فرمائی تھی اور صلح حدیبیہ کو فتح مبین بھی قرار دیا تھا۔

پھر وادیٔ کنعان اور وادیٔ مکہ ایک کیسے ہو سکتی ہیں؟ یہ ٹھیک ہے کہ وادی کنعان کو بھی قرآن کریم نے ارض مقدسہ ہی کہا ہے۔ لیکن یہاں تو حضرت موسیٰ کے ساتھیوں نے داخل ہونے سے انکار کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر اس قوم کو چالیس سال تک اس ارض مقدمہ سے محروم کر دیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے متبعین کی نافرمانی کی وجہ سے اس نعمت سے محروم رہے۔ لیکن اس کے مقابلہ پر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک طرف بخار اور دیگر وبائی بیماریوں والی بستی یثرب کو مدینۃ الرسول کے نام سے نئے نظم و نسق کے ساتھ آباد کرنے کی توفیق عطاء فرمائی اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی آمد کی برکت سے اس کی بخار اور وبائی بیماریوں والی مسموم فضاء کو خوش گوار آب و ہوا میں تبدیل فرما دیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دس ہزار جانثار اور نہایت فرمانبردار قدسیوں کے جلو میں ایک عظیم فاتح کے طور پر مکہ کی ارض مقدسہ میں داخل فرمایا۔ پس ان غیر معمولی برکات و فیوض الٰہیہ سے معمور ارض مقدسہ المکۃ المکرمہ کا کنعان کی بستی سے کیا موازنہ ہو سکتا ہے اور ہم ان دونوں مقامات کو ایک کیسے قرار دے سکتے ہیں؟

آپ نے اپنے خط میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے وادیٔ کنعان میں داخل ہونے سے انکار کرنے اور صحابہ ٔرسول ﷺ کے حضور کی خدمت میں عرض کرنے کہ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تو اور تیرا رب جا کے لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے، کے واقعہ کو صلح حدیبیہ کے موقع کا لکھا ہے جبکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے۔

پس جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ یہ سب آپ کی ذوقی باتیں ہیں جن میں سے اکثر کی تاریخی لحاظ سے کوئی مطابقت نہیں ٹھہرتی۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ قرآن کریم کی ایسی تفسیر اور تشریح نہیں کرنی چاہئے جو خود قرآنی تعلیم، قرآن کریم میں بیان تاریخی شواہد، سنت رسول ﷺ اور احادیث نبویہ میں بیان تعلیمات کے خلاف ہو۔

سوال: پاکستان سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ نماز فجر کی اذان اور اقامت کے درمیان کتنا وقفہ ہوتا ہے؟ نیز یہ کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جتنا وقت سورۃ البقرہ کی تلاوت میں لگتا ہے اتنا وقت اذان اور اقامت کے درمیان ہونا چاہئے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14/ دسمبر 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: میرے علم میں تو صحیح بخاری کی کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس میں یہ ذکر ہو کہ نماز فجر کی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ ہونا چاہئے جتنا وقت سورۃ البقرہ کی تلاوت کرنے میں لگتا ہے۔ آپ نے بخاری کی جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ مجھے پہلے بھجوائیں پھر اس بارہ میں کوئی وضاحت کی جاسکتی ہے۔

باقی ہم یہاں مسجد مبارک میں طلوع صبح صادق (اذان فجر) سے نماز تک موسم کے اعتبار سے مختلف وقتوں میں 25 سے 40 منٹ تک کا وقفہ رکھتے ہیں اور فجر کی اذان کا وقت عموماً طلوع آفتاب سے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے ایک گھنٹہ تیس منٹ پہلے ہوتا ہے اور ساری دنیا کے معتدل علاقوں میں عموماً یہی اصول چلتا ہے۔

اِس زمانہ میں سائنس کی ترقی اور جدید آلات کی ایجاد کی وجہ سے طلوع فجر، زوال آفتاب اور طلوع وغروب آفتاب کے بالکل معین اوقات کا علم ہو جاتا ہے جو پرانے زمانہ میں ممکن نہیں تھا۔

اسلام نے نمازوں کیلئے صرف ایک معین وقت کا Hard and fast اصول مقرر نہیں فرمایا بلکہ اپنے متبعین کی سہولت کیلئے تمام نمازوں کیلئے ایک دورانیہ مقرر فرمادیا کہ فلاں سے فلاں وقت تک یہ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ تاکہ لوگ اپنی سہولت کے مطابق ان اوقات کے دوران نماز باجماعت کے وقت مقرر کر سکیں۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نماز کا ایک اوّل وقت ہے اور ایک آخری وقت۔ ظہر کی نماز کا اوّل وقت سورج کا ڈھلنا ہے اور آخری وقت جب عصر کا وقت شروع ہو جائے اور عصر کا اوّل وقت جب یہ وقت شروع ہو جائے اور آخری وقت جب سورج زرد ہو

جائے۔ مغرب کا اوّل وقت غروب آفتاب پر ہے اور آخری وقت شفق کا غائب ہونا ہے اور عشاء کا اوّل وقت شفق کے غائب ہونے پر اور آخری وقت آدھی رات تک ہے اور فجر کا اوّل وقت صبح صادق کے طلوع ہونے پر ہے اور آخری وقت سورج کا طلوع ہونا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاۃ بَاب مَا جَاءَ فِي مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ)

اسی طرح سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپؐ سے نمازوں کا وقت دریافت کیا۔ حضور ﷺ نے اسے فرمایا کہ تم دو دن ہمارے پاس رہو۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا اور انہوں نے طلوع فجر کے ساتھ تکبیر کہی اور حضور ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی۔ پھر جب سورج ڈھل گیا تو آپؐ نے حضرت بلال کو تکبیر کہنے کا حکم دیا اور پھر آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر ان کو اس وقت حکم دیا جس وقت سورج سفید تھا اور عصر کی نماز ادا فرمائی۔ پھر سورج غروب ہونے پر انہیں حکم دیا اور نماز مغرب ادا فرمائی۔ پھر جس وقت شفق غروب ہو گیا ان کو حکم دیا اور نماز عشاء ادا فرمائی۔ پھر دوسرے دن ان کو حکم دیا اور نماز فجر روشنی میں ادا فرمائی اور نماز ظہر خوب ٹھنڈے وقت میں ادا فرمائی۔ پھر آپؐ نے نماز عصر ادا فرمائی جبکہ سورج کی سفیدی موجود تھی لیکن پہلے روز سے تاخیر فرمائی۔ پھر شفق غروب ہونے سے قبل نماز مغرب ادا فرمائی۔ پھر جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا تو آپؐ نے حضرت بلال کو حکم دیا تو انہوں نے نماز عشاء کی تکبیر کہی اور آپؐ نے نماز عشاء ادا فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ نے نمازوں کا وقت دریافت کرنے والے کے بارہ میں پوچھا اور اسے فرمایا کہ تمہاری نمازوں کے وقت ان وقتوں کے درمیان کے ہیں جو تم نے دیکھے ہیں۔

(سنن نسائی کتاب المواقیت باب أَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ)

نماز فجر کے وقت کے بارہ میں احادیث صحیحہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ عموماً طلوع فجر کے اتنے وقت بعد فجر کی نماز پڑھاتے تھے جس وقت میں ایک انسان پچاس ساٹھ آیتیں پڑھ لیتا ہے اور پھر حضور ﷺ نماز فجر میں عموماً ساٹھ سے سو آیتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور جب نماز سے فارغ ہوتے تو ابھی اتنا اندھیرا ہوتا تھا کہ قریب موجود انسان تو پہچانا جاتا تھا لیکن دور کا انسان نہیں پہچانا جاتا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ بَاب وقت العصر۔ باب وَقْتِ الْفَجْرِ)

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ نطفہ میں جو Lactobacillus نامی بیکٹیریا پایا جاتا ہے، جو ایک قسم کی بجلی یا روشنی بھی پیدا کر سکتا ہے تو کیا یہی وہ بجلی یا روشنی ہے جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انسانی پیدائش کے سلسلہ میں اسلامی اصول کی فلاسفی میں فرمایا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14/دسمبر 2021ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: آپ کی بات اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ Lactobacillus نامی بیکٹیریا نطفہ میں موجود ہوتے ہیں، جو Contaminant کے طور پر نطفہ میں پائے جاتے ہیں، ان میں سے بعض میں بہت چھوٹے پیمانہ پر بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ لیکن یہ بیکٹیریا تو بہت سی اور چیزوں مثلاً دہی، وٹامنز، Herbs وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جسم میں بہت سے اور بیکٹیریا بھی ہیں جن میں کسی حد تک بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے جیسا کہ Probiotic microorganisms نامی پیٹ کے بیکٹیریا جو کھانا ہضم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہ بجلی بھی الیکٹرون کی Movement سے پیدا ہوتی ہے۔ جو کہ ایک مادی چیز ہے۔

جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انسانی پیدائش میں روح کے نمودار ہونے کا جہاں ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسانی تعلق کا مقصد اور فلسفہ بیان فرمایا ہے وہاں دراصل اس فطرت کو بیان فرمایا ہے جو انسانی جبلت میں مضمر ہوتی ہے اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم:31) یعنی یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا، کے الفاظ میں اور آنحضور ﷺ نے مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز بَاب إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ) یعنی ہر بچہ فطرت صحیحہ پر ہی پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں، کے الفاظ میں ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جس طرح بیٹے میں باپ اور ماں کا کچھ کچھ حلیہ اور خوبُو پائی جاتی ہے اسی طرح روحیں جو خدائے تعالیٰ کے ہاتھ سے نکلی ہیں اپنے صانع کی سیرت و خصلت سے اجمالی طور پر کچھ حصہ رکھتی ہیں

اگرچہ مخلوقیت کی ظلمت و غفلت غالب ہو جانے کی وجہ سے بعض نفوس میں وہ رنگ الٰہی کچھ پھیکا سا ہو جاتا ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر یک روح کسی قدر وہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہے اور پھر بعض نفوس میں وہ رنگ بد استعمالی کی وجہ سے بد نما معلوم ہوتا ہے مگر یہ اس رنگ کا قصور نہیں بلکہ طریقہ استعمال کا قصور ہے۔"

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 168-169)

روح کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"روح ایک لطیف نور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو رحم میں پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اوّل مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے پھر نمایاں ہو جاتا ہے اور ابتداءً اس کا خمیر نطفہ میں موجود ہوتا ہے۔ بے شک وہ آسمانی خدا کے ارادہ سے اور اس کے اذن اور اس کی مشیت سے ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتھ نطفہ سے تعلق رکھتا ہے اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نوارنی جوہر ہے۔ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی جز ہے جیسا کہ جسم جسم کی جز ہوتا ہے مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے بلکہ وہ ایسا نطفہ میں مخفی ہوتا ہے جیسا کہ آگ پتھر کے اندر ہوتی ہے۔ خدا کی کتاب کا یہ منشا نہیں ہے کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پھر کسی اتفاق سے نطفہ کے ساتھ مل کر رحم کے اندر چلی جاتی ہے۔ بلکہ یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر ہم ایسا خیال کریں تو قانون قدرت ہمیں باطل پر ٹھہراتا ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 322-323)

روح اور جسم کا تعلق بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"روح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہیں۔ اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت پر یہ دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی ماں جسم ہی ہے۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ میں روح کبھی اوپر سے نہیں گرتی بلکہ وہ ایک نور ہے جو نطفہ میں ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کی نشوونما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 321)

حضور علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

”خدا نے آدم میں اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اپنی روح پھونک کر اس کی فطرت کو اپنے ساتھ ایک تعلق قائم کر دیا۔ سو یہ اس لئے کیا گیا کہ تا انسان کو فطرتاً خدا سے ایک تعلق پیدا ہو جاوے۔“

(ریویو آف ریلیجنز جلد 1 نمبر 5/ مئی 1902ء صفحہ 178)

انسان میں روحانی اور جسمانی طور پر روح کے ڈالے جانے کی بابت حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب ہم ایک پیدائش کو طیار کر چکے تو بعد اس کے ہم نے ایک اور پیدائش سے انسان کو پیدا کیا۔ اَور کے لفظ سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ وہ ایسی فوق الفہم پیدائش ہے جس کا سمجھنا انسان کی عقل سے بالاتر ہے اور اُس کے فہم سے بہت دور یعنی روح جو قالب کی طیاری کے بعد جسم میں ڈالی جاتی ہے وہ ہم نے انسان میں روحانی اور جسمانی دونوں طور پر ڈال دی جو مجہول الکنہ ہے اور جس کی نسبت تمام فلسفی اور اس مادی دنیا کے تمام مقلد حیران ہیں کہ وہ کیا چیز ہے...... پس اللہ تعالیٰ اس جگہ فرماتا ہے کہ ”روح“ بھی خدا کی پیدائش ہے مگر دنیا کے فہم سے بالاتر ہے۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 216-217)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ روح کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اصل میں روح وہ چیز ہے جس کے ذریعہ کسی کو حیات ممتاز ملے۔ پس وہ روح جو حیوان کو باقی چیزوں سے ممتاز کر رہی ہے اور وہ روح جس کے ساتھ انسان باقی حیوانوں سے ممتاز ہوتا ہے ان دونوں پر لفظ روح کا اطلاق ہوتا ہے۔ یا وہ روح جو انسان کو باخدا بنا دیتی ہے۔ پس کلام الٰہی بھی ایک روح ہے جو انسان کو نئی زندگی بخشتا ہے۔“

(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ 72)

پس ان حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی جسمانی اور روحانی پیدائش کے وقت انسانی قالب کی تیاری پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والی روح بالکل الگ چیز ہے اور مختلف بیکٹیریا میں پائی جانے والی بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت بالکل اور چیز ہے۔

سوال: عید الاضحیہ کی قربانی کتنے دنوں تک ہو سکتی ہے؟ اس سوال کے بارہ میں دارالافتاء سے جاری ہونے والے ایک فتویٰ کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21؍مارچ 2022ء میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: عید الاضحیہ کی قربانی کتنے دنوں تک ہو سکتی ہے، اس بارہ میں تو آپ کا فتویٰ ٹھیک ہے اور میرا بھی یہی موقف ہے کہ عام حالات میں قربانی تین دن تک ہی ہو سکتی ہے لیکن اگر کوئی مجبوری ہو تو اس کے بعد بھی قربانی کی جا سکتی ہے۔

باقی مجھے تو آپ کے اُس استدلال پر اعتراض تھا جو آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے کیا تھا۔ میرے نزدیک تو اس ارشاد میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ بھی یہی بیان فرما رہے ہیں کہ قربانی تین دنوں تک ہی ہو سکتی ہے اور حضور کا یہ ارشاد عمومی حالات کیلئے ہے۔

(نوٹ از مرتب) حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مذکورہ بالا مکتوب میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے جس ارشاد کا ذکر فرمایا ہے، وہ درج ذیل ہے:

"آنحضرت ﷺ کا طریق یہ تھا کہ عید کا خطبہ زیادہ لمبا نہیں کیا کرتے تھے اور اس کے بعد جلد قربانی کیلئے گھر روانہ ہو جایا کرتے تھے۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ آپؐ اس وقت تک روزہ رکھتے تھے جب تک خود اپنی قربانی کے گوشت سے وہ روزہ نہ کھولیں اور اس سنت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ دستور بنا لیا ہے کہ عید کے دن ضرور روزہ رکھتے ہیں اور جب تک فارغ نہ ہوں وہ کچھ نہیں کھاتے لیکن مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ کچھ پہلے کھانا حرام ہو جاتا ہے مگر سنت کا مضمون یہ ہے کہ جس نے قربانی کرنی ہو، جس دن قربانی کرنی ہو، اس دن وہ قربانی کے گوشت کے حاصل ہونے سے پہلے روزہ رکھے۔ قربانی تو تین دن چلتی ہے۔ تو اگر یہ غلط مضمون سمجھا گیا تو اس کا مطلب یہ بنے گا کہ بعض لوگ جنہوں نے چوتھے دن قربانی کرنی ہے وہ چار دن بھوکے رہیں۔"

(خطبات طاہر (عیدین) صفحہ 655 خطبہ عید الاضحیہ مؤرخہ 28؍مارچ 1999ء)

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 03 مارچ 2023ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

نمبر 50

سوال:۔ لندن سے ایک خاتون نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک خطبہ جمعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کی روشنی میں تیسری جنگ عظیم کے متعلق بیان تنبیہہ کے حوالہ سے اس جنگ کے بارہ میں مزید شواہد دریافت کئے۔ نیز لکھا کہ غیر از جماعت لوگ جنّوں بھوتوں پر یقین رکھتے ہیں، انہیں جنّوں کی حقیقت کیسے سمجھائی جاسکتی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 17 دسمبر 2021ء میں ان سوالات کے درج ذیل جواب عطاء فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مختلف رویاءو کشوف اور الہامات کے ذریعہ دنیا پر آنے والی جن بڑی بڑی آفات اور زلزلوں کی خبر دی ہے ان میں پانچ ہولناک تباہیوں کا خاص طور پر ذکر ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”پانچ زلزلوں کے آنے کی نسبت خدا تعالیٰ کی پیشگوئی جس کے الفاظ یہ ہیں ”چمک دکھلاؤں گا تم کو اِس نشان کی پنج بار“۔ اِس وحی الٰہی کا یہ مطلب ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ محض اس عاجز کی سچائی پر گواہی دینے کیلئے اور محض اس غرض سے کہ تا لوگ سمجھ لیں کہ میں اُس کی طرف سے ہوں پانچ دہشت ناک زلزلے ایک دوسرے کے بعد کچھ کچھ فاصلہ سے آئیں گے تا وہ میری سچائی کی گواہی دیں اور ہر ایک میں اُن میں سے ایک ایسی چمک ہوگی کہ اس کے دیکھنے سے خدا یاد آجائے گا اور دلوں پر اُن کا ایک خوفناک اثر پڑے گا اور وہ اپنی قوت اور شدت اور نقصان رسانی میں غیر معمولی ہوں گے جن کے دیکھنے سے انسانوں کے ہوش جاتے رہیں گے۔“

(تجلیات الٰہیہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 395)

ان آفات کی ہولناکی اور شدت بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے ایسا ہی یورپ میں بھی آئے اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئیں گے اور بعض اُن میں قیامت کا نمونہ ہوں گے اور اس قدر موت ہو گی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہوں گے اور زمین پر اس قدر سخت تباہی آئے گی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہو گی اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے کہ گویا اُن میں کبھی آبادی نہ تھی اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین اور آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہوں گی...... کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم اِن زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہر گز نہیں۔ انسانی کاموں کا اُس دن خاتمہ ہو گا یہ مت خیال کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک اُن سے محفوظ ہے میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید اُن سے زیادہ مصیبت کا منہ دیکھو گے۔ اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔“

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد22 صفحہ 268،269)

ان انذاری پیشگوئیوں میں زلزلہ کے الفاظ سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ آفات صرف زلزلہ کی صورت میں ہی دنیا پر نازل ہوں گی۔ بلکہ ان سے مراد زلزلوں ہی کی طرح تباہی پھیلانے والی کوئی اور آفات بھی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”خدا تعالیٰ کے کلام میں استعارات بھی ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل:73) لہٰذا ممکن تھا کہ زلزلہ سے مراد اور کوئی عظیم الشان آفت ہوتی جو پورے طور پر زلزلہ کا رنگ اپنے اندر رکھتی۔ مگر ظاہر عبارت بہ نسبت تاویل کے زیادہ حق رکھتی ہے پس دراصل اس پیشگوئی کا حلقہ وسیع تھا لیکن خدا تعالیٰ نے دشمنوں کا منہ کالا کرنے کیلئے ظاہر الفاظ کی رو سے بھی اس کو پورا کر دیا اور ممکن ہے کہ بعد اس کے بعض حصے اس پیشگوئی کے کسی اور رنگ میں بھی ظاہر ہوں لیکن بہر حال وہ امر خارقِ عادت ہو گا جس کی نسبت یہ پیشگوئی ہے...... پس یہ

پیشگوئی بلا شبہ اوّل درجہ کی خارق عادت امر کی خبر دیتی ہے اور ممکن ہے کہ اس کے بعد بھی کچھ ایسے حوادث مختلف اسبابِ طبعیہ سے ظاہر ہوں جو ایسی تباہیوں کے موجب ہو جائیں جو خارقِ عادت ہوں پس اگر اس پیشگوئی کے کسی حصہ میں زلزلہ کا ذکر بھی نہ ہوتا تب بھی یہ عظیم الشان نشان تھا کیونکہ مقصود تو اس پیشگوئی میں ایک خارقِ عادت تباہی مکانوں اور جگہوں کی ہے جو بے مثل ہے زلزلہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 161)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام کو بتائی جانے والی ان غیب کی خبروں کے عین مطابق دنیا دو عالمی جنگوں، طاعون کی وبا اور دنیا کے اکثر حصوں میں آنے والے غیر معمولی زلزلوں کی صورت میں چار نشانوں کے پورا ہونے کا ایک مرتبہ مشاہدہ کر چکی ہے، جن میں انسانی اور حیوانی جانوں، چرند پرند اور عمارتوں کا غیر معمولی نقصان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خاص طور پر پانچ نشانوں کے ظاہر ہونے کی خبر دی تھی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ پانچواں نشان کس صورت میں ظاہر ہوتا ہے، کسی غیر معمولی زلزلہ کی شکل میں یا کسی عالمی وبا کی صورت میں یا تیسری عالمی جنگ کے طور پر دنیا پر تباہی لے کر آتا ہے۔ لیکن یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اگر دنیا نے عقل نہ کی اور اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع نہ کیا تو جس طرح پہلے چار نشان پورے ہوئے ہیں، یہ پانچواں نشان بھی پورا ہو گا اور اس کے بعد جیسا کہ ان پیشگوئیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اسلام کو ان شاء اللہ غیر معمولی غلبہ نصیب ہو گا۔ اسی مضمون کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے 1967ء کے دورہ یورپ کے دوران حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذکورہ بالا پیشگوئی کی روشنی میں بیان فرمایا تھا، جس کا آپ نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حضورؒ نے فرمایا:۔

"حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اسلام کی صداقت کے ثبوت کے طور پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں نشانات دنیا کے سامنے پیش کئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر پانچ عظیم تباہیوں کے بارے میں پیشگوئی فرمائی۔ دو پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی صورت میں عظیم الشان طور پر پوری ہوئیں۔ تیسری ہولناک تباہی کے مہیب آثار آسمان پر ہویدا ہیں جس کے اثرات نہایت ہی خوفناک

اور تباہ کن ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ خبر بھی دی کہ اس تیسری تباہی کے ساتھ غلبۂ اسلام کا زمانہ بھی وابستہ ہے۔

اس تباہی سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انسان سچے راستے کو اختیار کرے اور وہ راستہ اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قہر عنقریب اس دنیا پر نازل ہونے والا ہے۔ تباہی کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ آؤ! اور استغفار کے آنسوؤں سے اس آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں کو سرد کرو۔ آؤ! اور محمد رسول اللہ ﷺ کے رحم و کرم کے ٹھنڈے سائے تلے پناہ حاصل کرلو۔ اٹھو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک زندہ تعلق قائم کرو۔ آؤ! اگر تم اس بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو۔"

(خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ 11 اگست 1967ء خطبات ناصر جلد اوّل صفحہ 808)

باقی جہاں تک جنّوں اور بھوتوں کے تصور کی بات ہے تو غیر از جماعت لوگوں میں جنّوں اور بھوتوں کے بارہ میں جو تصور پایا جاتا ہے، قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ قرآن کریم اور احادیث میں جنّ کا لفظ کثرت کے ساتھ اور مختلف معنوں میں آیا ہے اور ہر جگہ سیاق و سباق کے مطابق اس لفظ کے معانی ہوں گے۔

جنّ کے بنیادی معنی مخفی رہنے والی چیز کے ہیں۔ جو خواہ اپنی بناوٹ کی وجہ سے مخفی ہو یا اپنی عادات کے طور پر مخفی ہو اور یہ لفظ مختلف صیغوں اور مشتقات میں منتقل ہو کر بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور ان سب معنوں میں مخفی اور پس پردہ رہنے کا مفہوم مشترک طور پر پایا جاتا ہے۔

چنانچہ جنّ والے مادہ سے بننے والے مختلف الفاظ مثلاً جَنَّ سایہ کرنے اور اندھیرے کا پردہ ڈالنے، جنین ماں کے پیٹ میں مخفی بچہ، جنون وہ مرض جو عقل کو ڈھانک دے، جنان سینہ کے اندر چھپا دل، جَنَّۃ باغ جس کے درختوں کے گھنے سائے زمین کو ڈھانپ دیں، مَجَنَّۃ ڈھال جس کے پیچھے لڑنے والا اپنے آپ کو چھپالے، جانٌّ سانپ جو زمین میں چھپ کر رہتا ہو، جَنَن قبر جو مردے کو اپنے اندر چھپالے اور جُنَّۃ اوڑھنی جو سر اور بدن کو ڈھانپ لے کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

پھر جنّ کا لفظ باپردہ عورتوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ نیز ایسے بڑے بڑے رؤسا اور اکابر لوگوں کیلئے بھی بولا جاتا ہے جو عوام الناس سے اختلاط نہیں رکھتے۔ نیز ایسی قوموں کے لوگوں کیلئے بھی

استعمال ہوتا ہے جو جغرافیائی اعتبار سے دور دراز کے علاقوں میں رہتے اور دنیا کے دوسرے حصوں سے کٹے ہوئے ہیں۔

اسی طرح تاریکی میں رہنے والے جانوروں اور بہت باریک کیڑوں مکوڑوں اور جراثیم کیلئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے رات کو اپنے کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھنے کا ارشاد فرمایا اور ہڈیوں سے استنجا سے منع فرمایا اور اسے جنوں یعنی چونٹیوں، دیمک اور دیگر جراثیم کی خوراک قرار دیا۔

علاوہ ازیں جنّ کا لفظ مخفی ارواح خبیثہ یعنی شیطان اور مخفی ارواح طیبہ یعنی ملائکہ کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا مِنَّا الصّٰلِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذٰلِكَ (سورۃ الجن:12)

یعنی ہم میں سے کچھ نیک لوگ ہیں اور کچھ اس کے خلاف بھی ہیں۔

پس جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ ہر جگہ سیاق وسباق کے اعتبار سے اس لفظ کے معانی ہوں گے۔

جنّوں کے متعلق میرا ایک تفصیلی جواب الفضل انٹر نیشنل 25 جون 2021ء میں اردو میں اور الحکم 02 جولائی 2021ء میں انگریزی زبان میں شائع ہو چکا ہے، وہاں سے بھی اس بارہ میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

سوال:۔ جرمنی سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کیا کہ قرآن کریم میں حوروں کا جو ذکر ہے، غیر از جماعت لوگ اس کا غلط مطلب نکالتے ہیں۔ ان حوروں سے اصل میں کیا مراد ہے؟ اسی طرح انہوں نے پوچھا کہ شادی کے بعد عورت کیلئے خاوند کا نام اپنانا ضروری ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 دسمبر 2021ء میں ان سوالات کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:۔

جواب: جنت کی نعماء کے بارہ میں قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں جو امور بیان ہوئے ہیں وہ سب تمثیلی کلام ہے اور صرف ہمیں سمجھانے کیلئے ان چیزوں کی دنیاوی اشیاء کے ساتھ مماثلت

بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (الرعد:36) یعنی اس جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے (یہ ہے)۔

پھر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ (السجدہ:18) یعنی کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کیلئے ان کے اعمال کے بدلہ کے طور پر کیا کیا آنکھیں ٹھنڈی کرنے والی چیزیں چھپا کر رکھی گئی ہیں۔

اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا۔ یَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ ذُخْرًامِنْ بَلْهِ مَا أُطْلِعْتُمْ عَلَيْهِ (صحیح بخاری کتاب التفسیر) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے۔ وہ نعمتیں ایسا ذخیرہ ہیں کہ ان کے مقابل پر جو نعمتیں تمہیں معلوم ہیں ان کا کیا ذکر۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارہ میں فرماتے ہیں:۔

"خدا نے بہشت کی خوبیاں اس پیرایہ میں بیان کی ہیں جو عرب کے لوگوں کو چیزیں دل پسند تھیں وہی بیان کر دی ہیں تا اس طرح پر ان کے دل اس طرف مائل ہو جائیں اور دراصل وہ چیزیں اور ہیں یہی چیزیں نہیں۔ مگر ضرور تھا کہ ایسا بیان کیا جاتا تا کہ دل مائل کئے جائیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 424)

سورۃ السجدۃ کی مذکورہ بالا آیت کی وضاحت کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اس کیلئے مخفی ہیں۔ سو خدا نے ان تمام نعمتوں کو مخفی قرار دیا جن کا دنیا کی نعمتوں میں نمونہ نہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں ہیں اور دودھ اور انار اور انگور وغیرہ کو ہم جانتے ہیں اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اور ہیں اور ان کو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے۔ پس جس نے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا اس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 397، 398)

ان نعمتوں کے مخفی رکھنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

خدا کے چھپانے میں بھی ایک عظمت ہوتی ہے اور خدا کا چھپانا ایسا ہے جیسے کہ جنت کی نسبت فرمایافَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ (کہ کوئی جی نہیں جانتا کہ کیسی کیسی قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ان کیلئے پوشیدہ رکھی گئی ہے) دراصل چھپانے میں بھی ایک قسم کی عزت ہوتی ہے جیسے کھانا لایا جاتا ہے تو اس پر دستر خوان وغیرہ ہوتا ہے تو یہ ایک عزت کی علامت ہوتی ہے۔

(البدر نمبر 11، جلد 1، مؤرخہ 9 جنوری 1903ء صفحہ 86)

جنت کی حوروں کا معاملہ بھی تمثیلی کلام پر مبنی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے چار جگہوں پر حوروں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی دو جگہ (سورۃ الدخان اور سورۃ الطور) میں فرمایا کہ ہم جنتیوں کو بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں باندھ دیں گے اور باقی دو جگہ (سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ) میں ان حوروں کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ خیموں میں محفوظ یاقوت و مرجان موتیوں کی طرح ہوں گی۔ یعنی شرم و حیا سے معمور، نیک، پاکباز، خوبصورت اور خوب سیرت ہوں گی۔

پس قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حوروں سے مراد نیک اور پاک جوڑے ہیں جو جنت میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں بندھے ہوں گے اور انہیں بطور انعام ملیں گے۔ ان جوڑے کی کیفیت کیا ہو گی؟ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ انسان کو اس کا علم اسی وقت ہو گا جب وہ جنت میں جائے گا۔

باقی جہاں تک اس بارہ میں قرآنی تفاسیر کا تعلق ہے تو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ البقرہ کی آیت وَلَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جنتیوں کو وہاں پاک ساتھی یعنی پاک بیویاں اور پاک خاوند ملیں گے جو ایک دوسرے کی روحانی ترقی میں مدد کرنے والے ہونگے۔ اس لئے اس دنیا کے میاں بیوی اگر اگلے جہاں میں بھی اکٹھا رہنا چاہتے ہیں تو مرد کو اپنی نیکی کے ساتھ اپنی بیوی کی نیکی کا بھی خیال رکھنا چاہئے اور عورت کو اپنی نیکی کے ساتھ اپنے خاوند کی نیکی کا بھی خیال رکھنا چاہئے اور دونوں کو ایک دوسرے کو نیک بنانے کی کوشش کرنی چاہئے تا کہ ایسا نہ ہو کہ میاں جنت میں ہو اور بیوی دوزخ میں ہو یا بیوی جنت میں ہو اور میاں دوزخ میں ہو۔

(ملخص از تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 252)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ سورۃ الدخان کی آیت وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

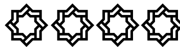
”ہم ان کی ازواج کو حور بنادیں گے اور انہیں ازدواجی رشتہ میں باندھیں گے۔ پھر اس سے اگلی آیت میں فرمایا کہ ہم ان کے ساتھ جنت میں ان کی اولاد کو بھی جمع کر دیں گے۔ اس جگہ بیوی کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ پہلی آیت میں آچکا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک بڑھیا سے کہا کہ جنت میں کوئی بوڑھی نہیں جائے گی۔ تو اس نے رونا شروع کر دیا کہ یارسول اللہ میں کہاں مروں کھپوں گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم نہیں جاؤ گی۔ میں نے یہ کہا ہے کہ جنت میں کوئی بوڑھی نہیں جائے گی۔ تم جوان ہونے کی حیثیت میں وہاں جاؤ گی۔ تو جب بوڑھی وہاں جوان ہونے کی حیثیت میں جائے گی تو بدصورت وہاں خوبصورت حیثیت میں جائے گی۔ جو لنگڑی لولی یہاں سے گئی ہے وہاں صحت مند اعضا، بھرپور نشوونما کے ساتھ جائے گی۔ تو وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ کہ ان کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں باندھا جائے گا بڑھیا سے نہیں، جس حالت میں اس نے اس دنیا میں اپنی بیوی چھوڑی بلکہ حُوۡرٍ عِیۡنٍ کے ساتھ جو جوان بھی ہوگی، خوبصورت بھی ہوگی، نیک بھی ہوگی۔ بہرحال یہاں حور کا لفظ زوج کی حیثیت سے آیا ہے۔“

(ملخص از خطبہ جمعہ مؤرخہ 19 فروری 1982، خطبات ناصر جلد نہم صفحہ 386، 387)

شادی کے بعد بیوی کیلئے خاوند کا نام اپنانے کا سوال کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ جس کی پابندی ضروری ہو۔ اگر دل چاہے تو اپنا لیا جائے اور اگر دل نہ چاہے تو نہ اپنائے اور اگر سرکاری کاغذات میں نام اپنانا لازمی ہو تو اپنا لینا چاہیے، اس میں کوئی حرج کی بات بھی نہیں۔

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 03 مارچ 2023ء)



بنیادی مسائل کے جوابات

بابت

رمضان المبارک

(تیار کردہ: ظہیر احمد خان)

(پیش کردہ: فائقہ بشریٰ۔ بحرین)

سوال: ایک دوست نے دریافت کیا کہ دار قطنی میں ایک حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے نماز عید کے بعد فرمایا کہ ہم خطبہ دیں گے، جو چاہے سننے کیلئے بیٹھا رہے اور جو جانا چاہے چلا جائے، کیا یہ حدیث درست ہے؟ اس پر حضور انور نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20/ اکتوبر 2020ء میں درج ذیل جواب عطا فرمایا:

جواب: خطبہ عید کے سننے سے رخصت پر مبنی حدیث جسے آپ نے دار قطنی کے حوالہ سے اپنے خط میں درج کیا ہے، سنن ابی داؤد میں بھی روایت ہوئی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ حضور ﷺ نے خطبہ عید کے سننے کی اس طرح تاکید نہیں فرمائی جس طرح خطبہ جمعہ میں حاضر ہونے اور اسے مکمل خاموشی کے ساتھ سننے کی تاکید فرمائی ہے۔ اسی بناء پر علماء وفقہاء نے خطبہ عید کو سنت اور مستحب قرار دیا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ حضور ﷺ نے عید کیلئے جانے اور دعاء المسلمین میں شامل ہونے کو نیکی اور باعث برکت قرار دیا ہے اور اس کی یہاں تک تاکید فرمائی کہ ایسی خاتون جس کے پاس اپنی اوڑھنی نہ ہو وہ بھی کسی بہن سے عاریۃً اوڑھنی لے کر عید کے لئے جائے۔ اور ایام حیض والی خواتین کو بھی عید پر جانے کی اس ہدایت کے ساتھ تاکید فرمائی کہ وہ نماز کی جگہ سے الگ رہ کر دعا میں شامل ہوں۔

سوال: ایک خاتون نے رمضان المبارک کے اعتکاف کے بارہ میں دریافت کیا کہ کیا یہ اعتکاف گھر پر کیا جاسکتا ہے اور کیا یہ اعتکاف تین دن کیلئے ہو سکتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب 9/ اگست 2015ء میں اس مسئلہ کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: جہاں تک رمضان کے مسنون اعتکاف کا تعلق ہے وہ تو جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے گھر پر اور تین دن کیلئے نہیں ہو سکتا۔

آنحضور ﷺ کی سنت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ رمضان المبارک میں کم از کم دس دن اور مسجد میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ

(صحیح بخاری کتاب الاعتکاف باب الاعتکاف فی العشر الاواخر والاعتکاف فی المساجد کلھا)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک رمضان کے آخری دس دن اعتکاف فرماتے رہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں رمضان کے مسائل بیان فرمائے ہیں وہاں اعتکاف کے بارہ میں احکامات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَأَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ

(سورۃ البقرہ:188)

کہ رمضان کے اعتکاف میں ایک تو میاں بیوی کے تعلقات کی اجازت نہیں اور دوسرا یہ کہ اعتکاف بیٹھنے کی جگہ مسجدیں ہیں۔

احادیث میں بھی اس امر کی وضاحت آئی ہے کہ رمضان کا اعتکاف مسجد میں ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

السُّنَّةُ عَلَی الْمُعْتَکِفِ أَنْ لَا یَعُوْدَ مَرِیْضًا وَلَا یَشْھَدَ جَنَازَةً وَلَا یَمَسَّ امْرَأَةً وَلَا یُبَاشِرَھَا وَلَا یَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْہُ وَلَا اعْتِکَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اعْتِکَافَ إِلَّا فِی مَسْجِدٍ جَامِعٍ

(سنن ابی داؤد کتاب الصوم باب المعتکف یعود المریض)

ترجمہ: معتکف کے لئے مسنون ہے کہ وہ مریض کی عیادت نہ کرے اور نہ جنازہ میں شامل ہو اور نہ اپنی بیوی کو چھوئے اور نہ اس سے جسمانی تعلق قائم کرے۔ اور سوائے اشد ضروری حاجت کے جس کے سوا چارہ نہ ہو مسجد سے باہر نہ جائے۔ اور روزوں کے بغیر اعتکاف درست نہیں اور نہ ہی جامع مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں پر اعتکاف درست ہے۔

پس قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ کے مطابق رمضان المبارک کا مسنون اعتکاف کم از کم دس دن ہوتا ہے اور اس کیلئے مسجد میں ہی بیٹھا جاتا ہے۔

ہاں رمضان کے علاوہ عام دنوں میں اگر نیکی کے طور پر اور ثواب کی خاطر کوئی اپنے گھر میں چند دن کیلئے اعتکاف کرنا چاہتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہے اور اس کی کہیں ممانعت نہیں ملتی۔ علاوہ ازیں بعض فقہاء نے عورت کے گھر میں اعتکاف کرنے کو بہتر قرار دیا ہے۔ چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھا ہے:

اما المرأة تعتکف فی مسجد بیتها

(ھدایہ باب الاعتکاف)

یعنی عورت اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے۔

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بارہ میں فرماتے ہیں:

''مسجد کے باہر اعتکاف ہو سکتا ہے مگر مسجد والا ثواب نہیں مل سکتا۔''

(روزنامہ الفضل 6/مارچ 1996ء)

سوال: آسٹریلیا کے واقفات نو کے اسی پروگرام گلشن وقف نو مؤرخہ 12/ اکتوبر 2013ء میں ایک بچی نے حضور انور کی خدمت اقدس میں سوال کیا کہ ہم رمضان کے روزے کس عمر میں رکھنا شروع کریں؟ اس استفسار کا جواب عطا فرماتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

جواب: روزے تم پر اس وقت فرض ہوتے ہیں جب تم لوگ پوری طرح Mature ہو جاؤ۔ اگر تم سٹوڈنٹ ہو اور تمہارے امتحان ہو رہے ہیں تو ان دنوں میں اگر تمہاری عمر تیرہ، چودہ، پندرہ سال ہے تو تم روزے نہ رکھو۔ اگر تم برداشت کر سکتی ہو تو پندرہ سولہ سال کی عمر میں روزے ٹھیک ہیں۔ لیکن

عموماً فرض روزے جو ہیں وہ سترہ، اٹھارہ سال کی عمر سے فرض ہوتے ہیں، اس کے بعد بہر حال رکھنے چاہئیں۔ باقی شوقیہ ایک، دو، تین، چار روزے اگر تم نے رکھنے ہیں تو آٹھ دس سال کی عمر میں رکھ لو، فرض کوئی نہیں ہیں۔ تمہارے پہ فرض ہوں گے جب تم بڑی ہو جاؤ گی، جب روزوں کو برداشت کر سکتی ہو۔ یہاں (آسٹریلیا میں۔ مرتب) مختلف موسموں میں کتنا فرق ہوتا ہے؟ Day Light کتنے گھنٹے کی ہوتی ہے؟ سحری اور افطاری میں کتنا فرق ہوتا ہے؟ بارہ گھنٹے؟ اور Summer میں کتنا ہوتا ہے؟ انیس گھنٹے کا ہوتا ہے؟ ہاں تو بس انیس گھنٹے تم بھوکی نہیں رہ سکتی۔ یوکے میں بھی آجکل، جو پیچھے گرمیاں گزری ہیں، ان میں تمہارے روزے چھوٹے تھے اور وہاں لمبے روزے تھے۔ ساڑھے اٹھارہ گھنٹے کے روزے تھے۔ تو سویڈن وغیرہ میں بائیس گھنٹے کے روزے ہوتے ہیں۔ تو وہاں تو بہر حال وقت کو ایڈجسٹ کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اتنا لمبا روزہ بھی نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن برداشت اس وقت ہوتی ہے جب تم جوان ہو جاتی ہو، کم از کم سترہ اٹھارہ سال کی ہو جاؤ تو پھر ٹھیک ہے۔ پھر روزے رکھو۔ سمجھ آئی؟ تمہارے اماں ابا کیا کہتے ہیں؟ دس سال کی عمر میں تم پر روزہ فرض ہو گیا ہے؟ لیکن عادت ڈالا کرو۔ چھوٹے بچوں کو بھی دو تین روزے ہر رمضان میں رکھ لینے چاہئیں تاکہ پتہ لگے کہ رمضان آرہا ہے۔ لیکن روزے نہ بھی رکھنے ہوں تو صبح اٹھو اور اماں ابا کے ساتھ سحری کھاؤ، نفل پڑھو، نمازیں باقاعدہ پڑھو۔ تم لوگوں کا، سٹوڈنٹس کا اور بچیوں کا رمضان یہی ہے کہ رمضان میں اٹھیں ضرور اور سحری کھائیں، اہتمام کریں اور اس سے پہلے دو یا چار نفل پڑھ لیں۔ پھر نمازیں باقاعدہ پڑھیں۔ قرآن شریف باقاعدہ پڑھیں۔

(بنیادی مسائل کے جوابات قسط نمبر 1 الفضل آن لائن۔ لندن 17 / دسمبر 2020ء)

سوال: ایک دوست نے عیدین کی نماز کے واجب ہونے نیز عید کی نماز میں امام کے کسی رکعت میں تکبیرات بھول جانے اور اس کے تدارک میں سجدہ سہو کرنے کے بارے میں حضور انور کی خدمت اقدس میں رہنمائی فرمانے کی درخواست کی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب 21 / نومبر 2017ء میں اس سوال کا جو جواب عطا فرمایا، وہ حسب ذیل ہے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: عیدین کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خواتین جن پر ان کے خاص ایام ہونے کی وجہ سے نماز فرض نہیں، انہیں بھی عید گاہ میں آکر مسلمانوں کی دعا میں شامل ہونے کا پابند فرمایا ہے۔

اور جہاں تک امام کے تکبیرات بھول جانے کا سوال ہے تو ایسی صورت میں مقتدی اسے یاد کروادیں، لیکن مقتدیوں کے یاد کروانے کے باوجود اگر امام کچھ تکبیرات نہ کہہ سکے تو مقتدی امام کی ہی اتباع کرتے ہوئے عید کی نماز ادا کریں۔ تکبیرات بھولنے کے نتیجہ میں امام کو سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(بنیادی مسائل کے جوابات قسط نمبر 4 روزنامہ الفضل آن لائن لندن 19/ جنوری 2021ء)

سوال: ایک دوست نے مسافر کے لئے رمضان کے روزوں کی رخصت کے بارہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے بعض ارشادات حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں پیش کر کے ان کی باہم تطبیق کی بابت راہنمائی چاہی ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11/ جون 2019ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: آپ کے خط میں بیان دونوں قسم کے ارشادات میں کوئی تضاد نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ دونوں ہی کا قرآن کریم کے واضح حکم کی روشنی میں یہی ارشاد ہے کہ مسافر اور مریض کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ اور اگر کوئی شخص بیماری میں یا سفر کی حالت میں روزہ رکھتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے واضح حکم کی نافرمانی کرتا ہے۔

جہاں تک حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد ”روزہ میں سفر ہے۔ سفر میں روزہ نہیں“ کا تعلق ہے تو اگر اس سارے خطبہ کو غور سے پڑھا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور دراصل اس میں مختلف مثالیں بیان فرما کر سمجھا رہے ہیں کہ ایسا سفر جو باقاعدہ تیاری کے ساتھ، سامان سفر باندھ کر سفر کی نیت سے کیا جائے وہ سفر خواہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اس میں شریعت روزہ رکھنے سے منع کرتی ہے۔ لیکن ایسا سفر جو سیر کی غرض سے یا کسی Trip اور Enjoyment کیلئے کیا جائے، وہ روزہ کے لحاظ سے سفر شمار نہیں ہو گا اور اس میں روزہ رکھا جائے گا۔ چنانچہ سفر میں روزہ رکھنے کے بارہ میں آپ کے دیگر ارشادات بھی آپ کے اسی نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔

(بنیادی مسائل کے جوابات قسط نمبر 11 الفضل آن لائن۔ لندن 13/ اپریل 2021ء)

سوال: حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ خاکسار کی ملاقات مؤرخہ 13/اپریل 2021ء میں خادم کے عرض کرنے پر کہ کیا کسی آن لائن سسٹم کے تحت نماز تراویح ادا کی جاسکتی ہے؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

جواب: اگر مسجد اور اس کے عقب میں گھر ایک ہی Location میں ہوں جیسا کہ اسلام آباد یوکے کے نئے مرکز احمدیت میں مسجد مبارک اور اس کے عقب میں کارکنان کے گھر ہیں تو لاؤڈ سپیکر اور ایف ایم ریڈیو وغیرہ کے مواصلاتی ذریعہ سے جس کے منقطع ہونے کے بہت کم امکانات ہوتے ہیں صرف مجبوری کی حالت میں جیسا کہ آجکل کرونا وائرس کی وبا کی وجہ سے مجبوری ہے، نماز تراویح اور دیگر نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ لیکن اگر مسجد اور مکانات الگ الگ Locations میں ہوں یا مکانات مسجد کے آگے ہوں تو ایسے گھروں کے مقیم اس طرح مسجد میں ہونے والی نمازوں کی اقتداء میں نمازوں کی ادائیگی نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ اپنے اپنے گھروں میں اپنی باجماعت نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(بنیادی مسائل کے جوابات قسط نمبر 51 الفضل آن لائن لندن 22/جون 2021ء)

سوال: اس سوال پر کہ روزہ کے دوران اگر کسی خاتون کے ایام حیض شروع ہو جائیں تو اسے روزہ کھول لینا چاہئے یا اس روزہ کو مکمل کر لینا چاہئے۔ نیز جب یہ ایام ختم ہوں تو سحری کے بعد پاک صاف ہو سکتے ہیں یا سحری سے پہلے پاک ہونا ضروری ہے؟ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 30/اپریل 2020ء اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: عورت کی اس فطرتی حالت کو قرآن کریم نے ”أَذًى“ یعنی تکلیف کی حالت قرار دیا ہے۔ اور اسلام نے اس کیفیت میں عورت کو ہر قسم کی عبادات کے بجالانے سے رخصت دی ہے۔ اس لئے جس وقت ایام حیض شروع ہو جائیں اسی وقت روزہ ختم ہو جاتا ہے اور ان ایام کے پوری طرح ختم ہونے پر اور مکمل طور پر پاک ہونے کے بعد ہی روزے رکھے جاسکتے ہیں۔ نیز جو روزے ان ایام میں (بشمول آغاز اور اختتام والے دن کے) چھوٹ جائیں، ان روزوں کو رمضان کے بعد کسی وقت بھی پورا کیا جاسکتا ہے۔

سوال: روزہ کے دوران کورونا ویکسین کا انجیکشن لگوانے کے جواز کی بابت ایک غیر از جماعت ادارہ کے فتویٰ کی الفضل انٹرنیشنل میں اشاعت پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 13/ اپریل 2021ء میں اس شرعی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: ایسی خبریں اور فتوے الفضل میں شائع کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے اسے شائع کرنا ناگزیر تھا تو ساتھ ہی جماعتی مسلک بھی شائع کرنا چاہئے تھا کہ یہ فلاں ادارہ کا فتویٰ ہے۔ جبکہ جماعتی مسلک اس کے برعکس ہے۔ تا کہ آپ کا یہ خبر نامہ پڑھ کر کسی کو غلطی نہ لگتی۔

بہر حال فوری طور پر اب اس کی تردید شائع کریں اور اس میں صاف صاف جماعتی مسلک درج کریں کہ روزہ کی حالت میں ہر قسم کا انجیکشن خواہ وہ Intramuscular ہو یا Intravenous ہو لگوانا منع ہے۔ اور اگر کسی احمدی کو کورونا ویکسین کی Appointment رمضان میں ملتی ہے تو اسلام نے جو رخصت دی ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ انجیکشن والے دن روزہ نہ رکھے اور رمضان کے بعد اس روزہ کو پورا کر لے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو احادیث نبویہؐ سے استدلال فرماتے ہوئے روزہ کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ لگانے کی بھی اجازت نہیں دی۔ اور آپ الفضل میں اس فتویٰ کے مطابق انجیکشن کو بھی جائز قرار دے رہے ہیں۔

(بنیادی مسائل کے جوابات قسط نمبر 24 الفضل آن لائن۔ لندن 8 جولائی 2022ء)

سوال: عید اور جمعہ کے ایک ہی دن جمع ہو جانے پر نماز عید کی ادائیگی کے بعد نماز جمعہ یا نماز ظہر پڑھنے کے بارہ میں محترم ناظم صاحب دارالافتاء کی ایک رپورٹ کے جواب میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16/ مئی 2021ء میں اس مسئلہ پر درج ذیل اصولی ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: عید اور جمعہ کے ایک ہی دن جمع ہو جانے پر نماز عید کی ادائیگی کے بعد اس روز نماز جمعہ اور نماز ظہر دونوں نہ پڑھنے کے بارہ میں تو صرف حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا ہی موقف اور عمل ملتا ہے

اور وہ بھی ایک مقطوع روایت پر مبنی ہے، نیز اس روایت کے دوراویوں کے بیان میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔ جبکہ مستند اور قابل اعتماد روایات میں تو حضور ﷺ کی سنت اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کا یہی مسلک ملتا ہے کہ ان سب نے یا تو اس روز نماز عید کی ادائیگی کے بعد جمعہ بھی اپنے وقت پر ادا کیا ہے اور دور کے علاقوں سے آنے والوں کو جمعہ سے رخصت دیتے ہوئے ہدایت کی کہ وہ اپنے علاقوں میں ظہر کی نماز ادا کرلیں اور بعض مواقع پر نماز عید کی ادائیگی کے بعد جمعہ ادا نہیں کیا لیکن ظہر کی نماز ضرور اپنے وقت پر ادا کی گئی۔

یہی موقف اور عمل حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کا بھی ملتا ہے۔ سوائے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ایک مرتبہ کے عمل کے کہ جب آپ نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی اسی مذکورہ بالا روایت پر عمل کرتے ہوئے عید پڑھانے کے بعد نہ جمعہ ادا کیا اور نہ ظہر کی نماز پڑھی۔

لیکن حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی یہ روایت آنحضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے کسی قول یا فعل پر مبنی نہیں ہے اس لئے صرف اس مقطوع روایت کی وجہ سے جس کے راویوں کے بیانات میں بھی تضاد موجود ہے فرض نماز کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس روایت پر مبنی حصہ کو فقہ احمدیہ سے حذف کر دیں اور فقہ احمدیہ میں لکھیں کہ اگر عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہوتے ہیں تو نماز عید کی ادائیگی کے بعد اگر جمعہ نہ پڑھا جائے تو ظہر کی نماز اپنے وقت پر ضرور ادا کی جائے گی۔

سوال: ایک عرب خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے باقی ہوں تو اس کے بچے اس کی طرف سے یہ روزے رکھ سکتے ہیں، اس بارہ میں جماعت کا کیا موقف ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 24/ مئی 2021ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: نماز اور روزہ بدنی عبادات ہیں، اس لئے ان کا ثواب اسی شخص کو پہنچتا ہے جو ان عبادات کو بجالاتا ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک میت کی طرف سے نماز اور روزے رکھنا مرنے والے کی اولاد کی ذمہ داری نہیں ہے۔

فقہاء کی اکثریت جن میں حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالک اور امام شافعیؒ شامل ہیں، ان روزوں کے رکھنے کو درست نہیں سمجھتے اور ان کی بھی یہی دلیل ہے کہ روزہ ایک بدنی عبادت ہے جو اصول شرع سے واجب ہوتی ہے اور زندگی اور موت کے بعد اس میں نیابت نہیں چلتی۔

(الفقہ الاسلامی و ادلتہ کتاب الصوم، از ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی)

باقی جہاں تک کتب احادیث میں اس قسم کی روایات کے بیان ہونے کا تعلق ہے تو علماء حدیث اور شارحین نے ان روایات کی تشریح میں اس سے مختلف روایات کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً میت کی طرف سے اس کے اولاد کے روزہ رکھنے والی روایات حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں، لیکن کتب احادیث میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی طرف سے یہ روایت بھی موجود ہے کہ وفات یافتہ کی طرف سے روزے نہ رکھو بلکہ اس کی طرف سے کھانا کھلاؤ۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الصوم بَاب مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ)

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے مروی اس قسم کی روایات میں کئی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ سوال پوچھنے والا مرد ہے اور دوسری جگہ عورت۔ اسی طرح روزوں کے بارہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ رمضان کے روزے تھے یا نذر کے روزے تھے۔ نیز ایک جگہ روزوں کی بابت پوچھا جا رہا ہے اور دوسری جگہ حج کی بابت پوچھا ہے۔

(شرح بخاری از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ جلد سوم صفحہ 630 کتاب الصوم)

پس اس قسم کے اختلافات کی وجہ سے محدثین میں بھی میت کی طرف سے روزے رکھنے کے بارہ میں مختلف آراء پائی جاتی ہے لیکن کسی نے بھی اسے واجب قرار نہیں دیا۔

البتہ میت کی طرف سے کوئی ایسا کام کرنا جس سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچتا ہو تو وہ ایک صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کا ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے۔

(بنیادی مسائل کے جوابات قسط نمبر 36 الفضل آن لائن لندن 28/ اکتوبر 2022ء)

سوال: قرآن کریم کی حافظہ ایک بچی نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ کیا میرے والد صاحب میری اقتداء میں نماز تراویح ادا کرسکتے ہیں؟ اور اگر نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کا آغاز کرنا ہو تو کیا پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد دوبارہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۃ البقرہ کی قرأت شروع کی جائے گی؟ نیز یہ کہ جہری نمازوں میں سورتوں کی قرأت سے قبل بسم اللہ بھی اونچی آواز میں پڑھنی چاہیئے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25/جولائی 2021ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اسلام نے نماز باجماعت کی فرضیت صرف مردوں پر عائد فرمائی ہے اور عورتوں کا باجماعت نماز ادا کرنا محض نفلی حیثیت قرار دیا ہے۔ اس لئے مردوں کی موجودگی میں کوئی عورت نماز باجماعت میں ان کی امام نہیں بن سکتی۔ آنحضور ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے کبھی کسی عورت کو مردوں کا امام مقرر نہیں فرمایا۔ اسی طرح اس زمانہ کے حکم وعدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی جب کبھی کسی علالت کی وجہ سے گھر پر نماز ادا فرماتے تو باوجود علالت کے نماز کی امامت خود کراتے۔ پس نفل نماز ہو یا فرض، اگر کسی جگہ پر مرد اور عورتیں دونوں موجود ہوں تو نماز باجماعت کی صورت میں نماز کا امام مرد ہی ہو گا۔

2۔ نماز کے دوران قرآن کریم کی تلاوت آغاز سے شروع کرتے وقت بھی طریق یہی ہے کہ نماز میں پڑھی جانے والی سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۃ البقرہ کی تلاوت شروع کی جائے گی، دوبارہ سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔ البتہ فقہاء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ قرآن کریم ختم کرنے کی صورت میں اگر کوئی شخص نماز میں سورۃ الناس کے بعد دوبارہ قرآن کریم کا کچھ ابتدائی حصہ پڑھنا چاہے تو وہ سورۃ فاتحہ سے آغاز کرسکتا ہے اور اس کے بعد سورۃ البقرہ کا بھی کچھ پڑھ سکتا ہے، اس میں کچھ حرج کی بات نہیں لیکن ابتداء میں سورۃ فاتحہ کا تکرار بعض فقہاء کے نزدیک موجب سجدہ سہو ہے۔

3۔ نماز میں سورۃ کی تلاوت شروع کرنے سے قبل بسم اللہ بلند آواز میں پڑھنا یا آہستہ پڑھنا ہر دو طریق درست اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ چنانچہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان سب کے پیچھے نماز پڑھی ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی میں نے بسم اللہ بالجہر پڑھتے نہیں سنا۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ)

نعیم بن المجمر روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرۃؓ کی امامت میں نماز پڑھی، انہوں نے بسم اللہ اونچی آواز میں تلاوت کی پھر سورۃ فاتحہ پڑھی۔ پھر جب غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ پر پہنچے تو انہوں نے آمین کہی تو لوگوں نے بھی آمین کہی۔ جب آپ سجدہ میں جاتے تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے اور جب دو رکعت پڑھ کر اٹھتے تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے۔ پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو کہا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نماز کے معاملہ میں تم میں سے سب زیادہ آنحضرت ﷺ کی نماز سے مشابہ ہوں۔ (یعنی میری نماز حضور ﷺ کی نماز سے مشابہ ہے)

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب قرأۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

حضرت ابو ہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم جہراً پڑھا کرتے تھے۔

(المستدرك للحاكم كتاب الامامة و صلاة الجماعة باب التامين)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بسم اللہ جہراً اور آہستہ پڑھنا ہر دو طرح جائز ہے۔ ہمارے حضرت مولوی عبد الکریم صاحب (اللّٰھم اغفرہ وارحمہ) جوشیلی طبیعت رکھتے تھے۔ بسم اللہ جہراً پڑھا کرتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب جہراً نہ پڑھتے تھے۔ ایسا ہی میں بھی آہستہ پڑھتا ہوں۔ صحابہ میں ہر دو قسم کے گروہ ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کسی طرح کوئی پڑھے اس پر جھگڑا نہ کرو۔ ایسا ہی آمین کا معاملہ ہے ہر دو طرح جائز ہے۔ بعض جگہ یہود اور عیسائیوں کو مسلمانوں کا آمین پڑھنا بُرا لگتا تھا تو صحابہ خوب اونچی پڑھتے تھے۔ مجھے ہر دو طرح مزا آتا ہے۔ کوئی اونچا پڑھے یا آہستہ پڑھے۔

(بدر نمبر 32 جلد 11، 23 مئی 1912ء صفحہ 3)

حضرت میاں عبد اللہ صاحب سنوریؓ روایت کرتے ہیں۔ میں نے حضرت صاحب کو کبھی رفع یدین کرتے یا آمین بالجہر کہتے نہیں سنا اور نہ کبھی بسم اللہ بالجہر پڑھتے سنا ہے۔

خاکسار (حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ ناقل) عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق عمل وہی تھا جو میاں عبد اللہ صاحب نے بیان کیا لیکن ہم احمدیوں میں حضرت صاحب کے زمانہ میں بھی اور آپ کے بعد بھی یہ طریق عمل رہا ہے کہ ان باتوں میں کوئی ایک دوسرے پر گرفت نہیں کرتا بعض آمین بالجہر کہتے ہیں بعض نہیں کہتے بعض رفع یدین کرتے ہیں اکثر نہیں کرتے بعض بسم اللہ بالجہر پڑھتے ہیں اکثر نہیں پڑھتے اور حضرت صاحب فرماتے تھے کہ دراصل یہ تمام طریق آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں مگر جس طریق پر آنحضرت ﷺ نے کثرت کے ساتھ عمل کیا وہ وہی طریق ہے جس پر خود حضرت صاحب کا عمل تھا۔

(سیرۃ المہدی جلد اول صفحہ 147-148 روایت نمبر 154 مطبوعہ فروری 2008ء)

(بنیادی مسائل کے جوابات قسط نمبر 40 الفضل آن لائن لندن 9 دسمبر 2022ء)

سوال: ڈنمارک سے ایک مربی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ اور ذوالحجہ کے پہلے عشرہ میں سے کس کی فضیلت زیادہ ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 اگست 2021ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا:

جواب: قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں ان دونوں مہینوں کی فضیلت کا کوئی باہمی تقابلی جائزہ تو بیان نہیں ہوا۔ بلکہ دونوں مہینوں اور ان میں ہونے والی عبادات کے کثرت سے فضائل وبرکات بیان ہوئے ہیں۔ یہ فضائل عمومی رنگ میں بھی بیان ہوئے ہیں اور بعض اوقات حضور ﷺ نے کسی سوال پوچھنے والے کے حالات کے پیش نظر اور بعض اوقات موقعہ محل کے لحاظ سے بھی انہیں بیان فرمایا ہے۔

قرآن کریم اور حدیث میں بیان ہونے والی ان فضیلتوں کی بناء پر بعض اعتبار سے رمضان المبارک کا آخری عشرہ اور اس میں کی جانے والی عبادتیں اور اس میں نازل ہونے والے احکام بظاہر زیادہ

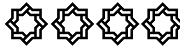
افضل قرار پاتے ہیں اور بعض لحاظ سے ذوالحجہ کا پہلے عشرہ اور اس کی عبادات بظاہر زیادہ افضل ٹھہرتے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا: سَیِّدُ الشُّهُوْرِ شَهْرُ رَمَضَانَ وَأَعْظَمُهَا حُرْمَةً ذُو الْحِجَّةِ

(شعب الایمان للبیہقی، فصل تخصیص أیام العشر من ذی الحجۃ، حدیث نمبر 3597)

یعنی تمام مہینوں کا سردار رمضان کا مہینہ ہے اور ان میں سے حرمت کے اعتبار سے سب سے عظیم ذوالحجہ کا مہینہ ہے۔

(بنیادی مسائل کے جوابات قسط نمبر 42 الفضل آن لائن 6؍ جنوری 2023ء)

(روزنامہ الفضل آن لائن لندن 14 مارچ 2023ء)





ادارہ الفضل آن لائن کی دیگر کتب

1. اسلامی اصطلاحات کا بر محل استعمال
2. ارشادات حضرت مسیح موعودؑ بابت مختلف ممالک و شہر
3. جماعت احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں خلافت خامسہ کا عظیم الشان کردار اور معیت الٰہی
4. ارشادات نور
5. کتابِ تعلیم
6. ذیلی تنظیموں کا تعارف اور اس حوالے سے مضامین
7. مجددین اسلام۔ تعارف و کارہائے نمایاں
8. میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا
9. جماعت احمدیہ کا نظام خلافت
10. اداریے (حنیف محمود کے قلم سے) جلد اول
11. حیات نورالدینؓ

12. دعا، ربوبیت اور عبودیت کا ایک کامل رشتہ ہے

13. قرآنی انبیاء

14. معلمین وقف جدید کے لئے مشعل راہ

۱۵۔ جامع المناھج والاسالیب

16. مقام وعظمت خلافت

17. اداریے (حنیف محمود کے قلم سے) جلد دوم

18. الفضل کی اہمیت، افادیت اور قلم کے استعمال کی ترغیب

19. مسز ناصر کی کہانی، مسز ناصر کی زبانی

20. واقعہ افک

21. اداریے (حنیف محمود کے قلم سے) جلد سوم

22. قرآنی سورتوں کا تعارف

23. سیدنا حضرت امیر المؤمنین کا دورہ امریکہ 2022ء

24. ربط ہے جانِ محمد سے مری جاں کو مدام

25. سیدنا حضرت مصلح موعودؓ (روزنامہ الفضل آن لائن لندن کے اوراق سے)

26. جماعت احمدیہ کی دنیا بھر میں مساجد

27. احمدیت کے چمکتے ستارے۔ شہدائے برکینا فاسو

28. لجنہ اماء اللہ کے سو سال

29. دلچسپ و مفید واقعات و حکایات

30. اپنے جائزے لیں

31. دعاؤں کا تحفہ قرآنی دعائیں
32. اداریے بابت رمضان المبارک
33. خلافت۔ اہمیت، فضلیت و برکات
34. ممکنہ تیسری عالمی جنگ
35. سیدنا حضرت مسیح موعودؑ (روزنامہ الفضل آن لائن لندن کے اوراق سے)
36. ایک سبق آموز بات
37. حاصل مطالعہ (روزنامہ الفضل آن لائن لندن کے اوراق سے)
38. فقہی مسائل (الفضل آن لائن کے اوراق سے)
39. آؤ! اردو سیکھیں
40. دعاؤں کا تحفہ مناجات رسولؐ
41. اداریے (حنیف محمود کے قلم سے) جلد چہارم
42. بنیادی مسائل کے جوابات از حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ
43. بچوں کی تقاریر (زیر تکمیل)
44. تبلیغ میں پریس اور میڈیا سے کس طرح کام لیا جاسکتا ہے (زیر تکمیل)
45. تلخیص احکام خداوندی (زیر تکمیل)
46. اے چھاؤں چھاؤں شخص (عابد خان صاحب کی ڈائری)
47. سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ (روزنامہ الفضل آن لائن لندن کے اوراق سے) (زیر تکمیل)
48. آداب معاشرت (زیر تکمیل)
49. پھول ہمارے آنگن کے (ادارہ الفضل آن لائن کی تمام مطبوعات کا تعارف) (زیر تکمیل)

